بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ
لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ
عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيْمًا ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کر دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

اسلامی علوم ومعارف اور علمی و ثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان

شمارہ:- ۲۱۳- جولائی تا ستمبر ۲۰۰۹ء

خصوصی شمارہ

(ہندستان میں اسلامی ادب کی میراث)

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱

فون : ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس : ۲۳۳۸۷۵۴۷

newdelhi@icro.ir

http://newdelhi.icro.ir

شمارہ: ۲۱۳- جولائی تا ستمبر ۲۰۰۹ء

چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر سیّد عبدالحمید ضیائی

ایڈیٹر: پروفیسر سیّد اختر مہدی رضوی

مشاورین علمی

ڈاکٹر کریم بخش برزگر، پروفیسر سیّد امیر حسن عابدی، ڈاکٹر اوصاف علی
ڈاکٹر عبدالودود اظہر دہلوی، پروفیسر شاہ محمد وسیم، پروفیسر سید علی محمد نقوی
پروفیسر سید عراق رضا زیدی، پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی

مدیر اجرائی : علی ظہیر نقوی

تزئین جلد : عائشہ فوزیہ

صفحہ آرائی و کمپوزنگ : محمد یاسین

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مضمون کیلئے مقالہ نگار خود ذمہ دار ہے۔
مقالہ نویس کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔
راہ اسلام مقالات و مضامین کے انتخاب و اصلاح و ایڈیٹنگ اشاعت کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہے۔
اور اس سلسلے میں ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ آخری ہوگا۔
اشاعت کی غرض سے ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا لازمی ہے۔ عبارت کاغذ کے ایک طرف ہی لکھی جائے
اور کاغذ A-4 سائز کا ہو تو بہتر ہے۔
صرف غیر مطبوعہ مقالات ہی ارسال کئے جائیں۔
تحقیقی مقالات کی آمادگی میں جن مأخذ و مدارک کا استعمال کیا گیا ہو۔ ان کا ذکر لازمی ہے۔
مقالہ کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی ضرور ارسال کیا جائے۔
راہ اسلام میں شائع شدہ مقالات کی نقل یا ان کے ترجمہ و اقتباس کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہے
بشرطیکہ مأخذ کا ذکر کر دیا جائے۔

پریس : الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔پی

فہرست

شمارہ:- ۲۱۳-جولائی تا ستمبر ۲۰۰۹ء

اداریہ: مشترکہ ثقافتی میراث	**ایڈیٹر**	۶
اردو کی نعتیہ شاعری میں قرآن وحدیث.....	**ڈاکٹر شاکر علیمی**	۹
سانحہ کربلا بطور استعارہ	**پروفیسر گوپی چند نارنگ**	۳۷
ترجمہ وتفسیر قرآن میں سرسید احمد خان کا حصہ	محمد رضا الکریم	۵۰
ہندوستان میں ادب نہج البلاغہ کا فروغ	ڈاکٹر سید حسنین اختر	۶۴
غیر مسلم اردو شعرا کی نعت گوئی	ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ	۷۸
برصغیر پاک وہند میں تفاسیر وتراجم کا آغاز	ڈاکٹر عبد الرحیم	۱۲۰
قصبہ سیتھل کے اسلامی ادب کا اجمالی تعارف	پروفیسر عراق رضا زید	۱۳۹
فکر اقبال میں کربلا کی اہمیت	ڈاکٹر غلام شبیر رانا	۱۴۹
خان بہادر سید اولاد دفوق بلگرامی حیات وخدمات	پروفیسر سید جعفر رضا بلگرامی	۱۵۴
اسلامی ادبیات کے فروغ میں امروہا کی خدمات	ڈاکٹر سید احسن اختر سروش	۱۶۱
'ابواب المصائب' مرزا دبیر کا نثری شاہکار	ڈاکٹر سید تقی عابدی	۱۷۵
قصبہ جلالی میں اسلامی ادبی میراث کا مختصر خاکہ	پروفیسر عزیز الدین حسین ہمدانی	۱۸۴
مطبع نول کشور کی اسلامی مطبوعات پر ایک نظر	ڈاکٹر سمیع احمد	۱۹۱
اسلامی ادب کی ترویج واشاعت میں سنبھل کی خدمات	ڈاکٹر سید کلیم اصغر	۱۹۷
معارفی کتاب	پروفیسر شریف حسین قاسمی	۲۰۹
ذخیرۂ جلالی کے چار اہم مخطوطات	کمال الدین حسین ہمدانی	۱۷۱

اداریـــــــــہ:

مشترکہ ثقافتی میراث

رمضان المبارک اپنی جملہ الٰہی نعمتوں اور برکتوں کے ساتھ پھر آ گیا۔ تقویٰ و پرہیزگاری، انسان سازی اور ضیافت الٰہی کا یہ مہینہ جملہ فرزندان توحید کو مبارک ہو کیونکہ اس مہینے میں روزہ داری کے ذریعہ انسان حکم خداوندی کی پیروی کا فریضہ انجام دیتا ہے اور دوسری طرف خداوند عالم کے مہمان کے لئے افطار کی فراہمی کے ذریعہ میزبانی کا فرض ادا کرتا ہے اور دونوں کا مقصد خداوند عالم کی رضا وخوشنودی کا حصول ہے۔ درحقیقت روزہ اس عبادت کا نام ہے جو ظہور اسلام سے قبل رونما ہونے والی دیگر اقوام پر بھی فرض تھا۔ قرآن مجید نے نہایت واضح لفظوں میں اس حقیقت کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "یاایّھا الّذین امنوا کتب علیکم الصّیام ..... تتّقون" یعنی اے ایمان والو! روزہ رکھنا جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کیا گیا تاکہ تم اس کی وجہ سے بہت سے گناہوں سے دور رہو۔

جی ہاں! رمضان المبارک ضیافت ومہمانی الٰہی کا مہینہ ہے جس میں تمام روزہ دار اپنے پروردگار کے مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ روزہ دار ایسے میزبان کی مہمانی کا شرف حاصل کرتا ہے جو خالق ومالک کون ومکاں ہے۔ یہ محض الٰہی میزبانی کا عطیہ نہیں تو اور کیا ہے کہ خداوند عالم اپنے مہمان کی ہر سانس کو تسبیح حق کا درجہ عطا کرتا ہے اور اس کی نیند کو بھی اپنی عبادت سے تعبیر کرتا ہے۔ اپنے مہمانوں کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف عنایت کرتا ہے۔ اب اس سے زیادہ اہم بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ خداوند عالم یہ ارشاد فرمائے۔ " الصوم لی وانا اجری بہ"

واضح رہے کہ ہندوستان مختلف ادیان ومذاہب کی پیروی کرنے والے لوگوں کا ملک ہے اور اس ملک میں ہر مذہب ومکتب فکر کے لوگ امن وسکون اور صلح وسلامتی کی زندگی بسر کرنے کے لئے پوری طرح آزاد ہیں۔ اس ملک کے آئین میں ہر ہندوستانی کو اپنی خواہش کے مطابق زندگی

بسر کرنے اور اپنے پسندیدہ دین کی پیروی کرنے کی مکمل آزادی فراہم کی گئی ہے اور حکومت پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ مذہبی آزادی کی فضا کو برقرار رکھے اور لوگوں کو ان کے مذہبی امور کی بجاآوری میں ہر ممکن تعاون بھی کرے۔ مذہبی آزادی کا یہ سلسلہ نیا نہیں بلکہ صدیوں پرانا ہے اور ہندوستان نے ہر مکتب فکر کا بھرپور استقبال کیا ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ دینی رواداری اور مذہبی آزادی کا یہ عالم رہا ہے کہ اس سرزمین پر جنم لینے والے بودائی مذہب نے آج دنیا کے بہت بڑے علاقے کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔

تاریخی شواہد کے بموجب یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اسلام اپنے توحیدی پیغام کے ساتھ دنیا کے جس علاقہ میں داخل ہوا پورا علاقہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ عربستان کے علاوہ مرکزی ایشیائی ممالک، ایران اور انڈونیشیا اس کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔ درحقیقت اسلام کی اس ہمہ گیریت اور غیر معمولی مقبولیت کا راز اس کی توحید پرستی میں مضمر ہے کیونکہ ظہور اسلام سے قبل دنیا میں مختلف خداؤں کا تصور کارفرما تھا۔ عیسائیت نے تثلیث کے فروغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ ایسے توحید کش اور گھٹن کے ماحول میں پیغمبر عظیم الشان حضرت محمد مصطفیٰؐ نے ''قولوا لااله الا الله وتفلحوا'' کی آواز بلند کی یہ ملکوتی آواز دھیرے دھیرے پورے عربستان اور اس کے بعد دنیا کے دیگر علاقوں پر چھاتی چلی گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے جس توحیدی مکتب فکر کی شروعات ہوئی تھی اور جس کی تبلیغ واشاعت کی راہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے ذریعہ جمع کئے گئے آگ کے انبار کو گلستان میں تبدیل کردیا تھا وہ تحریف و انحرافات کے بھنور سے نکل کر دوبارہ منظر عام پر آگیا اور پیغمبر اکرمؐ اپنی دس سالہ تبلیغ کے نتیجے میں فتح مکہ کے بعد توحیدی ترانہ گنگناتے ہوئے شہر مکہ میں دوبارہ داخل ہوگئے۔

واضح رہے کہ اسلام اپنے ظہور کے ابتدائی مراحل کے دوران ہی ہندوستان میں داخل ہوگیا تھا لیکن اس ملک میں ادبی میراث کی موجودگی ہی نہیں بلکہ بکثرت موجودگی سے اس حقیقت کی نشاندہی ضرور ہوجاتی ہے کہ ہندوستان نے اسلام کا کھلی باہوں کے ساتھ بھرپور استقبال کیا اور ہندوستانی علماء ودانشوروں نے، جن میں غیر مسلم افراد بھی شامل ہیں، اسلامی موضوعات پر بے شمار کتابیں تصنیف کیں جو آج اس ملک کے کونے کونے میں عظیم اسلامی ادبی میراث کی حیثیت سے ذاتی اور سرکاری کتابخانوں میں محفوظ ہیں اور ان میں سے اکثر کتابوں کا فارسی زبان میں ہونا اس بات کی دلیل ہے

کہ فارسی زبان نے اسلامی ادب کے فروغ میں نمایاں اور ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے اور اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ اسلامی ادبی میراث ہندوستان اور ایران کی مشترکہ میراث کا درجہ رکھتی ہے جس کی حفاظت واشاعت دونوں ملکوں کے ثقافتی اداروں کی ذمہ داری ہے۔ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران،اسی ذمہ داری کو نگاہ میں رکھتے ہوئے راہ اسلام کے موجودہ شمارہ کو اسلامی ادبی میراث کے خصوصی شمارہ کی حیثیت سے پیش کررہا ہے امید کہ ہماری یہ کوشش قارئین کو پسند آئے گی۔

اردو کی نعتیہ شاعری میں قرآن وحدیث کے اثرات

ڈاکٹر شاکر علیمی

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں جس قدر بھی علماء ومشائخ گزرے ہیں سب ہی نے تقریباً شعر گوئی کو اپنا شعار بنایا۔ امیر خسرو سے لیکر آج تک برابر ایسے لوگ ہوئے جنہوں نے نہ صرف فارسی میں قرآن وسنت پر مبنی مضامین نظم کیے بلکہ اردو شاعری کے ذریعہ بھی ان خیالات وافکار کو عام کرنے کی پوری کوشش کی۔ مولوی عبدالحق مرحوم نے اس سلسلہ میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام ''اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام'' ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے کیسے کیسے اعلیٰ خیالات تصوف کی چاشنی کے ساتھ عام مسلمانوں تک پہنچائے بلا شبہ ان بزرگوں کی خدمات کو اردو سے محبت رکھنے والے افراد کبھی نہیں بھلاسکتے جس زمانے میں اردو وجود میں آئی اس وقت ہندوستان میں شاعری کا رواج عام تھا اور یہاں کے باشندے شاعری سے غیر معمولی رغبت بھی رکھتے تھے ۔ ایسی صورت میں علماء وصوفیاء کے لئے تبلیغ کا ایک ذریعہ شاعری بھی تھا چنانچہ انہوں نے اسے اختیار کیا اور اس کے ذریعہ اپنے خیالات کو عوام وخواص غرض ہر طبقہ تک پہنچایا۔ بقول مولانا عبد السلام ندوی ''اردو شاعری کا آغاز مذہبی حیثیت سے ہوا اور ایک مدت تک مذہبی خیالات شاعری رہی غالب رہے''[۱] اگر چہ اردو میں اور بھی بہت سے ایسے شعراء ہوئے جنہوں نے رندی اور سرمستی کو اپنا مذہب بنایا اور اسی سے متعلق اپنے کلام میں مضامین رکھے۔ ایسے شعراء کا کلام صرف زبان وبیان کے اعتبار سے ہی اچھا کہا جاسکتا ہے لیکن معنی ومطالب کے اعتبار سے اس کی کوئی وقعت نہیں۔ ائمہ معانی وبیان اور نقاد ان فن نے بھی شعر کی تعریف میں یہی بات کہی ہے۔ ''کہ وہ کلام موزوں جو اپنے تاثرات کو عام کرنے میں ممدومعاون ثابت ہو صحیح معنی میں شاعری ہے اور جس کا کلام اس معیار نہیں اترتا وہ شاعر کہلانے کا مستحق نہیں۔'' معلوم یہ ہوا کہ اردو شاعری چونکہ صوفیہ اور علماء کے دامن تربیت میں پلی بڑھی اور جوان ہوئی اس لیے اس میں قدرتی طور پر بزرگوں کے خیالات کا عکس بہت گہرا ہوتا چلا گیا۔

اردو میں نعتیہ شاعری کا رواج بھی شروع ہی سے تھا لیکن باقاعدہ نعتیہ شاعری کو ابتدائی دور میں کسی نے اپنے لیے مخصوص نہیں کیا بلکہ زیادہ تر حصول برکت کے لئے اپنے دیوان کی ابتداء میں

حمد ونعت رکھی۔ جس سے اگر چہ نعتیہ کلام کافی جمع ہوجاتا ہے، لیکن پھر بھی اس سے حضور اقدس ﷺ کی پوری زندگی کا تفصیلی پتہ نہیں چلتا۔ ایک زمانہ وہ تھا جب قطب شاہی سلطنت کے سلاطین نے شاعری کو اپنا محبوب مشغلہ بنایا اور دکنی زبان میں ایسے لطیف خیالات کا اظہار مختلف اصناف سخن مثلاً غزل مرثیہ قصیدہ اور نعت وغیرہ کے ذریعہ کیا۔ اس کے بعد مولانا نصرتی نے بھی نعتیہ اشعار کہے، لیکن جب دہلی میں اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوا اور ولی دکنی کا دیوان منظر عام پر آیا، تو یہاں بھی دلی کی طرح نعتیں لکھی جانے لگیں، جو صرف نمونتاً ہی پیش کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ سوداؔ اور میر تقی میرؔ وغیرہ نے قصائد میں نعت ومنقبت کے اشعار نظم کیے۔ البتہ انشا کے دور میں شاہ غلام محی الدین ادیبی نے نظم میں قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھی اور اس طرح اردو شاعری میں عظیم کارنامہ معرض مرحومین ہوا۔ ان کے بعد آتش ، ناسخ ، مومنؔ ،غالب اور دیگر شعراء نے نعت کے سلسلہ میں پرانی ہی روش کو برقرار رکھا۔ یعنی قصائد میں مثنویات کی ابتداء میں اور دواوین کے شروع میں نعت کے نمونے پیش کیے ، لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ پوری طرح نعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف پہلوؤں پر کس نے سب سے زیادہ توجہ دی اور کس نے اس کو باقاعدہ ایک الگ صنف سخن کی حیثیت سے اختیار کیا۔ ۲

مومنؔ وغالبؔ کے دور میں مولانا غلام امام شہید نے غزل ،قصیدہ،مثنوی اور ترجیع بندوغیرہ میں نعتیں لکھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی میں نہایت جوش وعقیدت کا اظہار کیا یہاں ایک ترجیع بند پیش کیا جاتا ہے جو قدسی کی غزل پر ہے اور معراج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے۔

؎ قدر رعنا کی ادا جامۂ زیبا کی پھبن سرمہ چشم غضب ناز بھری وہ چتون
وہ عمامے کی سجاوٹ وہ جبین روشن اور وہ مکھڑے کی تجلی وبیاض گردن
وہ عمامہ عربی اور وہ نیچا دامن دلربایانہ وہ رفتار وہ بے ساختہ پن
مردہ بھی دیکھے تو کرچاک گریبان کفن اٹھ چلے قبر سے بے تاب زبان پر یہ سخن

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جان بادفدایت چہ عجب خوش لقبی

غلام امام شہید پہلے شخص ہیں جنہوں نے مولود شہیدی کے نام سے نعت پر مبنی مختلف نظمیں اس میں شامل کی ہیں، ان کے بعد نعتیہ شاعری میں سب سے زیادہ قابل قدر شخصیت محسن کاکوروی

علیہ الرحمہ کی ہے جنہوں نے اپنی شاعری کا بنیادی مقصد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت ہی کو قرار دیا اور قصائد کے علاوہ مثنوی چراغ کعبہ میں سراپا، معراج اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے بلاشبہ محسن کاکوروی کی شخصیت اس اعتبار سے اردو شاعری میں بہت ہی اہم ہے۔ آپ نے ایسا سلسلہ شروع کیا کہ اس کے بعد امیر مینائی، بیدم وارثی، احمد رضا خان بریلوی، کیف ٹونکی اور مولانا ظفر علی خان وغیرہم نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو تقریباً اسی کے لئے مخصوص کرلیا اور اس طرح اردو شاعری میں نعتیہ اشعار کا کافی ذخیرہ جمع ہوگیا جو دوسری زبانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔

محسن کاکوروی اور ان سے قبل اور بعد کے تمام شعراء کے نعتیہ کلام میں قرآن وحدیث کے اثرات کلی طور پر نظر آتے ہیں ان لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ پر پہلے تفصیلی نظر ڈالی اور قرآن وحدیث سے استفادہ کرتے ہوئے خاص طور پر اپنے اشعار کو اس کے مضامین سے مماثل کرکے بیان کیا۔ ان بزرگوں نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس کا حدیث یا قرآن سے ثبوت فراہم ہوسکے اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں وہ پوری طرح کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی اس خدمت کو قبولیت کا درجہ عطا فرمائے اور حضور اقدس ﷺ سے اس درجہ محبت کا صلہ بھی۔

ہم یہاں شعراء اردو کے نعتیہ اشعار قرآن وحدیث کے اصل متن کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ابتدائے اردو شاعری سے لے کر آخر تک کے شعراء کے مختصراً اشعار نمونتاً پیش کیے جاتے ہیں تاکہ قرآن وحدیث کے اثرات کا ایک خاکہ تیار ہوجائے۔

محمد قلی قطب شاہ معانی:

سلطان محمد قلی قطب شاہ المتخلص بہ معانی سلطنت قطب شاہیہ کا بانی تھا۔ ۹۱۸ھ میں دکن میں اس نے اپنی حکومت قائم کی۔ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر مانا جاتا ہے۔ اس کا دیوان محی الدین قادری زور نے ۱۹۴۰ء میں دکن سے شائع کیا۔ ۱۰۲۲ھ میں وفات پائی۔ اس نے حضرت محمد ﷺ کی اس طرح مدح سرائی کی ہے۔

منگے پیغمبراں اپ تیئں شفاعت نت خدا سے

ہمارے مصطفٰے منگیں شفاعت امی کا

عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم انا قائد للرسلین والا فخر وانا خاتم النّبین والا فخر وانا اوّل شافع ومشفع ولا فخر (کنز العمال)

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں انبیائے مرسلین کا پیشوا ہوں اور مجھے اس پر کچھ فخر نہیں میں خاتم النبیین ہوں اور مجھے فخر نہیں سب سے پہلے میں شفاعت کرنے والا ہوں جس کی شفاعت قبول ہے اور مجھے فخر نہیں۔

مولانا نصرتی:

مولانا نصرتی قطب شاہ کے بعد اردو شاعری میں بہت اعلیٰ مقام کے حامل ہیں۔ محمد شاہ المتوفی ۱۰۶۳ھ کے زمانے کے شاعر ہیں۔ یہ اس کے آخری زمانے تک زندہ رہے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں گلشن عشق، علی نامہ، معراج نامہ وغیرہ بہت اہم ہیں، مولوی عبد الحق مرحوم نے نصرتی پر ایک کتاب اسی نام سے تصنیف کی جو انجمن ترقی اردو سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ نعتیہ اشعار نہایت جوش وعقیدت سے کہتے ہیں۔

؎ زہے نامور سید المرسلین کہ آخر ہووے شافع المزنبین

عن ابی سعید قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انا سید ولد آدم (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

ترجمہ: ابوسعید سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں سردار اولاد آدم ہوں۔ ایک حدیث میں شفاعت کی کیفیت اس طرح بیان ہوئی ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم قال فیقول ارفع محمد وقل تسمع واشفع تشفع وسل تعطہ قال فارفع راسی فاشنی علی ربی بثناء وتحمید یعلمتیہ ثم اشفع (مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (محشر میں) خدا فرمائے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر اٹھا کہ جو چاہے گا تری عرض قبول کی جائے گی۔ جس کی چاہے شفاعت کر تیری شفاعت قبول کی جائے گی جو کچھ چاہے مانگ تیرا سوال رد نہیں کیا جائے گا۔

؎ نول رکھ یہ خلقت کے اے دل توریخ وہی پھل ہے آخر جو اول ہے بیج
زباں سول امولک گہر سنج توپنج دھرے سینہ حق راز کا گنج توپنج

عن قتادہ مرسلا قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اول النّاس فی الخلق وآخرھم فی انعبث (کنزل العمال)

ترجمہ: حضرت قتادہؓ سے مرسلاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے میں خلقت میں سب سے پہلے ہوں اور بعثت میں سب کے بعد ہوں۔

عاصیؔ:

عاصیؔ دکن کے شاعر ہیں خوب شعر کہتے ہیں۔ نصرتی، غواصی وغیرہ کا زمانہ پایا تلقین الہدیٰ کے نام سے ان کا ایک مجموعہ انجمن ترقی اردو کے کتب خانے میں موجود ہے نعتیہ اشعار بھی کہتے ہیں چند شعر دیکھئے۔

؎ دہن گلاب سوں دھو کر طرب سوں کہوں صلوٰت میں شاہ عرب کوں
فلک روئے زمیں ملک عجم کی خلافت ہے نبی المحترم کی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یآایّھا الذین امنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیماً۔ (سورہ احزاب) ترجمہ: اے مومنو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجو۔

وما ارسلنٰک الا کآفۃ للنّاس بشیراً ونذیراً (سورہ سباء رکوع ۹ پارہ ۲۲)

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

انّاجعلنٰکم خلیفۃً فی الارض فاحکم بین النّاس بالحق (سورہ ص رکوع ۱۱، پ ۲۳)

ترجمہ: ہم نے آپ کو زمین کی خلافت دی۔ آپؐ انصاف سے لوگوں میں فیصلہ فرمائیں۔

خدا ہر شے میں اپس کو دیکھایا نبی پر بھیج کر قرآن جگایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انّ فی خلق السّموٰت والارض واختلاف الیل والنّھار لاٰیٰت لاولی الالباب (سورہ آل عمران۔ آیت ۱۹۰)

ترجمہ: آسمان وزمین کی تخلیق اور دن ورات کے اختلاف میں اہل عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔

وذکر بالقرآن من یخاف وعید (سورہ ق)

آپ قرآن پاک سے سمجھایئے اس کو جو ڈرے میرے ڈرانے سے۔

؎ خدانزدیک تر ہے شہرگ سوں تیرے ہمیں نادیکھ سک کہانی میں پیری

نحنُ اقرب الیه من حبل الورید (سورہ ق رکوع ۶ ،پ۔ ۲۷)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

نحن اقرب الیه منکم ولکن لاّتبصرون (سورہ واقعہ، رکوع ۱۶، پ۔ ۲۷)

ترجمہ: ہم تمہاری رگ جاں سے بھی زیادہ نزدیک ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔

ولی دکنی : ولی دکنی اردو کا وہ شاعر ہے جس کی وجہ سے دہلی میں اردو شاعری کا عام رواج ہوا انہوں نے اردو شاعری کو فارسی کے اعلیٰ مضامین سے آشنا کیا اور صحیح معنی میں اردوزبان میں شاعری کی پہلی اینٹ رکھی ۔ بہت سی مثنویاں دیوان اور رسالہ تصوف میں نور المعرفت یادگار چھوڑا۔ بڑے ذی علم صاحب کمال بزرگ نورالحسن ہاشمی صاحب نے مقدمہ کلیات ولؔی میں لکھا ہے کہ :

ولی کی علمی وادبی اور مذہبی معلومات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کلام میں آیات قرآنی اور احادیث کی طرف تلمیح بہت ہیں، مذہبی علوم اورتصوف کی اصطلاح کا استعمال ہمیشہ برمحل ہوا۔'' [۳]

بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے لیکن نعتیں بھی کہی ہیں۔ ان کے دیوان میں بہت سی نعتیں ملتی ہیں۔ چند شعر دیکھئے۔

؎ محمدؐ وہ ہے جس کے حق میں لولاک
کہا ہے خالق املاک و افلاک

حدیث میں آتا ہے۔لولاک لما خلقت الافلاک

ترجمہ: اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا نہ بناتا۔

؎ سجن کامکھ منور نور آیت فال مصحف ہے
کہ اہل نامراداں پر دعائے ہل اتی حافظ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نور علی نور یھدی اللّٰہ لنورہ من یّشاء (سورہ نور، رکوع ۱۱، پارہ۔ ۱۸)
روشنی پر روشنی اللہ جسے چاہتا ہے اسے نور سے ہدایت دیتا ہے۔

ھل اتک حدیث الغاشیہ وجوہ یومئذٍ خاشعۃ عاملۃ ناصبۃ تصلیٰ ناراً حامیۃً تُسقیٰ من عین آنیۃ۔ (سورہ غاشیہ)

ترجمہ: کچھ پہنچی تجھ کو بات اس چھپانے والے کی۔ کتنے منہ اس دن ذلیل ہونے والے ہیں۔ محنت کرنے والے تھکے ہوئے گریں گے دہکتی ہوئی آگ میں اور کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلائے جائیں گے۔

؎ رات کو آؤں اگر تیری گلی میں اے حبیب
زیر لب ذکر سبحان الذی اسریٰ '' کروں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلًا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الّذی بارکنا حولہ لنریہ من آیتنا انہ ھو السّمیع البصیر۔ (سورہ بنی اسرائیل)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اس کو اپنی قدرت کے کچھ نمونے وہی سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔

؎ چہرہ گل رنگ وزلف موج زن خوبی نہیں
آیت جنت تجری تحتھا الانھار ہے

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

واعدَّ لھم جنّٰت تجری تحتھا الانھار خلدین فیھا ابداً (سورہ التوبہ: آیت،۱۰۰ پارہ ۱۱)

ترجمہ: اور تیار کر رکھے ہیں ان کے واسطے باغ کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں وہ انہی میں ہمیشہ رہا کریں گے۔

؎ وہ چہ پاوے گا مطلب راضیہ مرضیہ محض اللہ جگ میں جو اعمال پنہانی کرے

یایتھا النّفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (سورہ فجر:، پارہ ۳۰)

ترجمہ: اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش ہو پھر تو میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

مرزا رفیع سوداؔ: سوداؔ اردو کے ان شعراء میں سے ہیں جن کا شمار صف اول کے شاعروں میں ہوتا ہے۔ غزل کے استاد تھے اور قصیدہ نگاری میں ان کا کوئی حریف نہیں۔ نواب آصف الدولہ کے دربار سے وابستگی تھی اور استاد الشعرا کا خطاب ملا۔ ۱۱۹۵ھ میں انتقال ہوا۔ خود میر تقی میرؔ جیسے باکمال شاعر نے انہیں تسلیم کیا ۔ انہوں نے ایک قصیدہ لکھا۔ تخیل طبیعت کی رنگارنگی ، الفاظ وتراکیب کی چستی اور لطف واثر کے لحاظ سے بہت اعلیٰ سمجھا جاتا چونکہ قصیدہ نعت میں ہے۔ اس لئے قرآن وحدیث کے مضامین بھی اس میں نظم کیے ہیں۔ یہاں چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گراس کی
امانت دار نور احمدی ہوتی نہ پیشانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

واذقلنا للملئکته السجدوا لآدم فسجدوا اللاابلیس۔(سورہ البقر رکوع ۴ آیت:۳۴، پارہ ۱)

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدے میں گر پڑے سوائے ابلیس کے۔

خیال خلق اس کا گر شفیع کافراں ہووے
رکھیں بخشش کے سرمنت یہودی اور نصرانی

عن عوف بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم آتانی آت من عند ربی فخیرنی ان ید خل نصف امتی الجنته وبین الشفاعة فاخترت الشفاعة وهی لمن مات لایشرک بالله ۔(ترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ :عوف مالکؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس میرے رب سے ایک آنے والا پیغام لے کر آیا۔ اس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ میں ان دوباتوں میں سے کوئی ایک اختیار کرلوں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ میری نصف امت کو جنت میں داخل فرما دیں یا یہ کہ مجھے شفاعت کا موقع ملے تو میں نے حق امت کو اختیار کرلیا اور میری شفاعت ان لوگوں کے

لئے ہوگی جو اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔

حدیث من رانی وال ہے اس گفتگو پر
کہ دیکھا جس نے اس کو اس نے دیکھی شکل یزدانی

ارشاد نبویؐ ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ من رانی فقد رائی الحق (صحیح بخاری)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جس نے مجھے دیکھا اس نے حقیقت میں مجھے ہی دیکھا۔

غلام سرور لاہوری:

مفتی غلام سرور لاہوری مفتی غلام محمد کے فرزند تھے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کی ایک کتاب خزینۃ الاصفیاء بہت ہی مشہور ہے۔ شعر بھی کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں ۔حضور اکرمؐ کی نعت میں جس شدت وجدّت سے اشعار کہے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا بین ثبوت ہے چند شعر۔

حضرت حق آپ ناطق ہیں نبی کے وصف میں
جا بجا مداح قرآں ہے رسول اللہ کا

ارشاد خداوندی ہے۔

انک لعلی خلق عظیم (سورہ قلم)

ترجمہ: بے شک آپ بڑے ہی بلند اخلاق ہیں۔

تیری خاطر ہوگیا وحدت کا کثرت میں ظہور
حق نے تیرے واسطے سارا جہاں پیدا کیا

لولاک لما خلقت الافلاک (حدیث)

ترجمہ: اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات نہ ہوتی۔

ہوگئے منسوخ جتنے دیں تھے دنیا میں تمام
مصطفیٰ جب ہادیٔ دیں شریعت ہوگیا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ

المشرکون۔(سورہ الصف رکوع ۹ پارہ ۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرے خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

وعدہ یعطیک ربک کرچکا ہے کردگار
یا نبی حق کو رضا مندی تری منظور ہے
ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (سورہ الضحیٰ (پارہ ۳۰)

ترجمہ: البتہ تیرا رب تجھے اتنا دے گا جس سے تو راضی ہوجائے گا۔

مومن خاں مومنؔ:

مومن خاں مومنؔ شاہ عبد القادر صاحب کے تربیت یافتہ اور شاہ عبد العزیز صاحب سے بیعت تھے بادشاہ یا امیر کی مداحی سے نفرت کرتے تھے، لیکن انہوں نے قصائد کہے اور وہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی مدح میں کہے۔ یہ قصائد فن کے اعتبار سے بہت ہی اعلیٰ ہیں۔ مومن چونکہ خود بھی بہت اچھے عالم تھے اس لیے جہاں ان کے نعتیہ قصیدے میں طب ونجوم کی اصطلاحات ہیں وہاں قرآن وحدیث کے مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

؎ گراس بہار کی یعقوب کو ہوا لگ جائے
شمیم جامہ یوسف کبھی نہ ہو محسوس

قرآن کریم میں ہے۔

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیراً۔(سورہ یوسف رکوع ۴ پ ۱۳)

ترجمہ: اس کرتے کو لیجا کر میرے والد کے چہرے پر ڈال دو تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگیں۔

؎ وہ کون احمد مرسل شفیع ہر دوسرا
جو خلق کا سبب اور باعث معاد نفوس

عن جابر قال قال رسول اللہ انا قائد المرسلین ولا فخر ورنا خاتم النبین ولا فخر وانا اول شافع ومشفع ولافخر (کنز العمال)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ محمد ﷺ نے فرمایا کہ میں پیغمبروں کا پیشوا ہوں اور مجھے کوئی فخر نہیں کہ میں نبیوں کا ختم کرنیوالا ہوں اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں جس کی شفاعت ردنہیں کی جائے گی اور مجھے اس پر کچھ فخر نہیں۔

ہے برق اسپ ترا ابروئے فرشتہ رکاب
کہاں ہو چشم بشر ایسی پاؤں سے محسوس

معراج کی مشہور حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ معراج پر روانہ ہوئے تو حضرت جبرئیل نے حضرت محمد ﷺ کی رکاب پکڑی تھی اور حضرت میکائیل براق کی باگ ڈور اپنے ہاتھ سے تھامے ہوئے تھے۔(مشکوٰۃ ترجمہ مولانا قطب الدین)

نہ جس کے دھیان میں مضمون قاب قوسین آئے
وہ دیکھ لے ترے زین و کمال کا قربوس

قرآن مجید میں ہے۔

فکاب قاب قوسین او ادنیٰ (سورہ النجم رکوع ۵ پ ۲۷)

ترجمہ: پھر وہ قریب آیا کہ دوکمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا اس سے بھی کم۔

نظیر اکبر آبادی:

نظیر اکبر آبادی اردو کے وہ تنہا شاعر ہیں جنہوں نے اس وقت کی عام شاعری سے ہٹ کر اپنی ایک الگ راہ نکالی اور روز مرہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نظمیں لکھیں۔ اس اعتبار سے انہیں جدید شاعری کا کام بھی کہاجاتا ہے جہاں انہوں نے آدمی نامہ، بنجارہ نامہ وغیرہ نظمیں لکھیں وہاں نعت کے میدان میں بھی بہت کچھ کیا۔

تم شہ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفےٰ ؐ سرگردہ مسلمین ہو یا محمد مصطفےٰ
حاکم دین متین ہو یا محمد مصطفےٰ قبلۂ اہل یقیں ہو یا محمد مصطفےٰ
رحمت للعالمین ہو یا محمد مصطفےٰ

ھو الّذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفی باللّٰہ شھیدا۔ (سورہ الفتح، ۱۲ پ۔ ۲۶)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنا رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ حق کو غالب کرنے والا کافی ہے۔

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین (سورہ انبیاء پ ۱۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

تم ظہور اولین ہو یا محمد مصطفےٰ ہمدم جاں آفریں ہو یا محمد مصطفےٰ

کنت اوّل الناس فی الخلق وآخرھم فی البعث (عن قتادہ مرسلا)کنزل العمال)

ترجمہ: حضرت قتادہؓ سے مرسلا روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں خلقت میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب کے بعد ہوں۔

داغ دہلوی:

زبان وبیان کے اعتبار سے داغؔ اردو کے منفرد شاعر ہیں ۔ ہمیشہ غزل کہی اور محاورات سے وہ لطف پیدا کیا جو کسی دوسرے کے یہاں نظر نہیں آتا۔ ان کے یہاں نعت بھی ملتی ہے اس میں بھی زبان کا لطف نظر آتا ہے۔شعر دیکھئے۔

ایمان کی کہیں گے ایمان ہے ہمارا احمد رسول تیرا مصحف کلام تیرا

شمس الضحیٰ محمد ، بدرالدجےٰ محمد ہے نور پاک روشن ہر صبح وشام تیرا

قرآن حکیم میں کئی جگہ محمد رسول اللہ آیا ہے۔حدیث میں آتا ہے القرآن کلام اللہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے : والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلھا" یہی تلمیح مذکورہ بالا شعر میں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

عن جابر بن سمرة رضی الله عنه قال رایت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی لیلة اضحیان و علیه حلة حمراء فجعلت انظر الیه والی القمر فلھو عندی احسن من القمر (شمائل ترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں دیکھ رہا تھا ۔حضورؐ اس وقت سرخ جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھے میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپؐ کو بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حضورؐ چاند سے کہیں زیادہ حسین وجمیل ہیں۔

محسن کاکوروی:

محسن کاکوروی اردو کے وہ تنہا شاعر ہیں جنہوں نے جو کچھ کہاوہ نعت میں تھا۔ گویا انہوں نے اپنی تمام تر زندگی نعت کے لئے وقف کردی اور تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں صرف کی ۔ جتنا کچھ آپ نے نعت میں کہا وہ سب آپ کے حسن خلوص ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی انتہا کا پتہ دیتا ہے ، آپ نے معراج کا واقعہ اور معجزات کے بیان میں اپنا ماخذ قرآن وحدیث ہی کو بنایا ذیل میں صرف چند اشعار پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔

؎ جملۂ انبته الله نباتا حسنا۔ ان دنوں فصل بہاری میں ہے طغرائے چمن

وانبتها نباتا حسنا(سورہ آل عمران رکوع ۱۲ پ ۳) ترجمہ:اور عمدہ طور پر اس کونشونما دیا۔

؎فیض تاثیرہوا ہے کہ ہوا جاتاہے
روکش باغ خلیل اب کی سراپا گلخن

قلنا یانارکونی برداً وسلماًعلیٰ ابراهیم(سورہ انبیاء رکوع ۵ پ ۷)

ترجمہ: ہم نے کہا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گذند ہو جا ابراہیم کے حق میں۔

؎اسکی توصیف میں اک شمہ ہے قرآن شریف کہ لکھا خامۂ قدرت نے بوجہ احسن

قرآن حکیم میں ہے۔ انک لعلیٰ خلق عظیم (سورہ قلم)

ترجمہ: بیشک آپؐ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔

عن سعد بن هشام قال سألت عائشه ام المومنين رضى الله عنها نقلت اخبرنى عن خلق رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ! فقالت اما تقرأ القرآن قلت بلیٰ فقالت : كان خلقه القرآن (مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ہشامؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ آپ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کو بیان فرمایئے حضرت عائشہ نے کہا کیا تم

قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ میں نے کہا بیشک میں قرآن پڑھتا ہوں تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپؐ کی عادت قرآن تھی۔

پیشوائے رسل سید نسل آدم
جلوہ حضرت حق نور مجسم ہمہ تن

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم انا سيد ولد آدم (مشكوٰة)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں سردار اولاد آدم ہوں۔ ایک اور حدیث میں ہے۔

عن ابی هريرهؓ قال قالوايا رسول الله متى وهبت لك النبوة قال آدم بين الروح والجسد(مشكوٰة)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے دریافت کیا یارسول اللہ آپ کو نبوت کب عطا ہوئی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

نہ رہے چشمہ کوثر کی تمنا مجھ کو
اس طرح کرے تو اپنا مجھے مفتون دین

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

انا اعطينك الكوثر ترجمہ: ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا۔

حدیث میں آتا ہے: عن سهل بن سعد قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم انى فرطكم على الحوض من مر على شرب ومن شرب لم يطماء ابداء (مشكوٰة باب الحوض والشفاعه)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہارا میز بان ہوں گا حوض کوثر پر جو شخص میرے پاس آئے گا وہ پانی پیئے گا اور جو پانی پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہیں رہے گا۔

کیسی تصویر جسے کھینچ کے نقاش ازل خود لگا کہنے کہ ہر وصف میں تو ہے افضل

تیری صورت سے کھلے معنی ماقل ودل انبیا شرح مفصل ہیں تو متن مجمل

تو ہے خورشید ترے سامنے انجم ہیں نبی
تو ہے شمس تصور میں تو سب ہیں قطبی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح دعا مانگی۔

ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم آیتک ویعلهم الکتاب والحکمه ویزکیهم انک انت العزیز الحکیم۔ (سورہ بقرہ رکوع ۱۵ پ ۱)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار اس جماعت کے اندر ان ہی میں کا ایک پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آئتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کردیں بے شک آپ ہی غالب اور حکمت والے ہیں۔

کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوس بریں کہیں بہتی ہوئی ہے نہر لبن ونہر عسل
کہیں جبریل حکومت پہ کہیں اسرافیل کہیں رضوان کا کہیں ساقی کوثر کا عمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مثل الجنة التی وعد المتقون فیها انهار من ماء غیر آسن وانهار من لبن لم یتغیر طعمه وانهار من خمر الذة اللشاربین وانهار من عسل مصفی۔ (سورہ محمد رکوع ۶/ ۲۶)

ترجمہ: جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں ہیں شراب کی جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا۔

افضلیت پہ تری مشتمل آثار وکتب
اولیت پہ تری متفق ادیان وملل

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو بنی آدم کے بہترین طبقوں میں قرن کے بعد قرن پیدا کیا گیا ہے یہاں تک کہ میں اس قرن میں ہوا جس قرن سے کہ میں ہوں۔

لطف سے تیرے ہوئی شوکت ایماں محکم

قہر سے سلطنت کفر ہوئی مستاصل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ذالک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء من عبادہ ولو اشرکوا لحبط عنھم ماکانوا یعملون ۔ (سورہ انعام رکوع ۱۶ پ ۷)

ترجمہ: یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر چلاتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہوجاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔

بحر امکان میں رسول عربی در یتیم
رحمت خاص خداوند تعالیٰ بادل

الم یجدک یتیماً فاویٰ (سورہ الضحیٰ رکوع ۱۸ پ ۳۰) ترجمہ: کیا ہم نے تجھ کو یتیم نہ پایا پھر ٹھکانہ دیا۔

تھا بندھا تارفرشتوں کا در اقدس پر
شب معراج میں تھا عرش معلیٰ بادل

عن انس رضی اللہ عنہ قال کان ابو ذر یجد ث ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم قال فرعنی سقف انا بمکتہ فنزل جبرائیل (مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، میرے گھر کی چھت کھول دی گئی اور میں اس وقت مکہ میں تھا پس جبرئیل تشریف لائے۔

امیر مینائی:

امیر مینائی اردو کے مایہ ناز شاعر ہیں غزل میں داغ کے حریف مانے جاتے ہیں۔ لکھنوی شاعری کی تمام خصوصیات آپ کے کلام میں موجود ہیں۔ محسن کاکوروی کے کہنے پر نعت گوئی شروع کی اور اس میں بھی کمال پیدا کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اردو میں ان دونوں بزرگوں کی وجہ سے نعتیہ شاعری کا مستقل طور پر رواج ہوا۔ نعت میں ایک دیوان محامد خاتم النبین کے نام سے یادگار چھوڑا۔ چند اشعار دیکھئے۔

نفخت فیہ من روحی کے معنی سے ہوا ثابت

خزانہ ہے محیط اس چشمہ روح مجرد کا

فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعواله سجدین ۔ (سورہ:ص، رکوع ۱۴۔ پ، ۲۱)

ترجمہ: پھر جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں جان ڈال دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔

رہائی پائی قید بطن ماہی سے جو یونس نے
اشارہ یہ بھی تھا اک نوع ابروئے محمد کا

ارشاد خداوندی ہے۔

فالتقمه الحوت وهو ملیم۔ فلولآانّه کان من السبّحین۔ للبث فی بطنآه الی یوم یبعثون۔ فنبذنه بالعرآء وهو سقیم۔ (سورہ الصفّت رکوع ۹، پ ۲۳)

ترجمہ: پھر ان کو مچھلی نے نگل لیا اور یہ اپنے کو ملامت کررہے تھے ۔ سواگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اب تک اسی کے پیٹ میں رہتے۔ سو ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا۔ اس وقت مضمحل تھے۔

قمر کو کس طرح کرتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے
انہیں دو نقطۂ زرین کا طالب لفظ تھا یدکا

عن انسؓ قال سال اهل مکة ان یراهم آیه فاراهم انشقاق لقمر (صحیح بخاری پارہ ۳)

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں جب بارگاہ نبوت میں اہل مکہ نے کوئی نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے چاند کے ٹکڑے کرکے دکھائے۔

شب معراج کیا اس مقتدانے مرتبہ پایا
خدا مشتاق شہرہ ٔ قدسیوں میں آمد آمد کا

معراج کی حدیث میں آتا ہے۔

عن انس رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وآله وسلم حدثهم عن لیلة امری به ال بینما انافی الحطیم وربما قال فی الحجم مصطجعا اذا تانی آت فشق مابین هذه الی هذه یعنی من ثغزة نحره الی شعرته فاستخرج قلبی ثم آیتت بطشت من ذهب مملوء ایمانا فغسل قلبی ثم حشی ثم اعیدوا فی روایه ثم غسل البطن بماء

زمزم ثم ملی ایمانا وحکمة ثم آتیت بد ایة دون البغل فوق الحمار ابیض بقال له البراق یصع خطوه عند اقصیٰ طرفه فحملت علیه فالطبق بی جبرئیل حتی اتی الی السماء الدنیا فاستفتح قیل من هذا قال جبرئیل انا قیل ومن معک قال محمد قیل وقد ارسل الیه قال نعم قیل مرحبا به فنعم الجی۔ الخ۔ (مشکوٰہ)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رات کا حال بیان فرمایا جس میں آپ کو آسمان پر لے جایا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا میں حطیم یا حجر میں تھا کہ ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور آپؐ نے اشارہ سے فرمایا کہ یہاں سے یہاں تک میرے سینہ کو شق کیا یعنی گردن سے لے کر ناف تک پھر میرے دل کو نکالا پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان سے بھراہوا تھا اور اس میں میرے دل کو دھویا پھر دل میں (خدا کی محبت (بھر دی گئی اور پھر دل کو سینے کے اندر رکھ دیا گیا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میرے پیٹ کو دھویا گیا زمزم کے پانی سے۔ اس میں ایمان وحکمت کو بھرا گیا اس کے بعد سواری کا جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے اونچا تھا۔ یہ جانور سفید رنگ کا تھا اور اس کا نام براق تھا اس کا ایک قدم حد نظر تک اٹھتا تھا پھر مجھ کو اس پر سوار کیا گیا۔ جبرئیل مجھ کو لے کر چلے یہاں تک کہ میں آسمان دنیا میں پہنچا۔ جبرئیل نے دروازہ کو کھولنے کو کہا۔ پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جواب دیا جبرئیل پوچھا گیا آپ کے ہمراہ کون ہے۔ حضرت جبرئیل نے جواب دیا محمدؐ فرشتوں نے پوچھا کیا آپ کو بلوایا گیا ہے۔ جبرئیل نے جواب دیا ہاں تو فرشتوں نے کہا مرحبا مرحبا خوش آمدید، خوش آمدید آپؐ کا آنا مبارک۔ کتنے اچھے ہیں آنے والے۔

اول عالم ایجاد ہے۔ یوں خلقت پاک
سورہ حمد سے قرآن کا جیسے آغاز

اول ماخلق الله نوری (حدیث) سورہ محمد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

والذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت وامنوا بما نزل علی محمد وھو الحق من ربھم، کفرعنھم سیاتھم واصلح بالھم۔(سورہ محمد، رکوع ۵، پارہ ۲۶)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد پر نازل کیا گیا ہے اور وہ ان کے رب کے پاس سے امر واقعی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان پر سے اتاردے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا۔

منیر شکوہ آبادی:

منیر شکوہ آبادی اردو کے بہت اچھے شاعر تھے خصوصاً قصائد میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ آپ نے جہاں غزل اور قصیدہ کو اپنایا وہاں نعت بھی کہی اور واقعہ یہ ہے کہ خوب کہی۔

حدیث کے اثرات پوری طرح ان کے نعتیہ کلام میں ملتے ہیں۔

خدا نے حکم دیا قبل ان تموتوا کا
جہاں میں میرے مشتاق رہتے ہیں ابرار

حدیث شریف میں آتا ہے ۔موتوا قبل ان تموتوا

ترجمہ: مرو مرنے سے پہلے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ ترجمہ: اپنا حساب کرلوں اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے۔

صفائے آئینہ لا الہ الا اللہ جلائے سرمہ مازاغ واقف اسراء

حدیث شریف میں ہے۔

من قال لا اله الا الله دخل الجنه

ترجمہ: جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مازاغ البصر وما طغی (سورہ النجم رکوع ۵، پ۔ ۲۷)

بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی۔

اسیر طوطی خوش لہجہ دام آفت میں
مقام فاعتبروا ہے اے اولی الابصار

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار (سورہ الحشر رکوع ۴، پ ۲۸)

ہوا اشارۂ حضرت سے چاند دو ٹکڑے
ہوا نے کوچۂ شق القمر میں کی رفتار

ارشاد خداوندی ہے۔

اقتربت الساعة وانشق القمر (سورہ القمر رکوع ۱، پ ۲۷)

ترجمہ: قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا۔

مولانا حالیؔ:

حالیؔ اردو کے نہ صرف نقاد ہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی ہیں۔ جدید شاعری کے بانیوں میں آپ کا نام شامل کیا جاتا ہے۔ مولانا وہ شاعر ہیں جو مسلمانوں سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان پھر دوبارہ اصلی حالت پر آجائیں ۔ اس کو انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ پھیلایا۔ مولانا حالیؔ نے نعتیہ قصائد بھی لکھے اور مسدس میں بھی اشعار کہے جو فن اور خلوص کے آئینہ دار ہیں۔

یا ملکی الصفات ویا بشری القوی فیک دلیل علی انک خیر الوریٰ

قل انما انابشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الہ واحد، فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادة ربہ احدا۔ (سورہ کہف رکوع ۳ پ ۱۶)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے، سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت بڑھا جانب بو قبیس ابررحمت
ادائے خاک بطحا نے کی وہ دیعت چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا!

عن خالد بن معدان قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم انا دعوة ابراھیم ابی وبشری عیسی بن مریم ورات امی حسین حملت بی انه خرج منها نورا ضائت له بسری من ارض الشام۔ (کنزالعمال)

ترجمہ: حضرت خالد بن معدانؓ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

کہ میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں، میری والدہ نے دیکھا جس وقت میں ان کے بطن مبارک میں آیا ہوں کہ ان سے ایک نور نکلا جس سے بسری جوارض شام میں واقعہ ہے چمک اٹھا۔

بجھ گئے آتش کدے بیٹھ گئے بتکدے
ہوگئی تثلیث مات اور ثنویت فنا

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔ (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۷ پ ۱۷)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے سچ اور حق آ گیا کذب وجھوٹ ختم ہوگیا ۔ یقیناً کذب وجھوٹ ختم ہی ہوکر رہتا ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی برلانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوا
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وما ارسلنک الا رحمة للعالمين (سورہ انبیاء رکوع ۷ پ ۱۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

عن جابر عبد الله يقول ماسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم شيأقط فقال لا (شمائل ترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں کیا۔

یہ کہہ کر کیا علم پر ان کو شیدا کہ ہیں دور رحمت سے سب اہل دنیا

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا ان الدنيا ملعونه وملعون مافيها الا ذكر الله وما ولاه اوعالم ومتعلم

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خبردار رہو کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں قابل

نفرت ہیں بجز ذکر خدا کے اور جو اس سے ملتا جلتا ہوا اور بجز عالم ومتعلم کے۔

؎ غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی کہ بازو سے اپنی کرو تم کمائی
خبر تا کہ لو اس سے اپنی پرائی نہ کرنی پڑے تم کو در در گدائی

طلب سے ہے دنیا کہ گریاں پہ نیت
تو چمکو گے وال ماہ کامل کی صورت

حدیث شریف میں آتا ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من طلب الدنيا حلالا استعفا فاعن المسئله وسعيا على اهله وتعطفا على جاره لقى الله تعالىٰ يوم القيمه ووجهه مثل القمر ليلة البدر۔(مشکوٰۃ)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص جائز ذریعہ سے روپیہ اس غرض سے کمائے کہ بھیک مانگنے سے بچے اور بال بچوں کے لئے کوشش کرے اور اپنے ہمسایوں پر مہربانی کرے ایسا شخص قیامت کے دن اس حال میں خدا سے ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔

؎ نبی کا نام ہو درد زبان رہے جب تک سخن زباں کے لئے اور زباں وہاں کے لئے

اللهم ارزقنى حبك وحب من ينفعنى حبه عندك (حصن حسين)

ترجمہ:اے اللہ مجھے اپنی محبت نصیب کر ادراس شخص کی جس کی محبت تیرے یہاں مجھے نفع دے۔

امجد حیدر آبادی:

امجد حیدر آبادی مرحوم رباعیات کے شاعر ہیں ۔ اس صنف سخن میں انہوں نے کمال پیدا کیا ۔ رباعیات میں قرآن حکیم کے مضامین نظم کیے۔ گویا رباعیات امجد قرآن کریم کی مختصر تفسیر ہے۔ اسی ذیل میں نعتیہ اشعار بھی کہے جو اکثر قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں۔

؎ خون روتا ہوں ملبد آپ کو دیکھا نہیں جس گھڑی پیوستہ حضرتؐ کے حنا تھی میں نہ تھا۔

؎ اگر کبیرہ کا مرتکب ہو شفاعت اس کی ہے ان پر واجب

حبیب حق پر جس امتی نے درود بھیجا سلام بھیجا

عن انسؓ ان النبیؐ صلی الله علیه وآله وسلم قال شفاعتی لا هل الکبائر من امتّی (ترمذی ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے حق میں ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔

عن رویفعؓ ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قال من صلی علی محمد وقال اللهم انذله المقعد المقرب عند کم یوم القیمه وجبت له شفاعتی۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت رویفعؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر درود بھیجا اور کہا اے اللہ قیامت کے روز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قریب تر جگہ عنایت فرما تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

ہے شرف آپ کا افزوں خلیل اللہ پر
وہ خدا کے ہیں خلیل اور محمد ہیں حبیب

عن عمروبن قیس ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قال نحن الاخرون ونحن السابقون یوم القیامه والیٰ قائل قولاً غیر فخر ابراهیم خلیل الله وموسیٰ کلیم الله وانا حبیب الله (المدارمی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن قیسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پیچھے آنے والوں میں سے ہیں اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ اور میں ایک بات کہتا ہوں بغیر فخر کے ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں، موسیٰ اللہ کے کلیم ہیں اور میں اللہ کا حبیب ہوں۔

مولانا احمد رضا خاں:

مولانا احمد رضا خاں بڑے عالم تھے۔ نعتیہ شاعری کو اپنا شعار بنایا بے شمار کتابوں کے مصنف حدائق بخشش ان کا مشہور نعتیہ مجموعہ ہے۔ نعتیہ اشعار میں قرآن وحدیث کا عکس بہت نمایاں ہے چند شعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

؎ حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فلما راینه اکبرنه وقطعن ایدیهن (سوره یوسف رکوع ۱۴ پ ۱۲)

ترجمہ: پھر جب دیکھا اس کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان الله الشتریٰ من المؤمنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنه یقاتلون فی سبیل الله فیقولون ویقتلون۔ (سورہ توبہ رکوع ۳ پ ۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ نے خرید لیا مومنین کی جانوں کو جنت کے عوض وہ اللہ کے راستہ میں کفار کو قتل کرتے ہیں اور خود راہ خدا میں شہید ہوتے ہیں۔

؎ انت فیهم نے عدد کو بھی لیا دامن میں عیش جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست

وماکان الله لیعذبهم وانت فیهم وماکان الله معذبهم وهم یستغفرون (سورہ انفال رکوع ۱۸/۹)

ترجمہ: آپ کے ہوتے ہوئے خدا ان پر ہرگز عذاب نہیں کریں گے اور اللہ ان پر عذاب کریں گے جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے۔

؎ من زار تربتی وجبت له شفاعتی ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من ذار قبری وجبیت له شفاعتی (صحیح بخاری)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو میری قبر کی زیارت کرے اس پر میری شفاعت واجب ہے۔

؎ مجرم بلا نے آئے ہیں جاؤ ک ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤک فاستغفرواالله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحیما۔ (سورہ النساء رکوع ۶ پ ۵)

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ جس وقت ظلم کرتے تھے اپنی جانوں پر اس وقت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے۔ پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے۔

؎ مومن ہوں مومنوں پہ رؤف رحیم ہو سائل ہوں سائلوں کو خوشی لاتنہر کی ہے۔

لقدجاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔ (سورہ توبہ۔رکوع۔۵پ ۱۱)

ترجمہ: تمہارے پاس ایسے پیغمبر آئے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی باتیں نہایت ہی گراں گذرتی ہیں جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں اور ایمان والوں کے ساتھ نہایت شفیق ومہربان ہیں۔

بیدم وارثی:

بیدم وارثی اگر چہ غزل گو شعراء کی طرح شہرت یافتہ نہیں ہیں لیکن نعت میں آپ بہت زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے صرف نعت میں ہی طبع آزمائی کی ہے اور جس خلوص، محبت اور سرشاری سے کہی ہیں۔ وہ ظاہر ہے چند شعر دیکھیے۔

تزئین شب اسریٰ دیکھی تو ملک بولے کیا آج خدا کے گھر مہمان نرالا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔

عن انس بن مالک ان النبی الله حد ثهم عن لیلة اسری به قال فانطلق بی جبرئیل حتیٰ الیٰ السماء الدنیا فاستفتع قبل من هذا قال جبرائیل قیل ومن معک قال محمد قیل وقد ارسل الیه قال نعم قبل مرحباً فنعم الی جاء۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت انس بن انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا کہ حضرت جبرائیل مجھے دنیا سے آسمان پر لے گئے اور دروازہ کھولنے کو کہا تو دربان نے پوچھا کون ہے جبرائیل نے کہا میں جبرائیل ہوں دربان نے کہا اورکون ہے آپ کے ہمراہ جواب دیا محمدؐ فرشتوں نے پوچھا کیا آپ کو بلایا گیا ہے۔ حضرت جبرائیل نے جواب دیا ہاں، تو فرشتوں نے کہا مرحبا مرحبا آپؐ کا آنا مبارکر کتنے اچھے ہیں آنے والے۔

؎ ہمارا کچھ نہ ہونا لاکھ ہونے کے برابر ہے چلے دنیا سے ہم شیدائے ختم المرسلین ہوکر

عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین (صحیحین)

ترجمہ: انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اپنے بیٹے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوجاؤں۔

مولانا ظفر علی خاں معروف صحافی اور شاعر تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کا بے انتہا درد رکھتے۔ تھے نعتیہ شاعری کو اپنا شعار بنایا اور جگہ جگہ قرآن وحدیث سے کام لیا۔ اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو آپ کے ہرایک شعر سے قرآن وحدیث کے مضمون کو نکالا جاسکتا ہے۔ مولانا کے نعتیہ مجموعوں میں خیالستان، چمنستان اور نگارستان بہت مشہور ہیں چند شعر دیکھئے۔

؎ گرارض وسما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزار وں میں یہ نور نہ ہوسیاروں میں
حدیث میں آتا ہے لولاک لما خلقت الا فلاک
ترجمہ: اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات کو تخلیق نہ کیا جاتا۔

؎ جھوم کے پی رہا ہوں میں جام متم نورہ گھوم رہا ہے جام میں نشۂ بادۂ حجاز

واللّٰه متم نوره ولو کره الکفرون (سورہ الصّف رکوع ۹ پ ۲۸)

ترجمہ: اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہوں۔

؎ دعوت داغ ہوگئی اور گرد اذا دعان یا کہ ہے خواب ناز میں چشم سیاہ نیم باز

واذاسالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الدّاع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلهم یرشدون۔ (سورہ البقرہ ۷ پ ۲)

ترجمہ: اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب وہ مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تا کہ نیک راہ انوار پر آئیں۔

؎ دکھا رہی ہے دعائے خلیل اپنا اثر ہیں جلوہ ریز نوید مسیح کے انوار

عن خالد بن معدانؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم انا دعوة

ابی ابراھیم وبشری عیسیٰ بن مریم۔ (کنزالعمال)

ترجمہ: حضرت خالد بن معدانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں۔

مصطفیٰ کو جب ملا پیغام اکملت لکم　　گل ہمیشہ کے لئے شمع نبوت ہوگئی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (سورہ المائدہ رکوع ۵ پ ۶)

ترجمہ: آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین اسلام کو۔

لقب امۃ وسطا دیا جنہیں ترے فضل نے اے خدا
پس وپیش وراس وچپ آج کیوں وہی سختیوں میں ہیں مبتلا

وکذالک جعلنکم امۃ وسطا التکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ (سورہ البقرہ رکوع ۱ پ ۲)

ترجمہ: اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہی دینے والا۔

بحکم اعدوالھم ماستعطعتم　　بڑھے جس قدر اپنی طاقت بڑھاؤ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واعدوا لھم مااستطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدواللہ وعدوکم وآخرین من دونھم لاتعلمونھم، اللہ یعلمھم وما تنفقوا من شئی فی سبیل اللہ یوف الیکم و انتم لاتظلمون۔ (سورہ انفال رکوع ۱۰۴)

ترجمہ: اور تیار کروان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کرسکوقوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک بیٹھے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ تو جانتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں وہ پورا ملے گا تم کو اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا۔

؎ بحکم اشہد ان لا الہ الا اللہ جگہ بہشت میں نکلی میرے مکاں کیلئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوا۔

؎ عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت وہ آیا لیکن آیا رحمۃ اللعالمین ہو کر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین۔ (سورہ الانبیاء رکوع ۷ پ ۱۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ؐ کو تمام جہان والوں کو لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن وحدیث کے اثرات اس قدر گہرے ہیں کہ تقریباً ہر شاعر کے یہاں اس کی مثالیں کثرت سے ملیں گی ۔ ہم نے مختلف شعراء کا کلام اور قرآن وحدیث کے اصل متن کو پیش کر کے اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محض مبالغہ، تخیل اور شوکت لفظی سے ہی کام نہیں لیا گیا بلکہ آپ ؐ کی ذات اقدس سے متعلق ان حقائق کو پیش نظر رکھا گیا جو قرآن وحدیث میں موجود ہیں ۔طوالت کے خوف سے بہت سے معروف شاعر رہ گئے اور جن شعراء کا ہم نے یہاں کلام پیش کیا وہ بھی دو چار اشعار سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر ہر شاعر کے کلام کا فرداً فرداً اس حیثیت سے مطالعہ کیا جائے تو یقیناً مفید کام سامنے آئے گا۔

سانحۂ کربلا بطور استعارہ

کلاسیکی روایت کے تناظر میں

پروفیسر گوپی چند نارنگ

خواجہ حالی نے یادگار غالب میں مرزا غالب کے اس اعتراف کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مجتہد العصر سید محمد صاحب کے اصرار پر مرثیہ لکھنا شروع کیا۔ لیکن مشکل سے مسدس کے تین بند لکھے تھے، اس سے آگے ان سے نہ چلا۔ غالب کا بیان ہے:

''یہ ان لوگوں کا حصہ ہے جنہوں نے اس وادی میں عمریں بسر کی ہیں۔'' (ص ۹۱)

امتیاز علی عرشی نے سرور ریاض کے حوالے سے لکھا ہے کہ غالب نے ریاض الدین امجد سندیلوی متخلص بہ ریاضؔ سے کہا'' یہ حصہ دبیرؔ کا ہے۔ وہ مرثیہ گوئی میں فوق لیا گیا ہے۔ ہم سے آگے نہ چلا، نا تمام رہ گیا۔'' (نسخۂ عرشی ص ۸۸۳)

جب بھی کوئی تاریخی حوالہ مذہبی اصناف سے نکل کر دوسری اصناف سخن میں پہنچتا ہے اور علامتی اظہاری شکلیں اختیار کرتا ہے۔ تو علاوہ معنیاتی وجوہ کے اس کی فنی وجوہ بھی ہوسکتی ہیں۔ کوئی بھی صاحب کمال کسی بھی حوالے کے خاص نوع کے اظہاری امکانات کو ختم بھی کردیتے ہیں۔ غالب کا اعتراف اس کا کھلا ہوا ثبوت ہے، وہی غالب جو فارسی غزل میں حمد کے انداز میں کہہ چکے تھے۔

بزم ترا شمع و گل خستگی بوتراب
ساز ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

واقعہ کربلا کے تاریخی حوالے کا استعاراتی اظہار غزل کی کلاسیکی روایت میں یقیناً ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ اور اس کی تلاش سعی لاحاصل نہ ہوگی۔ میرتقی میرؔ کا یہ شعر اس کا بین ثبوت ہے۔

شیخ پڑے محراب حرم میں پہروں دوگانہ پڑھتے رہو
سجدہ ایک اس تیغ تلے کا ان سے ہوتو سلام کریں

یہاں تیغ سے مراد حسن محبوب بھی ہوسکتا ہے جو کشتنی ہے یا چشم وابرو ئے محبوب جس کے وارسہہ کر شخصیت مکمل ہوتی ہے۔ لیکن پہلے مصرعے میں شیخ، محراب حرم، دوگانہ کچھ اور ہی فضا

پیدا کرتے ہیں۔ نیز'' پہروں دوگانہ پڑھتے رہو'' میں اس ظاہر داری پر جو باطنی اقدار سے خالی ہو، ہلکا سا طنز بھی ہے ۔ اب دونوں مصرعوں کو ملا کر پڑھیے ، تو تیغ تلے کا سجدہ اور سلام کسی اور ہی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اگرچہ پورے شعر میں واقعہ کربلا یا اس سے کے کسی محترم کردار کا کوئی ذکر نہیں، لیکن ظاہر داری اور تیغ تلے کا سجدہ سلام کرنے سے جس تضاد کی فضا بندی ہوئی ہے، اس میں ذہن معاً اسی تاریخی واقعے کی طرف راجع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کرشمہ فن کے رمزیہ اور ایمائی رشتوں کی بدولت قائم ہوتا ہے۔

انہیں ایمائی رشتوں کی روشنی میں ذرا ذیل کے اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے۔

دست کش نالہ، پیش رو گریہ
آہ چلتی ہے یاں علم لے کر

زیر شمشیر ستم میر تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا

اپنے جی ہی میں نہ آئی کہ پئیں آب حیات
ورنہ ہم میر اسی چشمے پہ بے جان ہوئے

وا اس سے سر حرف تو ہوگو کہ یہ سرجائے
ہم حلق بریدہ ہی سے تقریر کریں گے

اس دشت میں اے سیل سنبھل ہی کے قدم رکھ
ہر سمت کو یاں دفن مری تشنہ لبی ہے

بظاہر یہ عشقیہ شاعری کے اشعار ہیں، لیکن کیا ان اشعار کی امیجری پر تاریخ کی پرچھائیں پڑتی ہوئی نظر نہیں آتی ۔ پہلے شعر میں گریہ، نالہ آہ غزلیہ شاعری کے عام الفاظ ہیں، لیکن ان کا ایک ساتھ آنا، اور علم کے ساتھ آنا کیا تصور کرتا ہے۔ دوسرا شعر حد درجہ عمومیت لئے ہوئے ہے اور تغزل

کے رنگ میں رچا ہوا ہے۔ اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے کسی طرح کی تخصیص قائم ہو۔ لیکن جتنا ہی یہ شعر اپنے حوالۂ فیضان کے اعتبار سے مبہم ہے ، اتنا ہی اپنی تاثیر اور دردمندی میں بے پناہ ہے۔ اس نوع کے اشعار کے بارے میں قطعیت سے کچھ کہنا جمالیاتی حسن کاری کے تفاعل کے بھی خلاف ہے۔ تیسرے شعر میں فرات اور پیاس کے ان کہے حوالے سے معنی در معنی کا جو پہلو دار نظام قائم ہوگیا ہے ذوق سلیم اس کو بخوبی محسوس کرسکتا ہے۔ چوتھے شعر کا انتخاب سرجائے کی وجہ سے نہیں بلکہ ہم حلق بریدہ ہی سے تقریر کریں گے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ غور فرمایئے کیا امیجری ہے اور کیا اثر اس سے مرتب ہوتا ہے۔ یہ اشارہ شہادت کے بعد کی روایت سے ماخوذ ہے۔ روایت لوک ورثہ کا حصہ ہوتی ہے اور اس کا تعلق شعور سے زیادہ لاشعور سے ہوتا ہے۔ شاعری میں اس کو اسی نظر سے دیکھنا چاہئے۔ پانچواں شعر بھی لطف واثر میں کم نہیں۔ سیل یا سیل گریہ یا سیلاب کا مضمون میر کے یہاں عام ہے لیکن دوسرے مصرعے میں ہر سمت کو یاں دفن مری تشنہ لبی ہے/ کہہ کر میرے نے کچھ اور ہی معنویت اور کیفیت پیدا کی ہے۔ بہرحال یہ سب عشقیہ شاعری کے درد مندی اشعار ہیں لیکن اس سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ ان میں بعض اظہاری اور معیناتی عناصر اپنی تخلیق غذا اس تاریخی روایت سے حاصل کرتے ہیں جو صدیوں سے ثقافتی سائیکی میں جذب ہوگئی ہے۔

غرض غزل کے اس نوع کے اشعار میں اس تاریخی واقعے کے استعاراتی ابعاد کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے ۔ کلاسیکی عہد میں اس معیناتی نظام کا بنیادی ساختیہ ظاہری داری اور باطنیت کی ٹکر تھی۔ وہ طبقہ جو اقتدار پر قابض تھا طاقت و ہوس کے نشے میں ریاکاری ومنافقت کا شکا رتھا ۔ اس کے مقابلے میں عوامی طبقہ تھا جو باطنی اقدار یعنی پاکیزگئ نفس اور عشق وخیر وخدمت خلق کو اصل مذہب گردانتا تھا۔ ظاہر پرستی اور باطنیت کی آویزش پورے عہد وسطیٰ میں ملتی ہے ۔ انیسویں صدی میں برصغیر کے نشاۃ الثانیہ اور عہد جدید میں داخل ہونے کے بعد بالخصوص سیاسی المیہ ۱۸۵۷ء کے بعد عہد وسطیٰ کا ظاہر داری اور باطنیت کی آویزش کا روحانی ساختیہ ایک نئے سیاسی سماجی ساختیے کو راہ دیتا ہے۔ اب اس میں حق وباطل یا خیر وشر کے معنی بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ غیر ملکی استحصالی قوتیں یا برطانوی سامراج اب باطل یا شر ہے اور اس کے خلاف ستیزہ کاری یا جدوجہد کرنا عین حق اور خیر ہے۔ یوں تو اردو شاعری میں یہ احساس انیسویں صدی ہی سے ملنے لگتا ہے، لیکن صحیح معنوں میں سرسید، حالی اور آزاد کے بعد راہ ہموار ہوجاتی ہے۔ البتہ اس نوع کے اظہارات میں پورا شعوری

حوصلہ کہیں بیسویں صدی کے اوائل میں جا کر پیدا ہوتا ہے، اور اس احساس کو جو چیز مہمیز کرتی ہے وہ تحریک خلافت ہے۔ ۱۹۱۱ء میں جب جنگ بلقان چھڑی تو ہندوستانیوں کے زخم تازہ ہوگئے اور وہ بہت بے چین ہوگئے ۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو اس میں ترکی، جرمنی کے ساتھ تھا۔ چنانچہ جنگ ختم ہونے کے بعد برطانیہ نے ایشیائے کوچک میں ترکی کے مقبوضات فرانس اور انگستان میں تقسیم کرلیے۔ اس سے پورے ہندوستان اور بالخصوص مسلمانوں میں شدیدے برہمی پھیل گئی اور تحریک خلافت اور ترک مولات شروع ہوئی۔ مولانا محمد علی جوہر اس تحریک کے قائدین میں تھے۔ ان کا شعری ذوق بہت رچا ہوا اور بالیدہ تھا۔ اگرچہ وہ شاگرد داغ کے تھے لیکن سیاسی شاعری میں حسرت موہانی سے متاثر تھے۔ انہوں نے کئی بار قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں۔ جیل سے ان کا کلام جیلر کی مہریں لگ کر باہر آتا تھا۔ اور شائع ہوتے ہی بے حد مقبول ہوجاتا تھا۔ ان کی اسی زمانے کی ایک غزل ہے:

دور حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

اسی غزل کا شعر ہے:

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہ شعر شائع ہوتے ہی زبان زد خاص وعام ہوگیا۔ یہ خارج از امکان نہیں کہ بعد کی غزل پر اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرورت مرتب ہوا۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں مولانا محمد علی جوہر نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنی تحریر وتقریر اور عبارت واشارات سے قوت وتوانائی کی ایسی آگ بھڑکادی کہ پوری تحریک آزادی میں خود اعتمادی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ قومی رہنما دوسرے بھی تھے لیکن آتش فشانی اور شعلہ سامانی کا منصب گویا انہیں کو ودیعت ہوا تھا۔ انگریز سامراج کے جبر واستبداد سے ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آئی، بلکہ جس قدر ظلم وجور میں شدت ہوئی، مولانا کا جوش قربانی اور جذبۂ ایثار وشہادت اتنا ہی کھل کر سامنے آیا۔ مندرجہ بالا یادگار غزل کے علاوہ اور بھی کئی مقامات پر مولانا نے سانحۂ کربلا کے تاریخی ومعنوی انسلاکات کو اپنی غزل میں برتا ہے اور ان سے تخلیقی سطح پر مجاہدین آزادی کے جذبۂ حریت اور حوصلۂ شہادت کو للکارا ہے۔

پیغام ملا تھا جو حسین ابن علی کو
خوش ہوں وہی پیغام قضا میرے لئے ہے
فرصت کسے خوشامد شمر و یزید ہے
اب ادائے پیروی پنجتن کہاں

کہتے ہیں لوگ ہے رہ ظلمات پر خطر
کچھ دشت کربلا سے سوا ہو تو چاہئے

جب تک کہ دل سے محو نہ ہو کر بلا کی یاد
ہم سے نہ ہوسکے گی اطاعت یزید کی

بنیاد جبرو قہر اشارے میں ہل گئی
ہوجائے کاش پھر وہی ایمائے کربلا

روز ازل سے ہے یہی اک مقصد حیات
جائے گا سر کے ساتھ ہی سودائے کربلا

جہاں تک نظم کا تعلق ہے، واقعہ کربلا اور شہادت حسینؑ کی نئی معنویت کی طرف سب سے پہلے اقبال کی نظر گئی اور اس کا پہلا بھرپور تخلیقی اظہار اقبال کے فارسی کلام میں ملتا ہے ۔ اقبال کی اردو شاعری کی مثالیں بہت بعد کی ہیں۔ بال جبرئیل ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی۔ رموز بے خودی البتہ ۱۹۱۸ء میں منظر عام پر آچکی تھی۔ اس میں ''درمعنی حریت اسلامیہ وسر حادثہ کربلا'' کے عنوان سے جو اشعار ہیں ، یقیناً ان کو اس نئے معیناتی رجحان کا پیش خیمہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ خود مولانا محمد علی جوہر اس معاملے میں اقبال سے متاثر رہے ہوں، کیونکہ اقبال کے فارسی کلام کی مثالیں تو یقیناً مولانا کی زندگی کی ہیں۔ (مولانا کا انتقال ۱۹۳۱ء میں ہوا) اور اس میں شک نہیں کہ اقبال کا اثر نہایت ہمہ گیر اور وسیع تھا۔ رموز بے خودی میں ''درمعنی حریت اسلامیہ وسر حادثۂ کربلا''

سے متعلق اشعار رکن دوم میں آئے ہیں ، جہاں شرع کا حصہ رسالت محمدیہ اور تشکیل وتاسیس حریت و مساوات واخوت بنی نوع آدم کے بارے میں ہے۔ اس کے بعد اخوت اسلامیہ کا حصہ ہے، پھر مساوات کا اور ان کے بعد حریت اسلامیہ کے معنی میں سرحادثہ کربلا بیان کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حادثۂ کربلا کا ذکر اسلام کی بنیادی خصوصیات گنواتے ہوئے آیا ہے۔ اس حصے میں شروع کے کچھ اشعار عقل وعشق کے ضمن میں ہیں، اس کے بعد جب اقبال اصل موضوع پر آتے ہیں تو صاف اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کردار حسین کو کس نئی روشنی میں دیکھ رہے ہیں اور کن پہلوؤں پر زور دینا چاہتے ہیں۔ حسین کے کردار میں انہیں عشق کا وہ تصور نظر آتا ہے جو ان کی شاعری کا مرکزی نقطہ تھا۔ اور اس میں انہیں حریت کا وہ شعلہ بھی ملتا ہے جس کی تب وتاب سے وہ ملت کی شیرازہ بندی کرنا چاہتے تھے اور نئے نو آبادیاتی تناظر میں ہم وطنوں کو جس کی یاد دلانا چاہتے ہیں۔

درمعنی حریت اسلامیہ وسر حادثہ کربلا

ہر کہ پیماں با ہوا لموجودبست گردنش از بند ہر معبود است
عشق را آرام جاں حریت است ناقہ اش را ساربان حریت است
آں شنید ستی کہ ہنگام نبرد عشق باعقل ہوس پرورچہ کرد
آں امام عاشقاں پور بتول سرو آزادے زبستاں رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم الہ پدر معنی ذبح عظیم آمد پسر
بہر آں شہزادۂ خیر الملل دوش ختم المرسلین نعم الجمل
سرخ رو عشق غیور از خون او شوخی ایں مصرع از مضمون او
درمیان امت آں کیواں جناب ہمچو حرف قل ھو اللہ درکتاب
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید این دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوت شبیری است باطل آخر داغ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت حریت راز ہم اندر کام ریخت
خاست آں سرجلوۂ خیر الامم چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
برزمین کربلا بارید و رفت لالہ در و یزرانہ ہاکارید و رفت

تاقیامت قطع استبداد کرد موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک وخوں غلطیدہ است پس بنائے لاالہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر خود نکر دے باچنیں سامان سفر
دشمنان چوں ریگ بودے اگر دوستان او بہ یزداں ہم عدد
سر ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ بود یعنی آں اجمال را تفصیل بود
عزم او چوں کوہساراں استوار پائدار و تند سیر و کامگار
تیغ بہر عزت دین است و بس مقصد او حفظ آئین است و بس
ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
خون او تفسیر ایں اسرار کرد ملت خوابیدہ را بیدار کرد
تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید از رگ ارباب باطل خوں کشید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت سطر عنوان نجاتما نوشت
رمز قرآن از حسینؑ آموختیم ز آتش او شعلہ ہا اندو ختیم
شوکت شام و فر بغداد رفت سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت
تار ما از زخمہ لرزاں ہنوز تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز
اے صبا اے پیک دور افتاد گاں
اشک مابر خاک پاک او رساں

رموز بیخودی ہی میں'' درمعنی ایں کہ سیدہ النساء فاطمۃ الزہرا اسوۂ کاملہ ایست برائے نساء اسلام'' کے ذیل میں بھی حسین کا ذکر آیا ہے:

در نوائے زندگی سوز از حسینؑ
اہل حق حریت آموز از حسینؑ
سیرت فرزند ہا از امہات
جوہر صدق و صفا از امہات
مرزع تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوۂ کامل بتول

اس کے فوراً بعد'' خطاب بہ مخدرات اسلام'' میں یہ حوالہ پھر آیا ہے۔

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہرا مبند
تا حسینی شاخ تو بار آورد
موسم پیشین بہ گلزار آورد

پھر یہ حوالہ زبور عجم (۱۹۲۷ء) کی ایک غزل کے اس زبردست شعر میں ملتا ہے:

ریگ عراق منتظر کشت حجاز تشنہ کام
خون حسین باز دہ کوفہ و شام خویش را

ریگ عراق منتظر ہے، کشت حجاز تشنہ کام ہے، اپنے کوفہ وشام کو خون حسین بھردے، اس میں حال کا صیغہ اور کوفہ وشام خویش نئی فکر کے غماز ہیں، یعنی پھر وہی تشنگی کس کی منتظر ہے اور موجودہ حالات میں تمہارے کوفہ وشام کو خون حسین کی پھرضرورت ہے ۔ یہ تھی وہ تڑپ اور آگ جو اقبال کو بار بار اس حوالے کی طرف لے آتی تھی۔

جاوید نامہ (۱۹۳۲ء میں سلطان شہید (ٹیپو سلطان) کا ذکر کرتے ہوئے اسے'' وارث جذب حسین'' کہا ہے ؛ پس چہ باید کرد (۱۹۳۶ء) میں بھی فکر اور'' حرف چند با امت اسلامیہ'' کے ذیل میں حسین حوالہ آیا ہے:

فقر عریاں گرمی بدروحنین
فقر عریاں بانگ تکبیر حسین

ارمغان حجاز (۱۹۳۸ء) میں فرماتے ہیں:

اگر پندے زد رویشے پذیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش وپنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیر ے بگیری

آخری مجموعہ از مغان حجاز جو اقبال کے انتقال کے کچھ ماہ بعد ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا، اس شعر پر ختم ہوتا ہے:

ازاں کشت خرابے حاصلے نیست
کہ آب از خون شبیرے ندارد

اقبال فارسی میں بھی جو کچھ کہتے تھے ، پوری اردو دنیا میں اس سے ارتعاش پیدا ہوتا تھا۔ رثائی ادب سے ہٹ کر نئے تناظر میں اس تاریخی حوالے کی اہمیت کا ذکر اردو دنیا کے لئے ایک بالکل نیا موضوع تھا۔ اقبال کی اردو شاعری میں اس موضوع کی گونج پہلی بار بال جبرئیل (۱۹۳۵ء) کی غزلوں اور نظموں میں سنائی دیتی ہے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں کے کلام کے پیش نظر اقبال کے یہاں حسین ،شبیر، مقام شبیری، اسوۂ شبیری، باقاعدہ تھیم کا درجہ رکھتے ہیں۔ ذیل کے اردو اشعار اس سلسلے میں بے حد اہم ہیں۔ ان کو اس رجحان کے اولین سنگ میل سمجھنا چاہئے۔ نئے نو آبادیاتی تناظر میں ان کی معنویت غور طلب ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان اشعار نے بعد کے شعرا کے لئے اس تاریخی حوالے کے نئے علامتی ابعاد کو روشن نہ کیا ہوگا۔

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

اقبال کے اس تخلیقی رویے کا اثر بعد میں آنے والے شاعروں پر رفتہ رفتہ مرتب ہوا، اور یوں آہستہ آہستہ شعری اظہار کی ایک نئی راہ کھل گئی ۔ بال جبریل کی مختصر نظم 'فقر' کا نقطۂ عروج بھی کئی فارسی نظموں کی طرح ''سرمایہ شبیری'' ہی ہے۔

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری
اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے امیری
میراث مسلمانی، سرمایۂ شبیری

لیکن انتہائی درجہ کی حسن کاری اور حد درجہ شدت احساس کے ساتھ یہ حوالہ بال جبریل کی

شاہکار نظم ''ذوق وشوق'' کے دوسرے بند میں ابھرتا ہے۔ اختتامی بیت میں تطبیق، تصور عشق سے کی گئی ہے جو اقبال کا مرکزی موضوع ہے۔

صدق خلیل بھی ہے عشق ، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں، بدر وحنین بھی ہے عشق

لیکن اسی بند کا یہ شعر

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ وفرات

بالخصوص اس کا پہلا مصرع تو ضرب المثل کا درجہ اختیار کر چکا ہے ۔ شاعر تڑپ کر کہتا ہے کہ ذکر عرب عربی مشاہدات سے اور فکر عجم عجمی تخیلات کر چکا ہے ۔ شاعر تڑپ کر کہتا ہے کہ ذکر عرب عربی مشاہدات سے اور فکر عجم عجمی تخیلات سے تہی ہو چکے ہیں۔ کاش کوئی حسین ہو جو زوال وغفلت کے اس پر آشوب دور میں حریت وحق کوشی کی شمع روشن کرے۔

رموز بے خودی ۱۹۱۸ء میں بال جبریل ۱۹۳۵ء میں اور ارمغان حجاز ۱۹۳۸ء میں منظر عام پر آئیں۔ لگ بھگ اسی زمانے میں جوش ملیح آبادی کے یہاں بھی شہادت حسین کا حوالۂ نئے انقلابی ابعاد کے ساتھ ملنے لگتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ یوں تو جوش ملیح آبادی نے ''ذاکر سے خطاب'' اور ''سوگواران حسین سے خطاب'' جیسی نظمیں بھی لکھیں جن کا مقصد اصلاح تھا، لیکن شہادت حسین کی انقلابی معنویت کی طرف اشارے انہوں نے ''رثائی ادب'' کے دائرے ہی میں رہ کر کیے۔ شعلہ وشبنم میں اس نوعیت کا جتنا کلام ہے، اس کے بارے میں خود جوش نے وضاحت کردی ہے کہ یہ تمام نظمیں ۱۹۲۷ء سے پہلے کی ہیں۔ جوش ان منظومات کو بھلے ہی زیادہ اہمیت نہ دیتے ہوں ، کردار حسین کی انقلابی معنویت کو روشن کرنے میں جوش کی شاعری نے نہایت اہم خدمت انجام دی۔ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان کا پہلا مرثیہ جو ''جوآوازۂ حق'' کے نام سے شائع ہوا ، اور جس کے آخری بند میں واضح طور پر جوش نے صدیوں کی تاریخ کا سلسلہ اپنے عہد کی سامراج دشمنی سے ملادیا' ۱۹۱۸ء کی تصنیف ہے۔ اقبال کی شہرۂ آفاق تصنیف رموز بے خودی بھی (جس نے ہم ''درمعنی حریت اسلامیہ وسرحادثہ کربلا'' اور متعدد دوسرے حوالے پیش کر چکے ہیں) ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ پہلی جنگ عظیم کے اختتام کا اور تحریک خلافت کے تقریباً آغاز کا زمانہ تھا۔ جوش کا یہ بند ملاحظہ ہو جس میں وہ دعوت

دیتے ہیں کہ اسلام کا نام جلی کرنے کے لئے لازم ہے کہ ہر فرد حسین ابن علی ہو:

اے قوم ! وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ
اسلام ہے پھر تیرا حوادث کا نشانہ
کیوں چپ ہے اسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ
مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہرفرد حسین ابن علی ہو

واضح رہے کہ '' آوازۂ حق'' کو شعلہ وشبنم میں شامل کرتے وقت جو ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی ، جوش نے اعتذار کا لہجہ اختیار کیا اور یہ نوٹ درج کیا'' اس نظم کو صرف اس نظر سے پڑھا جاسکتا ہے کہ یہ آج سے اٹھارہ برس پیشتر کی چیز ہے۔''(ص ۲۴۸)

یوں تو جوش ملیح آبادی نے نو مرثیے لکھے جنہیں ضمیر اختر نقوی نے مرتب کرکے شائع کردیا ہے (جوش ملیح آبادی کے مرثیے ،لکھنؤ ۱۹۸۱ء) لیکن آزادی سے پہلے'' آوازۂ حق'' کے علاوہ جوش کا صرف ایک مرثیہ''حسین اور انقلاب''ملتا ہے جو ۱۹۴۱ء کی تصنیف ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے انقلابی خیالات کا اظہار اور بھی کھل کر کیا ہے اور کئی بندوں میں حسین کو حریت وآزادی کے مظہر کے طور پر پیش کیا ہے ۔ چالیسویں بند کی بیت ہے۔

عباس نامور کے لہو، سے دھلا ہوا
اب بھی حسینیت کا علم ہے کھلا ہوا

اس کے بعد کچھ بند ملاحظہ ہوں:

یہ صبح انقلاب کی جو آج کل ہے ضو یہ جو مچل رہی ہے صبا پھٹ رہی ہے پو
یہ جو چراغ ظلم کی تھرا رہی ہے لو در پردہ یہ حسین کے انفا کی ہے رو
حق کے چھڑے ہوئے ہیں جو یہ ساز دوستو
یہ بھی اسی جری کی ہے آواز دوستو
پھر حق ہے آفتاب لب بام اے حسین پھر بزم آب وگل میں کہرام اے حسین
پھر زندگی ہے سست وسبک گام اے حسین پھر حریت ہے مورد الزام اے حسین

ذوق فساد ولولۂ شر لیے ہوئے
پھر عصر نو کے شمر ہیں خنجر لیے ہوئے
مجروح پھر ہے عدل ومساوات کا شعار اس بیسویں صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار
پھر نائب یزید ہیں دنیا کے شہر یار پھر کربلائے نو سے ہے نوع بشر دوچار
اے زندگی ! جلال شہ مشرقین دے
اس تازہ کربلا کو بھی عزم حسین دے
آئین کشمکش سے ہے دنیا کی زیب وزین ہر گام ایک 'بدر' ہو ہر سانس اک ''حنین''
بڑھتے رہو یونہیں پئے تسخیر مشرقین سینوں میں بجلیاں ہوں زبانوں پہ ''یا حسین''
تم حیدری ہو، سینۂ اژدر کو پھاڑ دو
تم حیدری ہو، سینۂ اژدر کو پھاڑ دو

اس مرثیہ کا خاتمہ اس بیت پر ہوا ہے:

دنیا تری نظیر شہادت لئے ہوئے
اب تک کھڑی ہے شمع ہدایت لیے ہوئے

جوش ملیح آبادی نے اسی زمانے میں کہا:

انسان کو بیدا تو ہولینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین

اس سلسلے میں جوش کے ایک سلام کے یہ دوشعر بھی دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں، جس میں عہد نو کی صاف گونج موجود ہے۔

محراب کی ہوس ہے نہ منبر کی آرزو
ہم کو ہے طبل و پرچم و لشکر کی آرزو
اس آرزو سے میرے لہومیں ہے جزرومد
دشت بلا میں تھی جو بہتر کی آرزو

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ جوش رثائی ادب کی کلاسیکی روایت سے جو مذہبی مقصد کے لئے مخصوص تھی، سیاسی نوعیت کا کام لے رہے تھے۔ اس پر کچھ اعتراض بھی ہوئے۔ بایں ہمہ اس کا

اعتراف بھی کیا گیا کہ ''جوش نے مرثیے میں انقلاب اور قومی آزادی کے تصور کو رواج دیا۔'' تاہم رثائی ادب کی اپنی حدود تھیں، جن کا احترام مرثیہ گوشعرا کے لئے واجب تھا۔ جوش کی البیلی شخصیت کی بات ہی اور تھی۔ وہ اپنی رومانیت اور بغاوت کی ونہج سے ہر چیز کو نبھالے جاسکتے تھے۔ دوسروں کے لئے یہ ممکن نہیں تھا۔ جمیل مظہری نے کچھ کوشش کی لیکن ان سے چلا نہیں، اور اس کا چلنا ممکن بھی نہیں تھا۔ ان کوششوں کے برعکس اقبالؔ نے اظہار کی جو راہ دکھائی تھی، اس نے آنے والوں کے لئے ایک شاہراہ کھول دی اور بعد کی اردو شاعری میں اس رجحان کو فروع دراصل انہیں اثرات کے تحت ہوا۔

ترجمہ اور تفسیر قرآن میں

سرسید احمد خان کا حصہ

محمد رضاء الکریم
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ النسہ، راجشاہی یونیورسٹی

ترجمہ اور تفسیر قرآن میں برصغیر کا حصہ:

برصغیر سے عربوں کے تعلقات بہت قدیم ہیں۔ اسلام کی آمد سے بہت پہلے یہاں عرب لوگ تجارتی غرض سے آیا کرتے تھے[۱]۔ اسلام کی آمد کے بعد بھی یہ تعلقات برقرار رہے۔ جب برصغیر مسلمانوں کی قیادت میں آیا تو یہاں مختلف ممالک کے بہت سے لوگ آکر بس گئے جس میں عرب، ایران، افغانستان اور ترکستان کے لوگوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔[۲]

یہ لوگ عربی کے علاوہ فارسی اور دوسری زبان خاص کر اردو زبان میں قرآن مجید کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ چونکہ عربی زبان ایک مذہبی زبان ہے اس لئے برصغیر میں جتنی قدیم التفسیر پائی جاتی ہیں ان کا زیادہ تر حصہ عربی زبان میں ہے۔ ذیل میں چند اہم عربی تفسیر کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

۱۔'' کاشف الحقائق وقاموس الدقائق''

اس تفسیر کے مصنف محمد بن احمد گراتی ہیں۔ (۸۲۱ھ/۱۴۱۸ء) یہ صوفیانہ رنگ میں لکھی ہوئی ایک قدیم ترین نادر تفسیر ہے۔ جس میں شریعت اور عربیت پر زور دیا گیا ہے اس کی عبارت نہایت مختصر اور آسان ہے۔ اس تفسیر کا صرف ایک ہی قلمی نسخہ ایشیاٹیک سوسائٹی بنگال کی لائبریری میں موجود ہے[۳]

۲۔تفسیر ملتقط:

سید محمد گیسودراز کی ایک نادر تفسیر ہے۔(۸۲۸ہجری/۱۴۲۴ء)تفسیر ملتقط بھی صوفیانہ رنگ کے علاوہ گیسودراز کی علمی قابلیت کا بھی پتہ چلتا ہے اس تفسیر کا ایک حصہ لکھنؤ کے ناصریہ کتب خانے میں موجود ہے۔[۴]

۳۔تفسیر الرحمٰن وتیسر المنان :

یہ تفسیر علی ابن احمد میائمی نے ۸۳۵ ہجری / ۱۴۳۱) میں لکھی علامہ مہائمی بڑے عالم اور کامل دلی تھے ان کے متعلق ایک بات مشہور ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ ۵ اس تفسیر کی سب سے بڑی خوبی اس کا ربط آیات ہے۔ انہوں نے اس تفسیر میں تمام آیات قرآنی کو بڑی مضبوطی سے مربوط کیا ہے۔

۴۔تفسیر منبع عیون المعانی:

اس تفسیر کے مصنف شیخ مبارک (۱۰۰۱ہجری/ ۱۵۹۲ء) ہے یہ تفسیر پانچ جلدوں میں تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے اس کا صرف ایک قلمی نسخہ لکھنؤ میں سید تقی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس تفسیر کی اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں مصنف کے حالات اور اس دور کے اہم واقعات کا تذکرہ نہایت دل چسپ انداز میں کیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ اس تفسیر میں علوم قرآنی پر بحث کی گئی ہے۔ اس تفسیر میں مصنف کے علمی اور ادبی رنگ کے ساتھ صوفیانہ رنگ بھی اجاگر ہوا ہے۔ ۶

۵۔سواطع الہام:

یہ غیر منقوط الفاظ میں لکھی ہوئی ایک نادر تفسیر ہے۔ اس تفسیر کے مصنف کا نام فیضی (۱۰۰۴ ہجری / ۱۵۹۵ء) ہے اس تفسیر سے مصنف کی غیر معمولی علمی قابلیت کا پتہ چلتا ہے اس سے پہلے اس قسم کی تفسیر دنیا میں کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ ۷ اس تفسیر سے عربی زبان کی حیرت انگیز وسعت اور فیضی کی غیر معمولی انشا پردازی کا ثبوت ملتا ہے۔

۶۔تفسیر مظہری:

اس تفسیر کے مصنف کا نام قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ہجری/ ۱۸۱۰ء) ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی دہلی کے مشہور درویش اور اردو ادب کے مایہ ناز شاعر مرزا مظہر جان جاناں ۸ کے خاص شاگرد اور مرید تھے۔ اس تفسیر میں قرآن مجید کی صوری اور معنوی خوبیاں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے محاسن پر بھی روشنی ڈالی گئی ۔ اس تفسیر سے مصنف کے عالمانہ اور صوفیانہ انداز کا پتہ چلتا ہے برصغیر کی اہم تفسیروں میں یہ بھی شامل ہے۔ ۹

۷۔تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن:

یہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ایک مشہور تفسیر ہے۔ اس تفسیر کی زبان واضح نہیں ۔ حدیث اور قرآن کی دوسری آیات کی مدد سے یہ تفسیر لکھی گئی ہے۔ ۱۰

۸۔ نظام القرآن وتاویل القرآن:

یہ مولانا حمید الدین فراہی کی ایک نامکمل مشہور تفسیر ہے۔ واضح ہو کہ مولانا فراہی اس دور کے ایک بڑے عالم تھے۔۱۱

مذکورہ بالا تفسیر وں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ برصغیر کے علماء کو ہمیشہ قرآن مجید سے بڑی دلچسپی رہی جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے مذکورہ بالا تفسیر وں کے علاوہ ہندوستان میں اور بھی بہت سی نادر اور بیش بہا تفسیر القرآن پائی جاتی ہیں۔جن کے مصنف ہندوستانی ہیں اور تفسیر کی زبان بھی ہندوستانی یعنی اردو ہے۔ اردو ہندستانی زبانوں میں سب سے کم زبان ہے اس کے باوجود یہ زبان تمام ہندوستانیوں کے نزدیک بڑی مقبول اور بے حد عزیز ہے۔

خاص کر مسلمانوں کی سرپرستی پا کر اس کی مقبولیت دگنی ہوگئی۔ چونکہ قرآن شریف مسلمانوں کی سب سے بڑی مذہبی کتاب ہے اور اسلام کی بنیاد بھی اسی قرآن شریف پر مبنی ہے اس لئے اکابر اسلام شروع ہی سے قرآن مجید کی تعلیمات کو عام لوگوں تک پہنچانے میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ اب تک برصغیر میں قرآن مجید کے جتنے ترجمے اور تفسیریں پائی جاتی ہیں ان میں اردو زبان کے ترجمے کی تعداد سب سے زیادہ ہے ۔ اردو میں ایک ہزار سے زیادہ قرآن مجید سے متعلق کتابیں اور رسالے پائے جاتے ہیں۔ ان ترجموں میں قرآن مجید کے ترجمے تفسیریں، اصول تفسیریں ،تجوید ، تعلیمات قرآن ، احکام قرآن، قصص قرآن، اعجاز قرآن ، علوم قرآن ، خواص قرآن ، فضائل قرآن، ناسخ منسوخ معارف قرآن ، مباحث قرآن ، تاریخ جمع وترتیب قرآن ، تاریخ مفسرین وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۲ خیال کیا جاتا ہے کہ اب تک اردو میں ساڑھے سات سو کتابیں قرآن مجید کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ان میں اکثر ترجمے اور تفسیریں ہیں۔ ۱۳ ان ترجموں اور تفسیروں میں سے چند کتابوں کا مختصر تعارف اور ان کا انداز بیان اور نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

۹۔ تفسیر مرادیہ: اس تفسیر کے مصنف کا نام شاہ مراد اللہ انصاری ہیں۔ مولانا موصوف نے اس تفسیر میں صرف قرآن مجید کے آخری پارہ کی تفسیر کی ہے۔ انہوں نے یہ تفسیر ۱۱۸۰ ہجری (۱۷۷۱ء) میں تصنیف کی تھی ۱۴ مفسریں کا خیال ہے کہ تاریخ کے روسے یہ قرآن شریف کا پہلا

ترجمہ ہے جس کے بارے میں مولانا انصاری خود کہتے ہیں۔

'' خدا نے اپنے فضل وکرم سے اور حضرت نبی کریمؐ کے طفیل سے عم پارے کی تفسیر ہندی زبان میں کروادی ۔ یہ تفسیر محرم کے مہینے کی چوبیس تاریخ جمعہ کے دن گیارہ سو چوراسی ہجری ۱۱۸۴ سال تمام ہوکر پچاسی سال کے شروع میں مکمل ہوئی ۔۱۵ یہ تفسیر ۱۲۷۴/۱۸۳۱ء میں ہگلی ضلع میں شائع ہوئی۔ اس تفسیر کا انداز بیان اچھا ہے۔ زبان بھی سلیس اور سادہ ہے۔ تفسیر کا نمونہ مندرجہ ذیل ہے۔

'' سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہاں کا بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

مالک انصاف کے دن کا ہے تجھی کو ہم بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہئیں۔۱۶

۱۰۔ ترجمہ۔ شاہ عبد القادر : شاہ عبد القادر شاہ ولی اللہ ۱۷ کے صاحب زادے تھے ماہرین کا خیال ہے کہ شاہ عبد القادرؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے پورے قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا سید سلیمان ندوی ۱۸ نے شاہ عبد القادر کے ترجمے کی بے حد تعریف کی وہ فرماتے ہیں کہ ۔

شاہ عبد القادر کے ترجمہ اور حواشی کی خوبی کا اصل اندازہ وہی لگاسکتا ہے جس نے خود قرآن پاک کے سمجھنے کی تھوڑی کوشش کی ہے ۔ اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام قرآن مجید کا ترجمہ تحت اللفظ میں کیا گیا ہے ۔ اس ترجمہ کا نمونہ یہ ہیں۔

'' رحم والا مالک انصاف کے دن کا تجھی کی بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہیں۔

۱۱۔ ترجمہ شاہ رفیع الدین:

شاہ رفیع الدین ۱۹ شاہ عبد القادر کے بڑے بھائی ہیں۔ یہ ترجمہ ان کے شاگرد سید نجف علی نے کیا تھا یہ بھی لفظی ترجمہ ہے اس کی زبان سادہ اور عام فہم ہے اسی وجہ سے یہ ترجمہ لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اس ترجمہ کا نمونہ حسب ذیل ہے'' سب تعریف واسطے اللہ کے پروردگار عالموں کا بخشش کرنے والا مہربان خداوند دن جزاء تھا تجھی کو عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی مدد چاہتے ہیں۔ ۲۰

۱۲۔ ترجمہ شاہ حقانی : یہ ایک غیر مطبوعہ تفسیر ہے۔ سید شاہ حقانی رحمت اللہ علیہ نے ۱۲۰۲ ہجری مطابق ۱۷۸۷ء میں لکھی تھی واضح ہو کہ اس دور میں تین اور ترجمہ کا پتہ چلتا ہے جو غیر مطبوعہ ہیں۔ شاہ حقانی کا ترجمہ نمونہ حسب ذیل ہیں رنج میں نہ ڈالے گا خدائے تعالیٰ کسی کو مگر موافق

طاقت اس کی کہ اس کو ہے جو عمل کیا اور اوپر اس جو گناہ کیا اسے پروردگار میرے عذاب مت پکڑ تو یہ پر بھول جاؤں یا خطا کروں۔ ۲۱

۱۳۔ترجمۂ شریف خان:

یہ شریف خان دہلوی کا ایک اہم ترجمہ ہے شریف خان دہلوی نے یہ ترجمے ۱۲۱۶ہجری/۱۸۰۱ء میں شاہ عبد القادر کے ترجمہ کے مقابلے میں لکھا تھا اس ترجمہ کی زبان شاہ عبد القادر کے ترجمے سے زیادہ صاف اور آسان ہے۔ داستان تاریخ اردو (محمد احمد خان) نے اس کا پتہ لگایا گیا ہے نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

میں ہوا اللہ بہت جاننے والا وہ کتاب کہ اگلی کتابوں میں وعدہ اترنے کا کیا گیا تھا یہ کتاب کامل ہے یعنی قرآن کہ کچھ شبہ نہیں ہے بیچ اس کے اللہ کی طرف سے آنے میں راہ دکھا نے والی'' پرہیزگاروں کو شرک سے اور گناہوں سے ۲۲

۱۴۔ترجمہ امانت اللہ:

یہ فورٹ ولیم کالج ۲۳ کے منشی مولوی امانت اللہ شیدا کا ایک بہترین ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ ۱۲۱۸/ ۱۸۰۳ء میں کیا گیا اس ترجمہ کا ایک قلمی نسخہ ایشیا ٹیک سوسائٹی آف بنگال میں موجود ہے اس ترجمہ کی تیاری میں مولوی امانت اللہ کی جنہوں نے مدد کی تھی ان میں فورٹ ولیم کالج کے منشی میر بہادر علی حسینی ۲۴ اور کاظم علی جوان ۲۵ کے نام نہایت قابل ذکر ہیں۔ یہ ترجمہ فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل ڈاکٹر جان گلکرئسٹ کی فرمائش پر لکھا گیا۔۲۶ اس کی دو جلدیں ہیں جن کے اوراق کی تعداد ۵۵۵ ہیں پہلی جلد میں پندرہ پاروں کا ترجمہ ہے اور دوسری جلد میں باقی پندرہ پاروں کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لمبی سورتوں کا ترجمہ صاف اور ستھرہ ہے۔ الفاظ بھی موزوں اور مناسب ہیں مگر اس میں کہیں کہیں تذکیر اور تانیث کی غلطیاں نظر آتی ہیں ترجمے کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

'' اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک خدا تمہیں فرماتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ بولے کہ کیا تم ہم سے ٹھٹھا کرتے ہو۔پناہ چاہتا ہوں میں خدا سے کہ جاہلوں میں نہ ہو ۵ بولے کہ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے سوال کر کہ ہم سے ایان کرے کہ وہ کیا ہے تحقیق کہ وہ

ایک گائے ہے نہ بوڑھی ہو نہ جوان بین بین اس کے ۔ ط۔ پس کرو جو حکم کے گئے ہو۔ کہنے لگے ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے سوال کرتا کہ ہمیں اس کا کیا رنگ ہے۔ط۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ایک زردگائے ہے نہایت زرد ہے رنگ اس کا خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو۔'' ۲۷

۱۵۔ ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد

ڈپٹی احمد اردو ادب کے عناصر خمسہ میں سے ہیں اردو ادب وزبان کی تاریخ میں ان کو اہم مرتبہ حاصل ہے۔ ۲۸

اردو ادب کو فروغ دینے کے لئے قرآن مجید کا ترجمہ بھی اردو زبان ہی میں کرنے پر زور دیتے تھے ۔ ان کے ترجمہ کی زبان نہایت شستہ سلیس اور ادبی ہوتی تھی ۔ ڈپٹی نذیر احمد ترجمے میں خالص دہلی کی ٹکسالی زبان استعمال کرتے تھے ۔مگر یہ ٹکسالی زبان بعضوں کے نزدیک ناپسند تھی ان کے ترجمہ ان کے ترجمہ کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

'ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو م تمام پروردگار ہے نہایت رحم والا مہربان، روز جزاء کا حاکم (اے خدا) ہم تری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں'' ۲۹

اردو ترجمہ اور ترجمہ تفسیر نگاری میں سرسید احمد خان کا درجہ

سرسید احمد خان کی متعدد تحریر اور تفسیر کے مطالعہ سے اس زمانے کے مسلم سماج کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے حالات بڑی نازک تھی لوگوں میں ترقی کرنے کی جدوجہد بالکل فوت ہوگئی تھی سنہ ۱۸۵۷ء کے واقعات نے ان حالات کو اور بھی نہ گفتہ کردیا تھا ۔ انگریزوں کی دور اندیش پالیسی اور مسلمانوں کی کم علمی کے باعث انہیں پر میدان میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا نتیجے میں مذہبی امور میں بڑی بے اعتدالیاں اور کوتاہی پیدا ہوگئی تھیں۔ برصغیر کے مسلمانوں میں مذہبی امور کی ادائیگی محض رسمی اور نمائشی ہوگی تھی تلاوت قرآن صرف برکت کے لئے کی جاتی تھی اس پر عمل کرنے کی ضرورت کا احساس نہ تھا تعلیمی امور میں بھی مسلمان بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ رسمی تعلیم کے سوا جدید علوم وفنون خاص کر کے انگریزی زبان اور سائنس کی تعلیم کی طرف ان کا کوئی خیال نہ تھا ان کا موں میں جو آگے بڑھنا چاہتے تھے انہیں بھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا اور ان پر عیسائیت عقلیت ، پسندی ، الحاد وغیرہ الزامات عائد کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔

سرسید بڑے حساس ، دردمند ، ذہین اور بیدار مغز انسان تھے ان کو اپنی قوم کے حالات سے بہت تشویش تھی قوم کی اصلاح ترقی اور بہبودی کو انہوں نے اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا انہوں نے دو باتوں کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی اول قوم کی انگریزی زبان اور علوم جدید کی طرف مائل کرنا اور دوسرے ان کو مذہب کی سچائی اور حقیقت سمجھانا مگر ان کا یہ کام آسان نہ تھا تاہم وہ اپنے فیصلے پر اٹل رہے اور ساری زندگی اس پر صرف کردی جس کے بارے میں وہ خود کہتے ہیں۔

'' قوم کیا دنیا کی باتوں میں اور کیا دین کی باتوں میں، ایسے تاریک گڑھے میں پڑی تھی کہ ادھر ادھر کی چیزیں تو درکنار وہ اس گڑھے کو بھی نہ دیکھ سکتی تھی جس میں وپ پڑی تھی ۔ میرا دل آخر دل ہی تھا پتھر نہ تھا جو پگھلتا ۔ ایک مدت تک اس غم مین پڑا رہا۔ سوچتا رہا کہ کیا کیجئے اخر یہ سوچا کہ کچھ کرنا بہتر ہے کرو جو کچھ کرسکو ہو یا نہ ہو اس بات پر دل ٹھان لیا ہمت نے ساتھ دیا اور صبر نے سہارا دیا اور اپنی قوم کی بھلائی میں مصروف ہوگیا۔ ۳۰؎

سرسید کا پختہ یقین تھا کہ اگر مسلمان اپنی تنزلی کا احساس نہ کرے اور زمانے کے ساتھ ساتھ قدم ملا کر نہ چلے ،تو ترقی کرنا تو دور کی بات ہے۔ وہ اپنی موجودہ حیثیت کو بھی برقرار نہ رکھ سکیں گے اس خیال میں وہ ہمیشہ بے چین رہتے تھے ۔ اور یہ بے چینی ان کی تحریروں میں نظر آتی ہے ۔ چونکہ وہ عالی دماغ خیال ، پاک دل اور روشن ضمیر انسان تھے، اس لئے ان کے دل میں ہمیشہ خدا پر بھروسہ اور رسول کی محبت تھی۔ وہ اسلام کو تمام مذہبوں میں سب سے سچا مذہب خیال کرتے تھے۔ اس خیال میں وہ اٹل رہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔

ایک ایک شخص جو اسلام کے دائرہ میں داخل ہے وہ سب مل کر مسلمانوں کی ایک قوم کہلاتے ہیں۔ وہ اپنے عزیز مذہب کے پیرو اور پابند ہو تبھی تک وہ قوم ہیں ۔ یادرکھو کہ اسلام جس پر تم کو جینا ہے اور جس پر تم کو مرنا ہے اسے قائم رکھنے سے تمہاری قوم قوم ہے۔ اس کو قائم رکھ کر ترقی کرنا قوی مسوی ہے۔ اس سے قومی ترقی ہوگی قوم کی عزت ہوگی اور آنے والی نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گی۔'' ۳۱؎

سرسید نے اپنے تحریروں سے مسلمانو ں کو بہت فائدہ پہنچایا اور بہت سے شک وشبہات کا ازالہ کیا۔ کی عام تحریروں میں ان کی تفسیر نگاری سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے ۔ ان کی تفسیر نگاری کا مقصد وہ نہ تھا جو بعد میں لوگوں نے ان کی طرف منسوب کیا تھا۔ انہوں نے اپنی تفسیر نگاری

کے کا مقصد ''التحریر فی اصول التفسیر'' میں واضح کردیا ہے ۔ ان کی تفسیر نگاری کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے تمام اصول وضوابط عقل کی مطابق ہو اور قرآن مجید میں کوئی ایسی بات نہ ہوجو عقل انسانی کے خلاف ہو۔ ان کا ذہنی عقیدہ بھی یہی تھا کہ خدا ایک ہے جو ازل سے اور ابد تک رہے گا۔ ۳۲ وہی ساری دنیا کا خالق اور تمام کائنات کا ضائع ہے۔ خدا کا کلام اور اسکے رسول کا کلام خلاف حقیقت ۔ خلاف عقل اور خلاف واقع نہیں ہوسکتا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی تمام باتیں سچی اور درست ہیں۔ رسول کے سوا کوئی بھی انسان ایسا نہیں جس کا کلام قابل قبول ہو۔ ۳۳

سرسید مذہبی تقلید کے قائل نہ تھے۔ وہ ہر چیز کو غور وفکر سے دیکھتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی سوچنے کے دعوت دیتے قرآن مجید کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ قرآن مجید خدا ئے تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ نازل کیا۔ اس کی تفسیر اس طرح ہونی چاہئے کہ جب تک دنیا قائم ہے اس سے ہر قسم کے مسائل حل کئے جائیں۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی افادیت اہمیت اور اعجاز یہی ہے کہ نازل ہونے کے بعد سے اب تک جتنے مسائل اور مشکلات پیدا ہورہے ہیں ام کو تفسیر سے حل کیا جائے۔ اس کے علاوہ تفسیر دینی اور دنیاوی مسائل حل کرنے کا ایک معیار ثابت ہوا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ رسولؐ ، صحابۂ کرام ، اور تابعین نے قرآن مجید کی تفسیر حالات مسائل اور زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر آیات قرآن کی توضیح کی کیونکہ زمانہ کبھی ایک ہی حالت میں نہیں ٹھہرتا ۔حالات بھی ہمیشہ گردیش دوران میں پلٹتے رہتے یں۔ اس وجہ سے لوگوں کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلام اور قرآن کو ان حالت سے ہم آہنگ رکھا جائے تنگ نظر عیسائیوں نے اسلام پر بے شمار اعتراضات عائد کئے تھے اور ہمیشہ اسلام کو دنیا سے مٹادینے کی کوشش میں لگے رہے تھے۔ سرسید احمد خان نے ان عیسائیوں کا مقابلہ کیا اور جدید علوم کی روشنی میں اپنے مسائل کو پر اثر اور پرزور انداز سے پیش کیا اور اسلام کی عظمت کو بلند کیا وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بھی قرآن مجید پر یہ اعتراض کرے کہ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ بعید از عقل یا نظام قدرت کے خلاف ہو ۔ وہ کہتے ہیں۔

''حقیقت یہ ہے کہ تم نے خدا کے عفت جس عظمت کے وہ لائق ہے۔ اپنے دل پر نفس کا لحجر بن گئی ہے۔ اس لئے تمہاری رائے یا تمہارا دل اور تمہارا ایمان ڈانواں ڈول ہوتا ہے تمام خیالات کو دل سے محو کرکے یہ سچا اور دلی یقین کرلو کہ خدا سچا ہے اور قرآن اس کلام بھی بالکل سچا ہے تو تم

میں اس قسم شبہات ہرگز پیدا ہوگے۔ ۳۴

سرسید احمد خان کی تفسیر نگاری کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ان کے سامنے دو چیزیں موجود ہیں ایک ورک آف گاڈ Work of godاور دوسرا ورک آف گاڈ(Work of god)ان کا کہنا ہے کہ خدا کا کلام اور خدا کے الفاظ بھی مختلف نہیں ہو سکتے۔ ورک آف گاڈ کائنات کی صورت میں اور ورک آف گاڈ قرآن مجید کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں ۔ لہٰذا ان دونوں میں اتحاد پایا جانا ضروری ہے۔ ۳۵

خدا نے بھی قرآن مجید میں سوچنے سمجھنے اور غوروفکر کی دعوت دی ہے۔ اور کسی بات کو آنکھ بند کرکے تقلید کرنے سے منع کیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ خدا کے کلام کو دیو اور پری کے قصے مت بناؤ ورنہ اسلام کی عزت برباد ہوجائیگی۔ غرض سرسید کی تفسیر میں بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ عام مفسروں کی تفسیر وں میں نہیں ملتی ہیں۔ سرسید نے اپنی تفسیر میں اس قسم کے بہت مذہبی امور کے مسائل کو عقلی طور پر حل کرنے کی کوشش کی اس لئے اس کی غلطی ہونا غیر متوقع نہیں تاہم یہ بات ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے برسوں کے بوسیدہ انداز سے الگ ہٹ کر ایک نئی راہ پیدا کی اور لوگوں کو جدید دور کے تقاضوں کی حقیقت کو نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں میں بھی زیادہ محکم اور پائدار بنایا جائے مختصر لفظوں میں کہاجاسکتا ہے کہ عام طور پر ہماری زندگی میں جوخرابیاں پیش آتی ہیں۔ انہیں دور کرنے کی غرض سے انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر نگاری شروع کی تھی۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ نصف قرآن کی تفسیر ختم ہونے سے پہلے ہی انہوں نے انتقال فرمایا۔

سرسید احمد خان کے ترجمہ اور تفسیر پر تبصرہ

تفسیر القرآن سرسید احمد خان کی آخر عمر کی یادگار ہے ۱۸۷۶ء میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے یہ تفسیر نگاری شروع کی۔ ۳۶ ان کی یہ تفسیر چھ حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ ۱۸۰۰ء میں دوسرا ۱۸۰۲ء میں تیسرا حصہ ۱۸۸۵ء میں چوتھا حصۃ ۱۸۸۸ء میں پانچواں حصہ ۱۸۹۲ء میں اور چھٹا حصہ ۱۸۸۵ء میں علی گڑھ ''انسٹیٹیوٹ پریس'' سے شائع ہوا۔ البتہ ان کی موت کے بعد ۱۹۰۵ء میں اس تفسیر کا ساتواں حصہ علی گڑھ مقید عالم پریس سے شائع ہوا تھا۔ ۳۷ ان کی تفسیروں کا مختصر تعارف اور نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

پہلا حصہ۔ اس حصہ میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کا ترجمہ اور تفسیر ہے اس کے علاوہ دعا اور

دعا قبول ہونے کے متعلق بیانات حروف مقطعہ کی تفسیر۔ جبر واختیار وحی، الہام، موت، جنت، دوزخ، فرشتہ، اور غیر اسلامی امور پر محققانہ بحث کی گئی ہے پہلے حصہ کا نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

الم یہ سورہ ان انتیس سورتوں میں سے ہے جس کو خود خدائے تعالیٰ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ صرف مقطعات کے نام ہیں جو سورتوں کی ابتداء میں آتے ہیں ۔ اور جو سورتوں باہم کسی مناسبت رکھتی ہیں۔ ان کے ایک ہی نام مقرر کے ہیں۔ اب یہاں غور طلب ہیں۔ ایک یہ کہانہیں انتیس سورتوں کا نام مقرر کرنے کا کیا سبب ہے؟ دوسرے یہ کہ حروف مقطعات سے کیوں ان کے نام مقرر کئے ہیں۔ ۳۸

حصہ دوم : حصہ دوم میں سورۂ آل عمران، سورۃ النساء سورہ مائدہ کا ترجمہ اور تفسیر کی گئی ہے۔ اسی حصہ میں کافروں کے ساتھ دوستی مریم کے پاس رزق کا آنا حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ کا ہونا حضرت عیسیٰ کا آسمان پر چلے جانا، بدر کے لڑائی میں فرشتوں کا اترنا شہیدوں کو مردہ سمجھنا وغیرہ مسائل پر تحقیقات بحث کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ نکاح متعہ، ہابیل اور قابیل کی قربانی، چوروں کے ہاتھ کاٹنا، وغیرہ پر بھی تحقیقانہ بحث کی گئی ہے۔

دوسرے حصے کا نمونہ کلام حسب ذیل ہیں۔

''اے لوگوڈرو اپنے پروردگار سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان اور پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلا ئے دونوں سے بہت سے مراد اور عورتیں''

تفسیر کا نمونہ:

یتامی جمع الجمع ہے یتیم کی اور یتیم اس کو کہتے ہیں کہ جس کا باپ مرگیا ہو۔ یعنی سرپرست سے تنہا رہ گیا ہو ۔ یہ لفظ لڑکوں پر اور لڑکیوں پر اور جس عورتوں کا نکاح ہونے سے پہلے باپ وفات پا چکے ہو اطلاق ہوتا ہے گو کہ وہ جوان ہوگئی ہوں۔ ۳۹

تیسرا حصہ:

تیسرے حصہ میں سورۂ انعام اور سورۃ الاعراف کا ترجمہ اور تفسیر کی گئی علاوہ ازیں اس حصے میں معجزہ، کرماً کاتبین، لفظ کن فیکون، حضرت ابراہیم کا باپ، نبوت، میزان، روح، موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، آخرت، قیامت ۔ عرش، قوم عاد وثمود، حضرت شعیب، من والسلویٰ، وغیرہ موضوعات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

ترجمہ کا نمونہ:

سب بڑائیاں خدا کے لئے ہیں۔ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا اندھیروں اور نور کو پھر جو کافر ہوئے برابر کرتے ہیں ۔ (اصنام کو) اپنے پروردگار''

تفسیر کا نمونہ:

(الحمد للّٰہ الذی) ان تمام سورۂ میں مکہ کے لوگ زیادہ تر مخاطب ہیں مشرکین ، عرب خدا کو جانتے تھے مگر بتوں کو خدا کی برابر کرتے تھے اور خدا کے مانند بتوں پرستش کرتے تھے۔ ۴۰

چوتھا حصہ:

اس حصے میں سورۂ انفال سورۂ توبہ، سورۂ یونس کا ترجمہ اور تفسیر کی گئی اس حصے میں حضرت محمدؐ کی لڑائیوں پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ غنیمت کے مال پر بھی بحث کی گئی ہے۔

نمونہ کلام:

جو مال لڑائی سے ہاتھ لگے اس کو انفال کہتے ہیں۔

اس سو میں بدکا ذکر ہے، جنگ بدر کا واقعہ پر مخالفین اسلام نے بہت کچھ الزام لگائے ہیں۔ ۴۱

پانچواں حصہ: پانچویں حصے میں سورہ ہود، سورہ یوسف ، سورہ رعد، سورہ ابراہیم ، سورہ حجر، اور سورہ النحل کا ترجمہ اور تفسیر کی گئی ۔ اس حصے میں حضرت نوح علیہ السلام کا طوفان ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ، حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تحقیق کما واقعہ جس کی پیدائش اور ناسخ منسوخ پر عالمانہ بحث کی گئی اس قصے کا نمونہ کلام یہ ہے۔

الٓرٰ: یہ کتاب ہے کہ مستحکم کی گئی ہیں اس کی آیتیں مفصل کی گئی ہیں حکمت والے کو پاس سے۔ ۴۲

چھٹا حصہ: چھٹے حصہ میں سورۂ بنی اسرائیل پر جامع مانع بحث کی گئی ۔ اس حصے میں معراج شق صدر النبی کے بارے میں پھر بحث کی گئی ہے۔ اس حصے کا نمونہ یہ ہے۔

معراج کے متعلق حدیثوں اور روایتوں میں جس قدر اختلاف ہے غالبا اور کسی امر میں اس قدر اختلاف نہ ہوگا۔ اس اختلافات کا بیان کرنا اور ان کی تصحیح کرنا سب سے مقدم امر ہے۔ اور اس لئے ہم اس امر کر معہ ان اختلافات کے جداجدا بیان کرتے ہیں ۴۳

خاتمہ:

غرض سر سید احمد خان کے تفسیر لکھنے کا پہلا مسلم نوجوانوں کو مغربی فلسفہ اور سائنس سے واقف کرانا تھا، تاکہ ہر نوجوان مسلمان اسلام کے ہر عقیدہ اور قانون کو عقل کے موافق سمجھ سکے۔ اس مقصد کو مدنظر رکھ کر اس تفسیر کے ذریعہ انہوں نے برصغیر میں جدید علم کلام کی بنیاد رکھی اور اسلام کے ہر عقیدے، قانون حکم اور قصے کو عقل کے مطابق ثابت کیا۔ اسلام کے جو امور عقل کے مطابق ثابت نہ ہوسکے اسے باہر نکال دیا اس تفسیر سے وہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے تھے کہ اسلام کا کوئی مسئلہ عقل کے خلاف نہیں ہے۔ ۴۴

مگر سر سید کا یہ نقطہ نظر ہندوستان کے تنگ نظر علماء کے پاس قابل قبول نہ ہوا۔ اس کے باوجود افکار دینی کے نقطۂ نظر سے اگر انصاف کیا جائے تو یہ تفسیر ایک انقلاب آفرین تفسیر ثابت ہوگی۔

سر سید احمد خان کے ترجمہ اور تفسیر کی زبان نہایت مربوط ہے۔ اس میں مذہبی وعلمی اصطلاحات کی وہ بھر مار نہیں جو عام طور پر کلاسیکل تفسیروں کی خصوصیت بن چکی تھی۔ آخر میں سر سید کی اس تفسیر پر علامہ شبلی نعمانی نے جو رائے پیش کی تھی اس کا کچھ حصہ پیش ہے۔

زمانہ جانتا ہے کہ مجھ کو سر سید کے مذہبی مسائل سے سخت اختلاف تھا اور میں ان کے بہت سے عقائد اور خیالات کو غلط سمجھتا تھا تاہم اس سے مجھے کبھی انکار نہ سکا کہ ان مسائل کو سر سید نے جس طرح اردو زبان میں ادا کیا ہے کوئی اور شخص ادا نہیں کرسکتا۔ ۴۵

کتابیات:

۱۔ محمد سلیم قدوائی، علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علماء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۱۹۹۱ء، ص ۔ ۲۷

۲۔ ایضاً، ص ۔ ۲۸

۳۔ ایضاً، ص ۲۹

۴۔ ایضاً، ص ۲۹

۵۔ ایضاً، ص ۲۹

۶۔ ایضاً، ص ۳۰

۷۔ ایضاً، ص ۳۰

۸۔ مرزا مظہر جان جاناں کا اصل نام مرزا جان جاناں اور مظہر کا تخلص تھا۔ ان کے باپ کا نام مرزا جان تھا۔ ۱۶۹۹ء میں وہ کالا باغ علاقے میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ تین برس تک مدرسوں، اور خانقاہوں میں زندگی بسر کی۔ وہ بڑے صوفی

منش شخص تھے اور ایک اعلیٰ درجے کے اردو ادب کے مشہور تھے۔ ۱۷۷۰ء میں وہ وفات پا چکے تھے ملا حظہ ہو۔ ڈاکٹر سید اعجاز حسین۔مختصر تاریخ ادب اردو دہلی اور کتاب گھر ۱۹۶۴ء،ص۔ ۵۳

۹۔محمد سلیم قدوائی ، مذکورہ بالا ،ص۔ ۳۱،۳۰

۱۰۔ ایضاً ،ص ۔ ۳۱،۳۰

۱۱۔ ایضاً ،ص ۔ ۳۱۔ ۳۰

۱۲۔ایضاً،ص۔ ۳۵

۱۳۔ایضاً،ص۔ ۳۶

۱۴۔ایضاً،ص ۔ ۳۶

۱۵۔ ایضاً ،ص۔ ۳۶

۱۶۔ شاہ ولی اللہ ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے یہ زمانہ مذہبی علمی اصلاح اور تجدید کا زمانہ تھا۔ شاہ ولی اللہ کے والد کا نام شاہ عبد الرحیم تھا۔ شاہ ولی اللہ نے شاہ عبد الرحیم کے گھر ہی میں تعلیم پاتی تھی شاہ ولی اللہ کے تین بیٹے تھے اور تینوں مفسرین کی حیثیت سے مشہور تھے۔ ملاحظہ ہو شیخ محمد اکرم ردو کوثر دہلی: ادبی دنیا ۱۹۹۱ء،ص۔ ۵۳۴۔۵۳۸

۱۷۔ سید سلیمان ندوی بھارت کے ضلع پٹنہ میں ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے وہ عربی اور فارسی کے جید عالم تھے علامہ شبلی نعمانی کے خاص شاگرد تھے۔ اس کے علاوہ وہ اردو لسانیات کے ایک زبردست ادیب تھے تقسیم ملک کے بعد وہ پاکستان چلے گئے تھے اور وہیں ۱۹۵۳ء انتقال فرمایا ارض القرآن ، حیات شبلی رحمت عالم وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں ملاحظہ ہو عظیم الحق جتیدی ، اردو کی تاریخ علی گڑھ ایجوکیشنل بک ہاؤس ۱۹۹۴،ص۔ ۲۶۱

۱۹۔شاہ رفیع الدین مولانا شاہ ولی اللہ کے دوسرے صاحب زادے ہیں وہ بھی باپ کی طرح نہایت جید عالم تھے۔ ان کا دوسرا بڑا کارنامہ موضح القرآن ہے۔

ملاحظہ ہو رام بابو سکسینہ، مترجم تاریخ ادب اردو لکھنؤ : نول کشور پریس ۱۹۲۹ء،ص ۔۱۶ حصۂ نثر

۲۰۔محمد سلیم قدوائی ، مذکورہ بالا،ص۔ ۳۷

۲۱۔ ایضاً ،ص ۔ ۳۷

۲۲۔ایضاً ،ص ۔ ۳۷۔۳۸

۲۳۔فورٹ ولیم کالج ایسٹ انڈیا۔ کمپنی کا ایک تعلیم گاہ۔ یہ کالج ۱۰ جولائی۔ ۱۸۰۰ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کالج کے قیام کا مقصد انگریز افسروں کو ہندوستانی زبان سکھانا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات ، لکھنؤ ۔ نصرت پبلی کیشنز۔ ۱۹۸۳ ئص۔ ۱۳

۲۴۔میر بہادر علی حسینی فورٹ ولیم کالج کے میر منشی تھے ان کی مشہور کتاب'' اخلاق ہندی'' ہے ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم مذکورہ بالا ۴۷۹۔۴۷۸

۲۵۔کاظم علی جوان دہلی کے باشندے تھے اور لکھنو یں رہتے تھے ۱۸۰۰ء میں وہ کلکتہ آئے اور فورٹ ولیم کالج میں

منسلک ہوگئے تھے۔ ترجمے ''تاریخ فرشتہ اور شکنتلا ناٹک ان کی مشہور تصانیف ہے۔ ملاحظہ ہو عظیم الحق جنید ، مذکورہ بالا ص۔ ۱۹۴۔ ۱۹۰

۲۶۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم ، مذکورہ بالا۔ص ۔ ۴۳۳

۲۷۔ایضاً ۔ص ۔۴۳۹

۲۸۔ڈپٹی نذیر احمد دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے وہ ایک اعلیٰ درجہ کے زباں داں ، مترجم ، مقرر ، عالم دین اور ناول نگار کی حیثیت سے مشہور تھے ملاحظہ ہو ڈاکٹر سید عبد اللہ، سید عبد اللہ ، سر سید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء اسلام آباد قومی زبان پریس۔ ۱۹۸۶ء،ص ۲۰۵

۲۹۔محمد سلیم قدوائی مذکورہ بالا۔ص ۔۳۹

۳۰۔ایضاً ،ص۔۳۹۔ ۱۳۳۔ ۱۳۲

۳۱۔خواجہ الطاف حسین حالی ، حیات جاوید ، لاہور اکاڈیمی۔ ۱۹۵۷ء جلد دوم ،ص ۵۵

۳۲۔سر سید احمد خان۔ التحریر فی اصول التفسیر لاہور ناول کشور اسٹیم پریس ۱۹۱۳ء،ص ۔ ۱۹

۳۳۔سلیم قدوائی مذکورہ بالا ،ص ۱۳۴

۳۴۔مولانا اسماعیل پانی پتی۔ ، مرتبہ مقالات سر سید، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء جلد دوم،ص۔ ۲۰۹

۳۵۔ سر سید احمد خان ، مذکورہ بالا،ص ۔ ۶

۳۶۔ ڈاکٹر مشتاق احمد، سر سید کی نثری خدمات ،علی گڑھ ایجوکیشنل بک ہاؤس ۱۹۹۳،ص۔ ۱۰۰

۳۷۔ایضاً ،ص ۱۰۰

۳۸۔ ملاحظہ ہو سر سید احمد خان۔تفسیر القرآن ، لاہور : ناول کشور پریس تاریخ ندارد۔ حصہ اول

۳۹۔ ملاحظہ ہو، سر سید احمد خان ،تفسیر القرآن جلد سوم ،ص ۔ ۱

۴۰۔ ملاحظہ ہو سر سید احمد خان،تفسیر القرآن جلد سوم ،ص۔ ۱

۴۱۔ملاحظہ ہو سر سید احمد خان۔تسیر القرآن جلد چہارم ،ص۔ ۱

۴۲۔ ملاحظہ ہو سر سید احمد خان۔تفسیر القرآن جلد پنجم ،ص۔ ۱

۴۳۔ملاحظہ ہو سر سید احمد خان ،تفسیر القرآن جلد ششم ،ص۔۱

۴۴۔ڈاکٹر مشتاق احمد ، مذکورہ بالا،ص۔ ۱۰۱۔ ۱۰۰

۴۵۔ایضاً ،ص ۔۱۰۱۔۱۰۰۔ اور شبلی نعمانی ، مقالات شبلی ، اعظم گڑھ: معارف پریس ، جلد دوم ۔ ۱۹۳۸۔ص ۶۴

ہندوستان میں ادب نہج البلاغہ کا فروغ

ایک جائزہ

ڈاکٹر سید حسنین اختر
لیکچرر شعبۂ عربی و فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی الٰہ آباد

عربی ادب میں قرآن، فصاحت و بلاغت کا ارفع و اعلیٰ نمونہ ہے۔ قرآن کے بعد حدیث رسول اکرمؐ میں ہمیں اس کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ قرآن و حدیث کے بعد امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا کلام ہے جو ان دونوں سرچشموں سے کما حقہ فیض یاب ہوئے۔ تمام علماء عرب و عجم اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اکرمؐ کے بعد علیؑ بن ابی طالب افصح العرب اور امام البلاغہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کا کلام آپ کی حیات طیبہ میں ہی آپ کے اصحاب نے جمع کرنا شروع کردیا تھا تاکہ آنے والی نسلیں اس دریائے علم سے سیراب ہوسکیں۔ آپؑ کی زندگی میں جن اصحاب نے آپؑ کے کلام کی تدوین کی اُن میں ابورافع[۱] الحارث الاعور الہمدانی[۲] الاصبغ بن نباتہ التمیمی[۳] اور زید بن وہب الجہنی[۴] وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

امیرؑ المومنین کے کلام کی مقبولیت کا اندازہ مشہور مورخ مسعودی[۵] کے اس قول سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ قریب ۴۸۰ خطبات علیؑ عوام میں متداول تھے جو آپ نے فی البدیہ ارشاد فرمائے۔[۶] انہی جواہر پاروں کو سید شریف رضی (متوفی ۴۰۶ھ) نے ۴۰۰ھ میں کتابی صورت میں جمع کیا اور اُن کی علمی و ادبی اہمیت کے پیش نظر کتاب کا نام نہج البلاغہ رکھا۔

جیسے ہی نہج البلاغہ معرض وجود میں آئی علماء نے اس کی طرف توجہ کی۔ لیکن ایک طبقہ نے اس کے استناد پر شکوک و شبہات کا اظہار بھی کیا مگر یہ بات قابل ذکر ہے کہ ڈھائی سو سا سال تک نہج البلاغہ کے استناد پر کوئی اعتراض سامنے نہیں آیا۔ سب سے پہلے جس شخص نے اس پر اعتراض کیا وہ ابن خلکان تھا جس کا سن وفات ۶۷۱ھ ہے۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب ''وفیات الاعیان'' میں نہج البلاغہ کو شریف رضی کے بڑے بھائی سید شریف مرتضیٰ کی تالیف بتاتے ہوئے اس کے استناد پر شک کا اظہار کیا۔[۷] اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان شکوک و شبہات میں غالباً ایک طرف تو بعض شک

کرنے والوں کی کم علمی کا دخل تھا تو دوسری جانب بعض لوگوں کی تنگ نظری اس کتاب کی امیرؑ المومنین کی طرف نسبت کو صحیح ماننے میں حائل تھی۔ لیکن ان تمام شکوک وشبہات کو جس چیز نے سب سے زیادہ تقویت پہونچائی وہ سید رضی کا اس میں حوالوں کا التزام نہ رکھنا تھا۔ اس کی ضرورت انہوں نے شاید اس لئے محسوس نہ کی ہو کہ، جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، امیرالمومنینؑ کے خطبات عام و متداول تھے اور عربی ادب و تاریخ کی کتابوں میں مذکور تھے۔ چنانچہ علماء کے دوسرے طبقہ نے اس کتاب کی امیرؑ المومنین کی طرف نسبت کو دلائل و براہین کے ذریعہ صحیح ٹھہرایا۔ اس طرح یہ کتاب اہل علم و ادب کے درمیان ایک علمی بحث کا موضوع بن گئی لہٰذا بلا تفریق مذہب و مسلک متعدد لوگوں نے اس کی شرحیں لکھیں اور اس کے مختلف ابعاد پر مقالات تحریر کرکے عوام کو اس کی اہمیت سے روشناس کرایا جو سلسلہ آج تک جاری ہے۔

ہندوستان ہمیشہ سے ہی مختلف قوموں اور ادیان کا گہوارہ رہا ہے۔ مسلمانوں کی اس سرزمین پر آمد کا سلسلہ قرن اول سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ اُن کی علمی و ادبی سرگرمیاں اُن کے سندھ میں بسنے کے ساتھ ساتھ ہی شروع ہوگئیں۔ مسلمانوں کی علمی و ادبی سرگرمیاں صرف شعر و ادب، فقہ، حدیث، تفسیر اور تاریخ تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ انہوں نے طب، علم ہندسہ اور منطق و فلسفہ پر بھی زبردست کام کیا۔ عربی وفارسی کتابوں کی تفسیر وتشریح اور مختلف ہندوستانی زبانوں میں اُن کے تراجم کئے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد سرزمین ہند نے بھی علوم اسلامیہ کے فروغ میں مرکزیت حاصل کرلی اور بڑے بڑے علماء پیدا کیے جنہوں نے علم کے دریا بہا کر پیاسوں کو سیراب کیا۔

جہاں تک نہج البلاغہ اور اُس کے علوم کی ترویج و اشاعت کا تعلق ہے تو ہماری معلومات کے مطابق ہندوستان میں یہ سلسلہ گیارہویں صدی ہجری میں شروع ہوتا ہے۔ ابتداء سے لے کر چودہویں صدی ہجری تک یہ کام کتاب کے تراجم اور تفسیری حواشی تک محدود رہا۔ مزید برآں اِن میں بعض علماء کے کام کی نوعیت صرف ایک یا دو خطبہ کی شرح تک ہی محدود رہی۔ اس سلسلے میں خاص طور پر اکثر لوگوں نے نہج البلاغہ کے مشہور خطبہ شقشقیہ کی شرح کی۔ نہج البلاغہ سے متعلق دیگر موضوعات پر چودہویں صدی کے علماء نے کام شروع کیا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ یہاں ہم اُن شخصیات کا ذکر تاریخی اعتبار سے کرنا چاہیں گے جنہوں نے مختلف ادوار میں ہندوستان میں رہتے ہوئے علوم نہج البلاغہ کے فروغ میں حصہ لیا۔ ان میں کچھ علماء وہ ہیں جن کی کتابیں دست برد زمانہ کا شکار ہوگئیں اور

آج دستیاب نہیں ہیں لیکن اُن کا ذکر تذکروں میں ضرور ملتا ہے۔ ہم یہاں یہ بھی واضح کرنا چاہیں گے کہ ہندوستان سے ہماری مراد غیر منقسم ہندوستان ہے یعنی برصغیر ۔ اگر چہ ۱۹۴۷ء میں برصغیر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا، لیکن سیاسی سرحدوں کی تقسیم کے باوجود، خطّہ کی تہذیب و ثقافت تقسیم نہ ہوسکی۔ چنانچہ یہ تہذیبی و ثقافتی یکسانیت اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم سرحد کے اُس پار کا بھی ذکر کریں۔ لیکن ہمیں یہ بھی اعتراف ہے کہ ہم وہاں کی علمی و ادبی سرگرمیوں سے کما حقہ واقف نہیں۔ اس کا واحد سبب وہ سیاسی حد بندیاں اور ہتھکنڈے ہیں جن کا برصغیر شکار ہو رہا ہے۔ بہرحال ہم نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ اس موضوع پر پاکستانی اسکالرس کی قلمی کاوشوں کا بھی ذکر کیا جائے۔

۱۔ تاریخی اعتبار سے اس موضوع پر کام کرنے والے ہندوستانی علماء میں سب سے پہلے ہم شیخ حسین بن شہاب الدین خاندار بن حسین الآملی الکرکی (متوفی ۱۰۷۶ھ) کا نام لے سکتے ہیں۔[۸] جن کا شمار گیارہویں صدی ہجری کے مقتدر علماء میں ہوتا ہے۔ آپ نے نہج البلاغہ کی ایک بسیط شرح لکھی۔ شیخ حسین اپنے عہد کے عالم و فاضل اور ادیب و شاعر تھے۔ اس کے علاوہ طب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شیخ حُرالآملی کے معاصرین میں سے تھے۔ ۱۰۱۴ھ کے قریب پیدا ہوئے، اصلاً عرب تھے کرکک وطن تھا، مگر مدت تک ایران و دکن میں رہے، دکن میں عبداللہ قطب[۹] شاہ کے دور میں اصفہان سے حیدرآباد منتقل ہوگئے، جہاں عرب وعجم کے علماء عزت و احترام کی زندگی بسر کررہے تھے، تصنیف و تالیف کی قدر تھی وہیں چونسٹھ سال کی عمر میں ۱۹ صفر ۱۰۷۶ھ کو وفات پائی۔ آپ کی تصانیف میں شرح کبیر برنہج البلاغہ کے علاوہ عقود الدرر فی حل اثبات المطول والمختصر، کتاب کبیر و کتاب صغیر در طب، کتاب ہدایۃ الابرار در اصول دین اور دیوان اشعار عربی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[۱۰]

۲۔ بارہویں صدی ہجری کے علماء میں ایک اہم نام شیخ علی حزیں کا ہے۔ حزیں کا شمار اپنے دور کے جید علماء اور فارسی زبان کے اہم شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کا پورا نام محمد علی بن ابی طالب تھا جو شیخ علی حزین کے نام سے مشہور ہوئے۔ اصفہان میں پیدا ہوئے۔ ایران، عراق، حجاز اور ہندوستان وغیرہ کے متعدد شہروں کا سفر کیا اور مختلف مذاہب و افکار کا مطالعہ کیا۔ اس دور کے سیاسی و سماجی ہنگاموں اور شورش سے بیزار ہوکر گوشہ نشینی کی طرف راغب ہوئے۔ چنانچہ بنارس کو اپنا مسکن قرار دیا، جہاں فاطمان نامی عزا خانہ بنایا جو آج بھی بنارس میں مراسم عزاء کا مرکز ہے۔ ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء کو رحلت کی اور فاطمان میں دفن ہوئے۔ شیخ علی حزیں سادہ بیان، بلیغ

الکلام اور نفیس اسلوب نگارش رکھتے تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تاریخ، ادب ومنطق وفلسفہ وغیرہ پر متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں جن کی تعداد سینکڑوں تک پہونچتی ہے۔ انہی تصانیف میں نہج البلاغہ کے بعض خطبات کی فارسی زبان میں شرح بھی ہے۔[۱۱]

۳۔ تیرہویں صدی کے اواسط و اواخر میں علماء کی ایک کثیر تعداد نے اس موضوع پر کام کیا، لیکن اکثر علمی کاوشیں نہج البلاغہ کے تراجم یا اس کے مختلف خطبات کی شرح تک ہی محدود رہیں۔ اس دور کے جن علماء نے نہج البلاغہ کی تبلیغ و اشاعت میں حصہ لیا اُن میں مفتی میر محمد عباس التستری (متوفی ۱۳۰۶ھ) کا نام نامی سرفہرست ہے۔ مفتی صاحب کا شمار ہندوستان کے مقتدر علماء میں ہوتا ہے، آپ برصغیر کے اُن علماء میں ہیں جن کی جامعیت وعلمیت مسلّم ہے۔ اُن کی تالیفات ہمہ گیر اور بے حد وقیع ہیں۔ مرتضیٰ حسین فاضل کے مطابق آپ کی ڈیڑھ سو سے زیادہ کتابیں مطبوعہ ہیں اور اُس سے زیادہ غیر مطبوعہ [۱۲]۔ تذکرۂ بے بہاء میں آپ کی سو سے زیادہ کتابوں کے نام درج ہیں [۱۳]۔ صاحب الذریعۂ کے مطابق آپ نے نہج البلاغہ کے مشہور خطبہ شقشقیہ کی فارسی شرح نواب معتمدالدولہ مختار الملک سید محمد خاں ضیغم جنگ کی خواہش پر فرمائی جو ۱۲۸۷ھ میں شائع ہوئی۔ نسخے کے حواشی پر آپ کی عربی میں تعلیقات بھی ہیں۔[۱۴]

جناب مفتی صاحب طاب ثراہ کے علاوہ اس عہد میں مندرجہ ذیل حضرات نے بھی اپنی تحریری کاوشوں کے ذریعہ نہج البلاغہ کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا۔

۴۔ راجہ امداد علی خاں بن رحمان بخش (متوفی ۱۲۹۲ھ) نے خطبہ شقشقیہ کی شرح کی۔ امداد علی خاں کشور میں پیدا ہوئے۔ کشور اور لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ مذکورہ شرح کے علاوہ آپ کی تصانیف میں قرآن مجید کی تفسیر اور مقامات حریری کی شرح بھی ہے۔[۱۵]

۵۔ تاج العلماء مولانا سید علی محمد بن سلطان العلماء مولانا سید محمد بن آیت اللہ غفرانمآب علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۱۲ھ) نے بھی اردو میں خطبہ شقشقیہ کی شرح فرمائی۔ آپ کا شمار اپنے دور کے جید علماء میں ہوتا ہے۔ آپ اردو، عربی و فارسی کے علاوہ عبرانی زبان میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اردو میں لکھنا زیادہ پسند فرمایا چنانچہ آپ کی اکثر تصانیف اردو زبان میں ہیں۔ مذکورہ بالا شرح کے علاوہ قرآن مجید کا مع حواشی اردو میں ترجمہ کیا اور بعض سورتوں کی تفسیر بھی قلم بند فرمائی۔ آپ اردو اور عربی میں شعر بھی کہا کرتے تھے چنانچہ ایک عربی دیوان زاد

قلیل کے نام سے آپ کی یادگار ہے ۔۱۶؎

۶۔ تاج العلماء کے ایک شاگرد نواب زوار علی خاں رئیس حسین آباد ضلع مونگیر بہار (متوفی ۱۳۲۵ھ) نے بھی نہج البلاغہ کی ایک شرح اردو میں تحریر فرمائی جس میں ابن ابی الحدید کی اغلاط پر تفصیل سے بحث ہے۔ حالانکہ آپ ایک ریاست کے امیر تھے مگر علم سے شغف تھا، عربی و فارسی میں شعر گوئی بھی فرماتے تھے چنانچہ اس شرح کے علاوہ آپ کی تصانیف میں عربی و فارسی کے شعری دیوان بھی ہیں۔۱۷؎

۷۔ سلطان العلماء مولانا سید محمد کے بڑے فرزند اور تاج العلماء کے برادر بزرگ مولانا سید علی اکبر (متوفی ۱۳۲۷ھ) علوم رسمیہ کے فارغ التحصیل تھے۔ ڈپٹی کلکٹر اور منصف رہے، تصنیف و تالیف سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ اُن کی تصانیف میں خطبہ شقشقیہ کی شرح التوضیحات الحقیقیۃ کے نام سے ملتی ہے۔ ۱۸؎ مرتضیٰ حسین فاضل کے مطابق اُن کی دوسری تصنیف اسرار حکمت خطبۂ تملیہ و طاؤسیہ کے ترجمہ پر مشتمل ہے ۔۱۹؎

۸۔ گذشتہ دور کی طرح تیرہویں صدی کے اواخر اور چودھویں صدی کے اوائل سے تعلق رکھنے والے علماء کی ایک بڑی تعداد نے بھی اس موضوع پر کام کیا۔ اس دور کی ایک خاص بات یہ رہی کہ اردو کے علاوہ دو دیگر ہندوستانی زبانوں کو بھی ادب نہج البلاغہ سے مزین کیا گیا۔ نواب میر محمد حسن علی خاں خیر پوری نے سندھی زبان میں نہج کا منظوم ترجمہ کیا۔ نواب میر محمد حسن علی خاں ابن میر محمد نصیر خاں نوابین خیر پور میں تھے، ۱۲۴۰ھ میں حیدرآباد کے قلعہ میں پیدا ہوئے اور ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ میں اپنے وطن میں انتقال کیا اور حرم امامؑ مظلوم کربلائے معلیٰ میں ۱۳۳۰ھ میں تدفین ہوئی۔ آپ نے فارسی اور سندھی زبان میں تصنیف و تالیف کا کام کیا۔۲۰؎

۹۔ دوسرا ترجمہ اور شرح گجراتی زبان میں مولوی غلام علی بھاؤنگری کا ہے۔ صاحب الذریعہ نے انہیں اپنا معاصر لکھا ہے اُن ہی کے مطابق ان کے اس ترجمہ کا دوسو صفحات پر مشتمل جزء اوّل شائع ہو چکا ہے۔ مزید برآں اُن کی گجراتی زبان میں دیگر تصانیف کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ آغا بزرگ لکھتے ہیں کہ مولوی غلام علی بن اسماعیل ۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۵۲ھ کے آس پاس زیارات عتبات عالیات سے مشرف ہوکر کراچی لوٹے جہاں انہوں نے گجراتی زبان میں ایک مجلّہ راہ نجات کے نام سے جاری کیا اور ۱۳۶۷ھ کے قریب کراچی میں وفات پائی۔۲۱؎ مولانا مرتضیٰ حسین

فاضل نے مطلع انوار میں ایک حاجی غلام علی بن حاجی اسماعیل کاٹھیاواڑی کا ذکر کیا ہے۔ جس میں اُن کی تاریخ ولادت ۱۲۸۰ھ کے آس پاس اور تاریخ وفات ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ھ درج کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں، ''حاجی غلام علی بن حاجی اسماعیل کاٹھیاواڑ گجرات کے مبلغ وخطیب وادیب ومصنف تھے وہ کسی مدرسہ سے پڑھ کر تو نہیں نکلے مگر خواجہ اثنا عشری جماعت کے مذہبی امور کے سربراہ ضرور رہے۔ غلام علی پرہیزگار خوش اخلاق، خوش لہجہ اور بااثر بزرگ تھے۔ انہوں نے اصول دین وفروغ دین و اخلاق پر متعدد کتابیں لکھیں ۔۲۲ لگتا ہے یہ وہی غلام علی ہیں جن کا الذریعہ میں ذکر ہوا۔ لیکن تعجب ہے کراچی میں اُن کی سکونت ہونے کے باوجود مرتضیٰ حسین صاحب نے اُن کا ذکر اتنے مختصر الفاظ میں کیا اور اُن کی کتابوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

مذکورہ بالا دو حضرات کے علاوہ اسی دور میں درج ذیل علماء کرام نے بھی نہج البلاغہ کی شرح وترجمہ کا کام انجام دیا۔

۱۰۔ مولانا سید احمد حسین امروہوی بن سید رحیم علی المتوفی ۱۳۲۸ھ کی اردو میں ایک نامکمل شرح کا ذکر مختلف تذکروں میں ملتا ہے۔ ۲۳ آپ مفتی میر عباس صاحب قبلہ کے شاگردوں میں سے تھے۔

۱۱۔ مولانا مولوی محمد حسین لکھنوی ابن مولانا سید حسین زیدی بارہوی المتوفی ۱۳۳۷ھ اپنے وقت کے جیّد علماء میں شمار کیے جاتے تھے، علماء عراق نے محقق ہندی کے خطاب سے نوازا۔ صاحب تذکرہ بے بہاء کے مطابق آپ نے نہج البلاغہ کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔ ۲۴

۱۲۔ حجۃ الاسلام مولانا سید اولاد حسن امروہوی بن مولانا سید محمد حسن صاحب قبلہ (پیدائش ۱۲۶۸ھ وفات ۳۰ رجب ۱۳۳۸ھ) جناب مفتی میر عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ کے خاص تلامذہ میں سے تھے جن کا اپنے دور کے علماء کبار میں شمار ہوتا ہے، امروہہ کے امام جمعہ والجماعت تھے۔ آپ کی دیگر تصانیف کے ساتھ الاشاعہ کے نام سے اردو زبان میں بہت عمدہ اور سلیس شرح بھی ہے۔ علم میراث میں آپ کو یدطولی تھا نیز آپ بہت عمدہ شاعر بھی تھے چنانچہ آپ کے سلام وقصائد کے علاوہ میراث کے کل مسائل پر تقریباً چودہ سو (۱۴۰۰) غیر مطبوعہ رباعیاں بھی ہیں جن کی تدوین وترتیب کا کام آپ کے پرپوتے مولانا ڈاکٹر احسن اختر سلمہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

۱۳۔ مولانا محمد اعجاز حسن بدایونی ابن مولانا جعفر حسن ابن مولانا علی حسین (پیدائش-۱۲۹۸ وفات ۱۳۵۰ھ) کی مطبوعہ تصانیف میں ''حل لغات نہج البلاغہ'' کے عنوان سے نہج البلاغہ کی لغوی

شرح بھی ملتی ہے جس میں آپ نے نہج کے مشکل الفاظ کی شرح فرمائی ہے۔ ۲۵ آپ حضرت محمد بن ابی بکر کے اخلاف میں سے تھے۔

۱۴۔ فخر الحکماء مولانا سید اظہر ابن مولانا سید حسن ماہنامہ اصلاح کے سبب ہندوستان میں شیعی صحافت کی تاریخ میں ایک اہم مقام کے حامل ہیں۔ آپ رمضان ۱۲۷۷ھ کو کھجوا ضلع سارن بہار میں پیدا ہوئے اور ۱۲/ شعبان ۱۳۵۲ھ کو رحلت فرمائی۔ آپ نے ۱۳۱۵ھ میں ماہنامہ اصلاح جاری کیا جسے آپ کے صاحبزادے مولانا سید علی حیدر اور اُن کے بعد مولانا محمد باقر نے اس طرح فروغ دیا کہ ادارہ اصلاح برصغیر کی اسلامی صحافت میں ایک اہم مقام کا حامل ہوگیا اور آپ حضرات نے اصلاح کے ذریعہ دین اسلام کی وہ زبردست خدمات انجام دیں جو ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ مولانا علی اظہر نے اصلاح کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو زبان میں تقریباً ۲۵ تصانیف اپنی یادگار کے طور پر چھوڑیں ان میں ایک نہج البلاغہ کا اردو ترجمہ بھی ہے۔ ۲۶ کتاب کے حواشی پر آپ کی شرحی تعلقات بھی ہیں۔ آپ کا یہ ترجمہ رسالہ ''الکلام'' میں بھی شائع ہوا۔ ۲۷

۱۵۔ مولانا سید سبط حسن ابن مولانا سید وارث حسین جائسی (پیدائش ۱۲۹۶ھ وفات ۲۸ محرم ۱۳۵۴ھ) اپنے وقت کے جید علماء و ذاکرین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ نے نہج البلاغہ کے ایک مختصر سے خطبہ کی شرح فرمائی ہے۔ ۲۸ یہ خطبہ، جس کا پہلا جملہ اس طرح ہے ''لِلّٰهِ بَلاَءُ (أوبلاد) فلانٍ فقد قوّم الأوَدَ...'' نہج البلاغہ کے مختصر ترین خطبات میں سے ہے۔ ابن ابی الحدید نے اس خطبہ کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ یہاں ''فلاں'' سے مراد حضرت عمر ہیں۔ چنانچہ یہ شرح تاریخی شواہد اور دوسرے شارحین کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے ابن ابی الحدید کے اس قول کے رد میں عربی زبان میں لکھی گئی ہے اور خطبہ کے پہلے جملے میں وارد ہوئے الفاظ کی مناسبت سے اس کا نام ''تقويم الأود فی مداواة العمد'' ہے۔

۱۶۔ ظہیر الملّت مولانا سید ظہور حسین ابن سید زندہ علی (پیدائش ۱۲۸۲ھ وفات ۱۳۵۷ھ) اپنے دور کے علماء کبار میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مرتضیٰ حسین فاضل کے مطابق آپ کے عربی زبان میں نہج البلاغہ پر مطبوعہ کتابی شکل میں حواشی ہیں۔ ۲۹

۱۷۔ مولانا سید وارث حسن جائسی کے چھوٹے صاحبزادے سید ظفر مہدی گہر جائسی (وفات ۱۳۶۰ھ) نے بھی نہج البلاغہ کی اردو شرح ''سلسبیل فصاحت'' کے نام سے شروع کی تھی لیکن

عمر نے وفانہ کی اور شرح نامکمل رہی۔ اس شرح کا پہلا حصہ راجہ صاحب محمود آباد نے بڑی نفاست و اہتمام سے شائع کرایا۔ ۳۰

اب ہم چودھویں صدی ہجری کے اواسط سے لیکر موجودہ دور تک نہج البلاغہ سے متعلق برصغیر میں جو علمی کاوشیں منظر عام پر آئیں اُن کا ایک اجمالی جائزہ پیش کرنا چاہیں گے۔ اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ علما دین کے علاوہ دیگر علماء و دانشوروں نے بھی اس طرف توجہ فرمائی اور نہج البلاغہ کی تعلیمات کو جدید علوم کے تناظر میں دیکھا نیز نئے زمانے کے تقاضوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے نہج البلاغہ کے مخفی خزانہ کی بازیافت کی کوشش کی۔ مزید برآں بعض حضرات نے نہج البلاغہ کے دیگر پہلوؤں مثلاً استناد وادبی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی۔ یہاں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اس دور میں حالانکہ اکثر کام اردو زبان میں ہوا لیکن بعض لوگوں نے انگریزی زبان میں بھی قلمی کاوشیں انجام دیں۔ لہٰذا ہم یہاں موجودہ دور میں نہج البلاغہ پر کام کرنے والے حضرات کو دوطبقوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

ایک طبقہ وہ ہے کہ جس نے نہج البلاغہ کے ترجمہ وشرح کا کام کیا۔ اس زمرہ میں مندرجہ ذیل حضرات کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔

۱۸۔سید ذاکرحسین اختر دہلوی یا بریلوی (پیدائش ۱۳۱۵ھ وفات ۱۳۷۲ھ) نے نہج البلاغہ کا اردو میں آزاد ترجمہ کیا جو نیرنگ فصاحت کے نام سے مطبع یوسفی دہلی سے شائع ہوا۔ آپ کا یہ ترجمہ عوام میں کافی مشہور ہوا لیکن اس ترجمہ کی خامی یہ ہے کہ آزاد ترجمہ ہونے کے سبب بعض مقامات پر متن کے اصل مفاہیم سے بھی آزاد ہوگیا ہے۔

۱۹۔مولانا سید علی حیدر کھجوی (پیدائش ۱۳۰۳ھ وفات ۱۳۸۰ھ)

مولانا سید علی اظہر، کے فرزند اور لائق جانشین تھے جنہوں نے اپنے والد کے علمی و دینی مشن کو اصلاح اور دیگر علمی رسالوں کے ذریعہ آگے بڑھایا۔ آپ نے نہج البلاغہ کے ۱۰۷ خطبات کا اردو ترجمہ اور شرح کی جو شروع میں تو رسالہ الکلام میں قسط وار شائع ہوئی پھر بعد میں کتابی شکل میں بھی سامنے آئی۔ مولانا علی حیدر نے اس ترجمہ کے علاوہ متعدد وقیع کتابوں کے اردو میں تراجم کئے جن میں قرآن مجید کا نا تمام ترجمہ وتفسیر اور احقاق الحق کا ترجمہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ تقریبا بیس مطبوعہ کتابیں آپ کی یادگار ہیں،(۳۱)۔

۲۰۔ مولانا سید خورشید حسن امروہوی بن سید اکبر حسین (پیدائش ۱۳۱۱ھ وفات ۱۳۸۸ھ)

نجم الملّت مولانا سید نجم الحسن قبلہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ نے اردو زبان میں نہج البلاغہ کی شرح تحریر فرمائی۔ اس شرح کے علاوہ نجم الزائر اور جوامع الکلم کا ترجمہ بھی طبع شدہ ہیں۔ ۳۲

۲۱۔ سید رئیس احمد جعفری ندوی (پیدائش ۱۹۱۴ء وفات ۱۹۶۸ء)

اس وقت میرے سامنے شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور سے چھپا ہوا ترجمہ نہج البلاغہ ہے اس ترجمہ کی کئی خوبیاں ہیں، پہلی خوبی یہ ہے کہ یہ صرف ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس میں شرح کے ساتھ نہج البلاغہ سے متعلق برصغیر کے چند ممتاز علماء کے مضامین بھی شامل ہیں مثلاً مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری کا گرانقدر مقالہ استناد نہج البلاغہ مرتضٰی حسین فاضل کے دو اہم مقالے، نہج البلاغہ کا مطالعہ اور کلام علی کا عربی ادب پر اثر محمود حسن قیصر امروہوی کے دو تحقیقی اعتبار سے وقیع مقالے رجال نہج البلاغہ اور جامعین کلام امیر المومنین اس میں شامل ہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ یہ ترجمہ برصغیر کے تین ممتاز عربی داں حضرات یعنی رئیس احمد جعفری ندوی، عبدالرزاق ملیح آبادی اور مرتضٰی حسین فاضل نے کیا ہے۔ رئیس احمد جعفری نے خطبات کا ترجمہ کیا ہے، جبکہ مکتوبات اور اقوال امیرؑ المومنین کا ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی اور مرتضٰی حسین فاضل نے بالترتیب کیا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ اوّل الذکر دونوں حضرات کی آراء بھی بطور مقدمہ شامل کتاب ہیں۔

رئیس احمد جعفری ندوی کا شمار جدید دور کے اردو نقادوں میں ہوتا ہے، وہ اردو عربی اور فارسی کے زبردست عالم تھے، انہوں نے لکھنؤ کے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی۔ رئیس احمد جعفری نے کتاب ہذا میں شذرات کے عنوان سے ایک بہت وقیع مقدمہ لکھا ہے جس میں انہوں نے کلام امام کی خصوصیات کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ نہج البلاغہ کے استناد کے بارے میں وہ لکھتے ہیں ''جو لوگ ان خطبات کو جعلی یا الحاقی سمجھتے ہیں اُن کی رائے میرے نزدیک صحیح نہیں چونکہ موافقت و مخالفت میں بہت کچھ کہا جاچکا ہے، اس لئے کسی دلیل کے دہرانے کی ضرورت نہیں''۔ ۳۳

اسی سلسلے میں خطبہ شقشقیہ کی شرح کے آخر میں لکھتے ہیں کہ اُمیر المومنین نے اس خطبہ میں اُن نامساعد حالات کا ذکر فرمایا ہے جو انہیں درپیش رہے اور اس استحقاق کا ذکر کیا ہے جسے تسلیم نہیں کیا گیا اور یہ سب تلخ باتیں ہیں لیکن اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں ملے گا جو حد اعتدال سے متجاوز ہو، کہیں بھی ایسی کوئی بات نظر نہیں آئے گی جس کی تصدیق تاریخ سے نہ ہوتی ہو۔ ۳۴

جہاں تک ترجمہ کا تعلق ہے تو حتی الامکان یہ ترجمہ لفظی کیا گیا ہے اور جہاں لفظ کے ترجمہ سے مطلب واضح نہ ہوسکا وہاں قوسین میں تشریحی الفاظ کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں خطبات میں شہروں و مقامات و واقعات کا ذکر ہے، وہاں اُن کی وضاحت بھی کردی گئی ہے۔ ترجمہ کل ملا کر عمدہ وسلیس ہے۔

۲۲۔عبدالرازق ملیح آبادی:- (پیدائش ۱۸۹۰ء وفات ۱۹۵۹ء)

عبدالرازق ملیح آبادی کا شمار ہندوستان میں اپنے دور کے صف اول کے عربی داں حضرات میں ہوتا ہے ۱۹۵۰ء میں جب مولانا آزاد کے مشورہ سے حکومت ہند نے انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنز (آئی سی سی آر) کی تاسیس کی تو یہ بھی طے پایا کہ عربی زبان میں ایک مجلّہ ''ثقافۃ الہند'' کے نام سے شروع کیا جائے چنانچہ ۱۹۵۰ء میں ہی اس مجلّہ کا اجراءعمل میں آیا اور مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اس کے پہلے مدیر مقرر کیے گئے جو ۱۹۵۹ء یعنی اپنی وفات تک اس عہدہ پر قائم رہے۔۳۵

نہج البلاغہ کے مذکورہ بالا اردو ترجمہ میں مولانا ملیح آبادی بھی شامل تھے آپ نے نہج البلاغہ میں شامل مکتوبات کا بہت عمدہ ترجمہ کیا۔ مکتوبات کے ترجمہ سے پہلے آپ کا ایک وقیع مقدمہ بھی شامل کتاب ہے جس میں انہوں نے ان تاریخی حقائق کو، مختلف تاریخی کتب کے حوالے سے بیان کیا ہے جن کے پس منظر میں یہ مکتوبات رقم کئے گئے۔

جہاں تک خطوط کے ترجمہ کا تعلق ہے تو اس میں بھی وہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو رئیس احمد جعفری نے خطبات کے ترجمہ میں اپنایا ہے۔

۲۳۔علامہ مرزا یوسف حسین (ولادت شعبان ۱۳۱۸ھ دسمبر ۱۹۰۰ء)

آپ نے لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ مدرسۃ الواعظین سے فراغت کے بعد پاکستان ہجرت کرگئے۔ آپ نے نہج البلاغہ کا اردو میں ترجمہ اور شرح قلمبند فرمائی جو مطبوعہ ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی تفسیر میزان الایمان من آیات الفرقان بھی آپ کی مطبوعہ تصانیف میں سے ہے۔

۲۴۔مفتی جعفر حسین صاحب:- (وفات ۲۹ اگست ۱۹۸۳ء)

برصغیر میں نہج البلاغہ کے جو اردو ترجمے سب سے زیادہ مقبول ہوئے ان میں مفتی جعفر حسین صاحب کا ترجمہ سرفہرست ہے۔ مفتی جعفر حسین صاحب کا شمار برصغیر کے صف اوّل کے علماء شیعہ میں ہوتا ہے۔ افسوس ہے کے ان کے مفصل حالات راقم کو نہ مل سکے، انٹرنیٹ کے ذریعہ جو بھی

معلومات فراہم ہوسکیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی اور تعلیم کے بعد پاکستان ہجرت کرگئے جہاں آپ نے فرقہ امامیہ کی بہت عمدگی کے ساتھ قیادت فرمائی۔ ۱۳/اپریل ۱۹۷۸ء کو بھکر پنجاب میں پاکستان کے شیعوں کا ایک عظیم اجتماع ہوا جس میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا قیام عمل میں آیا۔ مفتی صاحب موصوف کو اس کا قائد مقرر کیا گیا۔ مفتی صاحب قبلہ نے دن و رات پاکستان کے شیعوں کی فلاح و بہود کے لئے کام کیا آپ نے پورے پاکستان کا دورہ کیا اور تمام شیعوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ یہ آپ کی قیادت کی خوبی اور آپ کی شخصیت کی جاذبیت اور کشش ہی تھی کہ آپ جب تک حیات رہے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ مضبوط رہی لیکن ۲۹/اگست ۱۹۸۳ میں آپکی وفات کے بعد یہ تحریک دو خیموں میں تقسیم ہوگئی۔

مفتی صاحب کے اس ترجمہ میں آپ کے عالمانہ اور بے حد وقیع تفسیری حواشی بھی ہیں۔ آپ نے یہ ترجمہ و شرح ،جیسا کہ خود آپ نے حرف اوّل میں بیان فرمایا ہے ،عربی کی چند بہترین شرحوں کو سامنے رکھ کر تحریر فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ اس نسخے کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مقدّمہ سیدالعماء مولانا سید علی نقی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کا ہے جنکا ذکر آگے آئے گا۔

۲۵۔ مولانا سید محمد صادق امروہوی ابن مولانا سید کاظم ابن نجم الملّت (پیدائش ۱۳۳۳ھ وفات ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۴ء) کا نام بھی اس دور کے مترجمین و شارحین نہج البلاغہ میں شامل ہے۔ آپ کا یہ ترجمہ اردو زبان میں ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے صحیفہ کاملہ اور قرآن مجید کا اردو ترجمہ بھی کیا۔[۳۶]

۲۶۔ نائب حسین نقوی امروہوی: ۱۹۱۱ء کے آس پاس امروہا میں پیدا ہوئے مدرسہ ناظمیہ میں تعلیم حاصل کی۔ فرہنگ انیس آپ کی بہت مقبول ترین تصنیف ہے۔ غلام علی اینڈ سنز سے شائع شدہ مذکورہ بالا ترجمہ نہج البلاغہ کی ترتیب نائب حسین نقوی ہی کی ہے۔ نیز اس نسخے میں سید رضی کے دیباچہ کا اردو ترجمہ بھی نائب صاحب ہی کا ہے۔ ۱۹۸۳ء کے آس پاس دہلی میں انتقال ہوا۔

۲۷۔ مرتضیٰ حسین فاضل (پیدائش ۱۹۳۳ء وفات ۱۹۸۷ء)

مرتضیٰ حسین فاضل کا شمار برصغیر میں اسلامی ادب کے ستونوں میں کیا جاتا ہے۔ اسلامی ادب کے فروغ میں آپ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ شیخ غلام علی اینڈ سنز سے شائع شدہ ترجمہ نہج البلاغہ کے نسخے میں اقوال امیرؑ المومنین کا ترجمہ مرتضیٰ حسین صاحب

ہی کا ہے۔ علاوہ ازیں اسی نسخے میں آپ کے دو اہم مقالے نہج البلاغہ کا مطالعہ اور کلام علی کا عربی ادب پر اثر شامل ہیں۔ مؤخرالذکر مقالہ میں امیرالمومنین کے کلام کی ادبی اہمیت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن خود مقالہ نگار کے بقول یہ بحث نامکمل ہے اور اس امید کے ساتھ شروع کی گئی ہے کہ شاید کوئی اس بحث کو مکمل کردے۔ چنانچہ غالباً فاضل صاحب ہی کی تحریک پر اس سمت میں دوسرا قدم محمود حسن قیصر نے اُٹھایا جنھوں نے ایک بسیط مقالہ'' کلام علی سے عربی ادبا وشعراء کا استفادہ'' کے عنوان سے تحریر کیا جو احباب پبلشرز نے شائع کیا۔ اس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

۲۸۔ علامہ سید ذیشان حیدر جوادی تاریخ ولادت یکم ستمبر ۱۹۳۸ء وفات روز عاشورہ ۱۵/اپریل ۲۰۰۰ء

دور حاضر میں علامہ جوادی کا شمار ہندوستان کے صف اوّل کے علماء میں ہوتا ہے۔ آپ نے تحریری، تقریری اور تنظیمی گویا کہ ہر اعتبار سے دین اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ آپ کی ولادت قصبہ کراری جو پہلے ضلع الٰہ آباد کا حصہ تھا اور اب کوشامی ضلع میں ہے، میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام سید محمد جواد تھا جو خود ضلع الٰہ آباد کے مشہور افاضل میں تھے۔ علامہ جوادی شہید باقر الصدر کے تلامذہ میں سے تھے۔ چنانچہ آپ نے شہید صدر کی ''اقتصادنا'' اور'' البانک الاسلامیہ'' کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ علاوہ ازیں آپ نے متعدد اسلامی کتابوں کے ترجمہ کی خدمت انجام دے کر اردو میں اسلامی ادب کا زبردست اضافہ فرمایا۔ اسی ضمن میں آپ کا ترجمہ وشرح نہج البلاغہ بھی ہے جو تنظیم المکاتب لکھنؤ سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ اس ترجمہ میں خطبات ومکتوبات کے حوالے بھی حاشیہ میں درج کردیئے گئے ہیں کہ یہ کلام نہج البلاغہ کے علاوہ اور کن کن کتب میں پایا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو اس ترجمہ کو دوسرے ترجموں سے ممتاز کرتی ہے۔ ترجمہ نہایت سلیس اور آسان زبان میں کیا گیا ہے۔

۲۹۔ رضا علی عابدی:- ریڈیو بی بی سی سننے والے رضا علی عابدی کے نام سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ نے نہج البلاغہ سے منتخب ۷۲ خطبات کے تراجم کی تسہیل وترتیب کرکے انہیں ایک کتابی شکل میں'' حضرت علی کی تقریریں سلیس اور سہل زبان میں'' کے عنوان سے کراچی سے شائع کرایا۔ انہوں نے یہ کام نہج البلاغہ کو عوامی فہم وشعور سے قریب تر کرنے کے لیے کئی مترجمین اور صاحبان کمال فن کے تراجم کو اپنے سامنے رکھ کر کیا۔ جس ترجمہ میں حسین ترین اور خوبصورت ترین مترجمہ

جملے ملے اُن کو شامل کرلیا گیا ہے۔ مرتب موصوف چونکہ عربی زبان سے نا آشنا ہیں اس لیے یہ طے کرنا تو ان کے لیے یقیناً مشکل ہوگا کہ تراجم میں کون سا ترجمہ نہج البلاغہ کے عربی متن سے قریب تر ہے۔ مگر ان کا مقصد ترجمہ کو سہل اور ادبی تر بنا کر عوام کے لیے زیادہ دلچسپ اور عام فہم بنانا تھا۔ بہر حال اُن کا یہ کام یقیناً قابل ستائش ہے۔

۳۰۔ مولانا سید سبط الحسن ہنسوی (پیدائش ۱۹۱۵ء وفات ۱۹۷۸ء)

اس عہد کے فاضل محقق کتاب شناس اور رجالی و مؤرخ بزرگ تھے۔ ہمیشہ کتب خانوں سے وابستہ رہے اوّل کتب خانہ راجہ صاحب محمودآباد سے پھر مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں ڈپٹی لائبریرین رہے، متعدد عالمی علمی اداروں کے رکن تھے، ادب نہج البلاغہ میں آپ کی تصنیف منہاج نہج البلاغہ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

۳۱۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی:- (پیدائش ۱۹۰۴ء وفات ۱۹۸۱ء)

مولانا عرشی برصغیر کے علماء و محققین میں ایک اہم مقام کے حامل ہیں، تحقیق آپ کا مشغلہ تھا رضا لائبریری رامپور کے ڈائرکٹر تھے۔ آپ نے نہج البلاغہ سے متعلق ایک بہت اہم اور وقیع مقالہ استناد نہج البلاغہ کے عنوان سے تحریر کیا۔

یہ مقالہ برصغیر میں لکھا جانے والا اپنی نوعیت کا پہلا مقالہ تھا۔ اس مقالہ کی علمی حلقوں میں بڑی پذیرائی کی گئی، چنانچہ اس کے ترجمے عربی، فارسی اور انگریزی میں بھی شائع ہوئے۔ اس کا اردو متن تو جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، شیخ غلام علی اینڈ سنز سے شائع شدہ نہج البلاغہ میں شامل ہے۔ عربی ترجمہ آئی۔سی۔سی۔آر نئی دہلی سے شائع ہونے والے عربی مجلّہ ثقافۃ الہند، جلد ۸، شمارہ ۴ (دسمبر ۱۹۵۷ء) میں شائع ہوا۔ اس مقالہ میں عرشی صاحب نے نہج البلاغہ کے جعلی اور الحاقی ہونے کے الزام کو مدلل طریقہ سے رد کیا ہے۔ آپ نے نہج البلاغہ کے اُن مندرجات کی نشاندہی کی ہے جو دوسری متقدم کتابوں میں موجود ہیں، اِن میں ۷۶ خطبات، ۲۹ خطوط اور ۵۱ اقوال کی نشاندہی کی گئی ہے۔ عرشی صاحب لکھتے ہیں۔ ''اگر بغداد چنگیزیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد نہ ہوا ہوتا اور اس کے عدیم النظیر کتاب خانوں کو ان وحشی جاہلوں نے جلاکر خاک نہ کردیا ہوتا تو آج اس (نہج) کے ایک ایک جملہ کا حوالہ ہمارے سامنے ہوتا''۔ مختصر یہ ہے کہ اس موضوع پر یہ مقالہ بہت اہم اور وقیع ہے۔

۳۲۔ مہدی نظمی (ولادت ۲۳ اپریل ۱۹۲۳ء وفات ۳۰ مئی ۱۹۸۷ء)

مولانا اولاد حسن شاعر لکھنوی کے بڑے صاحبزادے مہدی نظمی ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے وہ ایک زود گو شاعر، بہترین ادیب، نقاد اور صحافی تھے۔ غرض کہ وہ علم ادب کے ہر میدان کے شہسوار تھے۔ نہج البلاغہ کے سلسلے میں بھی آپ کی دو گرانقدر تصانیف منظر عام پر آئیں۔ ایک ''حرف دانش'' اور دوسری ''نہج البلاغہ کے ہزار سال'' دونوں کتابیں ۱۹۸۵ء میں ابو طالب اکیڈمی دلّی سے شائع ہوئیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابوطالب اکیڈمی کے مؤسس خود مہدی نظمی صاحب ہی تھے۔ حرف دانش میں نہج البلاغہ کا مختلف زاویوں سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں مولائے کائنات کی حیات مبارکہ کے علاوہ نہج البلاغہ کے استناد پر بھی بحث ہے، اُس میں نہج البلاغہ کے نظریہ توحید کو بھی پیش کیا گیا ہے مولا کے زمانے میں سماجی نظام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور نہج البلاغہ کا تصور سیاست وحکمرانی وغیرہ بھی زیر بحث آیا ہے۔ غرض کہ اس میں ہر اُس موضوع وتصور کی ترجمانی کی گئی ہے جو جو نہج البلاغہ میں موجود ہے۔

دوسری کتاب نہج البلاغہ کے ہزار سال میں مولائے کائنات اور مؤلف نہج البلاغہ کے مختصر حالات کے علاوہ ہندوستان کے آٹھ دانشوروں کے مقالات شامل ہیں۔ جس میں نہج البلاغہ کی افادیت و اہمیت کے موضوع پر ڈاکٹر سید مہدی حسن جعفری حیدرآباد کا مقالہ، محمود حسن قیصر کا۔ ''نہج البلاغہ کا تنقیدی مطالعہ''، سردار نقوی کا مقالہ ''مستقبل کی نسلوں کے نام حضرت علی کا پیغام''، صادق نقوی حیدرآباد کا ''نہج البلاغہ میں اسلامی سماج کا نظریہ''، محمد باقر انصاری تہران کا مقالہ ''حضرت علی کی حکومت اور اس کا نظام'' شاہ محمد وسیم کا مقالہ بعنوان ''محنت کی قدر و مشقت کی آبرو نہج البلاغہ کی روشنی میں'' ڈاکٹر جے۔ایس نرائن راؤ حیدرآباد کا مقالہ ''مذہب اور اقتصادیات'' کے عنوان سے اور ڈاکٹر صفدر علی بیگ کا تحریر کردہ مقالہ ''نہج البلاغہ تصوف اور صوفیاء'' شامل ہیں۔

۳۳۔ سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی (ولادت دسمبر ۱۹۰۵ء- وفات مئی ۱۹۸۸ء)

دنیائے اسلام کے لیے آیت اللہ حضرت مولانا سید علی نقی النقوی طاب ثراہ کی ذات قدسی صفات محتاج تعارف نہیں۔ ادب اسلامی کے لیے آپ کی خدمات جلیلہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ سید العلماء مرحوم نے دیگر اسلامی موضوعات کے علاوہ نہج البلاغہ کے استناد پر بھی ایک کتاب ''نہج البلاغہ کا استناد'' کے عنوان سے تصنیف فرمائی جسے امامیہ مشن لکھنؤ نے شائع کیا۔ نیز مفتی جعفر حسین صاحب کے ترجمہ نہج البلاغہ پر آپ نے جو مقدمہ لکھا ہے اُسی سے آپ کے، اس موضوع پر،

عمیق و وسیع مطالعہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس مقدمہ میں مولانا نے مدلل اور منطقی طریقہ اختیار کرتے ہوئے نہج کے استناد پر شامل وجامع و وقیع گفتگو فرمائی ہے۔

۳۴۔ محمد تقی:- (۱۹۱۶ء- ۱۹۹۹ء) آپ کا شمار برصغیر کے ممتاز دانشوروں میں ہوتا ہے۔

امروہا میں پیدا ہوئے، آپ کے والد علامہ سید شفیق حسن ایلیاء بھی اپنے وقت کے جیّد علماء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ محمد تقی، تقسیم وطن کے بعد اپنے بھائیوں رئیس امروہوی اور جون ایلیاء کے ساتھ کراچی ہجرت کر گئے جہاں ایک مدت تک روزنامہ جنگ کے مدیر رہے۔ آپ نے ''نہج البلاغہ کا تصور الوہیت'' کے عنوان سے ایک بہت عالمانہ کتاب تحریر فرمائی جس میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، نہج البلاغہ میں بیان کردہ صفات الٰہیہ پر بڑے فلسفیانہ اور محققانہ انداز سے گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۷۵ء میں کراچی سے شائع ہوئی اور راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

۳۵۔ پروفیسر وحید اختر (ولادت اگست ۱۹۳۴ء- وفات دسمبر ۱۹۹۶ء)

دور حاضر میں وحید اختر کا شمار برصغیر کے صف اول کے دانش وروں میں ہوتا ہے، آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں فلسفہ کے استاد تھے، اور متعدد وقیع و اہم کتابوں کے مصنف۔ نیز تہران سے نکلنے والے انگریزی مجلّہ التوحید کے ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۷ء تک مدیر بھی رہے۔ نہج البلاغہ سے متعلق آپ نے ایک بہت جامع و بسیط مقالہ انگریزی زبان میں بعنوان:

Freedom in the Islamic Frame work of Human Rights with Special Reference to Nahj-al-Balagha.

تحریر فرمایا جو سب سے پہلے ۱۹۸۶ء میں، علی گڑھ سے نکلنے والے Aligarh Journal of Islamic Thought میں شائع ہوا۔ اس کے بعد یہی مقالہ تہران سے نکلنے والے انگریزی مجلّہ ''پیغام ثقلین'' کے جلد اول شمارہ اول میں اور اس کا اردو ترجمہ ۱۹۸۹ء میں دلّی سے نکلنے والے مؤخر الذکر مجلّہ میں شائع ہوا۔ اس مقالہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں حقوق انسانی کے تقریباً ہر پہلو کے احاطہ کی کوشش کی گئی ہے، چاہے وہ حقوق آزادی ہوں، حصول علم کا حق ہو، غلاموں کے حقوق ہوں، غیر مسلموں کے حقوق ہوں یا حقوق نسواں وغیرہ۔

۳۶۔ محمود حسن قیصر:- (ولادت ۱۹/اگست ۱۹۱۹ء)

امروہہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید مقبول حسن تھا۔ والد سُنّی عقیدہ کے حامل تھے لیکن

قیصر صاحب نے ذاتی تحقیق اور گہرے مطالعہ کے بعد اپنا مسلک تبدیل کرلیا اور امامیہ مسلک سے وابستہ ہوگئے۔محمود حسن قیصر کا شمار برصغیر کے اہم محققین میں ہوتا ہے نیز ہندوستان میں جو معدودے چند مخطوطہ شناس ہیں اُن میں ایک آپ بھی ہیں۔آپ عمیق اور وسیع مطالعہ کے مالک ہیں۔نہج البلاغہ کے سلسلے میں آپ کی کئی قلمی کاوشیں منظر عام پر آکر علمی حلقوں میں وادتحسین حاصل کرچکی ہیں۔اس سے پہلے مرتضٰی حسین فاضل لکھنوی کے تذکرہ میں ہم نے نہج البلاغہ کا عربی ادب پر اثر کے بارے میں ذکر کیا تھا۔ قیصر صاحب نے اس موضوع پر بہت عمدہ اور وقیع کام بڑی عرق ریزی سے کیا۔ آپ کا یہ مقالہ کتابی شکل میں احباب پبلشرز لکھنؤ سے شائع ہوا۔ مزید برآں اسی کتاب میں آپ کا دوسرا مقالہ جامعین کلام امیر المومنین بھی شامل ہے جس میں آپ نے اُن تمام ادبا ومصنّفین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے سید رضی سے قبل جناب امیرؑ کے کلام کو جمع کرنے کی سعادت حاصل کی۔ علاوہ ازیں آپ کی ایک اور اہم کتاب رجال نہج البلاغہ کے نام سے ایران کلچر ہاؤس نئی دلّی نے ۱۹۹۱ء میں شائع کی۔ اس کتاب میں اُن تمام رواۃ کا تفصیلی ذکر ہے جنھوں نے امامؑ کے کلام کی روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ اسی موضوع پر آپ کے متعدد علمی وتحقیقی مضامین ملک و بیرون ملک کے مجلّات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان میں ایک مقالہ ''حدیث علی ادب سعدی کا اہم ماخذ''(معارف اعظم گڑھ جلد ۹۳، شمارہ ۳) قابل ذکر ہے۔ اب بینائی کمزور ہوجانے کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے معذور ہیں جس کا انہیں بہت قلق ہے۔ چنانچہ راقم الحروف جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو اس تکلیف و پریشانی کا اظہار ہمیشہ فرماتے ہیں۔

۳۷۔ شاہ محمد وسیم:- (ولادت ۱رجنوری ۱۹۴۱ء)

شاہ وسیم صاحب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں کامرس کے پروفیسر تھے جہاں وہ صدر شعبہ اور ڈین فیکلٹی آف کامرس بھی رہے۔ کامرس کا پروفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ وسیم صاحب کو اسلامیات میں بھی اتنی ہی دلچسپی ہے اور خاص طور پر نہج البلاغہ سے۔ چنانچہ اپنے میدان کی مناسبت سے نہج البلاغہ پر انگریزی میں آپ نے تین مندرجہ ذیل کتابچے شائع کرائے۔

1. Socio-Economic Justice with Reference to Nahjul Balagha
2. Dignity of Labour with Reference to Nahjul Balagha
3. Trade with reference to Nahjul Balagha

ان مقالات کے علاوہ

Nahjul Balagha & Inter Religious under standing

نئی دلّی سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا اور

Leadership in Govenence

اپریل ۱۹۹۵ء میں منعقد ہونے والی عالمی نہج البلاغہ کانفرنس کے موقع پر ایران ایمبیسی نئی دلّی کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب میں شامل ہے۔ انگریزی کے علاوہ آپ نے متعدد مقالے اردو میں بھی تحریر کیئے جو ''راہ اسلام'' نئی دلّی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن کا ذکر آگے آئے گا۔ حال ہی میں آپ کی علمی خدمات کے پیش نظر ایران کلچر ہاؤس کی طرف سے شہید مطہری ایوارڈ سے بھی آپ کو نوازا گیا ہے۔

۳۸۔ مولانا ڈاکٹر محمد سیادت نقوی (ولادت نومبر ۱۹۴۲ء)

آپ کا تعلق امروہا کے ایک علمی و دینی خانوادہ سے ہے جس میں کئی پشتوں سے علم دین کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔ آپ کے جدا مجد حجۃ الاسلام مولانا سید محمد عبادت اوّل جو آیت اللہ غفرانمآب کے تلامذہ میں سے تھے امروہا کے پہلے امام الجمعہ تھے۔ آپ کے والد گرامی حجۃ الاسلام مولانا سید محمد عبادت ثانی ہندوستان کے جیّد علماء میں سے تھے جنہوں نے عربی اور اردو زبان میں متعدد وقیع واہم کتابیں تصنیف کیں۔ مولانا موصوف بھی اپنی خاندانی روایت کے مطابق تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول رہتے ہیں۔ نہج البلاغہ سے متعلق بھی آپ نے ایک بہت عمدہ اور اچھی کتاب ''اسلامی نظریۂ عدالت نہج البلاغہ کی روشنی میں'' کے عنوان سے تحریر فرمائی جو ۲۰۰۴ء میں مولانا محمد عبادت ایجوکیشنل سوسائٹی رجسٹرڈ امروہا نے شائع کی۔ ابھی حال ہی میں آپ کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ایران کلچر ہاؤس نئی دلّی نے آپ کو شہید مطہری ایوارڈ سے بھی نوازا ہے۔ آپ امروہا میں ہندو پوسٹ گریجویٹ کالج میں صدر شعبہ اردو بھی رہے۔

۳۹۔ اس حقیر پُرتقصیر راقم الحروف نے بھی اپنی جہالت اور کم مائیگی کے باوجود اس جانب کچھ کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس کی بھی دو کتابیں ایک عربی زبان میں ''دراسۃ فی منثورات الامام علیؑ'' جو حکومت ہند کے مالی تعاون سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی اور دوسری انگریزی میں An Introduction to Nahj-al-Balagha ۲۰۰۴ء میں منظر عام پر آئی۔

عہد نامہ مالک اشتر کے متعدد ترجمے اور اُس کے مطالعہ پر مبنی تصانیف بھی برصغیر میں منظر عام پر آتی رہیں۔ اُن میں بعض کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے۔

۴۰۔ علامہ رشید ترابی مرحوم کے ذریعہ انگریزی زبان میں کیا گیا ترجمہ Do's & Donts for succeful administration کراچی سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔

۴۱۔ علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر کی تالیف کردہ کتاب ''مرتضوی نظام حکومت'' جو اس عہد نامہ کی روشنی میں نظام حکومت کا ذکر کرتی ہے، ادارہ منہاج الحسین پاکستان کی طرف سے ۲۰۰۴ء میں منظر عام پر آئی۔

۴۲۔ ''حسن حکومت کا ایک تاریخی فرمان قانون کی حکمرانی اور حقوق انسانی پر حضرت علیؑ کے فرمودات'' کے عنوان سے ماہر قانون پروفیسر طاہر محمود کے پیش لفظ کے ساتھ پروفیسر اختر مہدی کا مرتب کردہ ایک کتابچہ ایران کلچر ہاؤس نئی دلّی سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔

۴۳۔ پروفیسر آصف پاشا صدیقی کی تألیف ''نکتۂ جہاں بانی یعنی عہد نامہ مالک اشتر'' باب العلم دارالتحقیق کراچی سے دسمبر ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔

۴۴۔ مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ مجلّات و رسائل نے بھی ادب نہج البلاغہ کے فروغ میں حصہ لیا۔ ان میں سب سے اہم مجلّہ ''راہ اسلام'' ہے جو ایران کلچر ہاؤس نئی دلّی سے شائع ہوتا ہے اس مجلّہ کے مختلف شماروں میں متعدد مضامین و مقالات اس موضوع پر شائع ہوتے رہے ہیں۔ ہم یہاں صرف اُن مقالات کا ذکر کرنا چاہیں گے جو ہندوستانی اسکالرس کے ذریعہ لکھے گئے یا پھر وہ مقالات جس کے مترجم کا نام شامل مقالہ ہے۔

۱۔ حضرت علیؑ کے خطبات و ارشادات شاہ محمد وسیم شمارہ ۱۸۰ /اپریل تا جون ۲۰۰۱ء

۲۔ قرآن و نہج البلاغہ، شاہ محمد وسیم، شمارہ ۱۸۱ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱ء

۳۔ نہج البلاغہ اسلامی فلسفہ و عرفان کا سرچشمہ ۔رضا عباس علی گڑھ، شمارہ ۱۸۲، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء

۴۔ سیرت خاتم الأنبیاء نہج البلاغہ کی نظر سے، وصی جعفری (علی گڑھ) شمارہ ۱۸۷ جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء

۵۔ نہج البلاغہ میں علم طب، محمد رضا رجب نژاد، ترجمہ پروفیسر اختر مہدی، شمارہ ۱۸۹ جولائی

تا ستمبر ۲۰۰۳ء

۶۔ نہج البلاغہ جدید ادب کے منظر نامہ میں، حسن عباس فطرت، ایضاً

۷۔ مرد کامل نہج البلاغہ کی روشنی میں، مسعود انور علوی کا کوروی، شمارہ ۱۹۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء

۸۔ انسانی حقوق اور نہج البلاغہ، رضا عباس (علی گڑھ)، شمارہ ۱۹۴ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۴ء

۹۔ حضرت علی اور عصری علوم و معارف، وصی عقیل زائر، ایضاً

۱۰۔ آزادی بیان بحوالہ منشور حقوق بشر و نہج البلاغہ، پروفیسر شاہ وسیم شمارہ ۲۰۰ و ۱۹۹، جنوری تا جون ۲۰۰۶ء

۱۱۔ نہج البلاغہ: اقدار بشیرت و امن عالم کا سر چشمہ۔ اطہر رضا بلگرامی، شمارہ ۲۰۲، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء

۱۲۔ امیر المومنین کے سیاسی افکار نہج البلاغہ کی روشنی میں رضا عباس علومی، ایضاً

۱۳۔ عرفان وتصوف: نہج البلاغہ کی روشنی میں۔ محمد تعظیم، خصوصی شمارہ، شمارہ ۲۰۹، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء

۱۴۔ ملفوظات ومنقولات حضرت علیؑ ۔ عراق رضا زیدی، شمارہ -۲۱۰ ۲۱۱ اکتوبر ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء

۴۵۔ مجلّہ راہ اسلام کے علاوہ دلّی سے شائع ہونے والا مجلّہ ''توحید'' (اردو) میں بھی متعدد مضامین نہج البلاغہ کے مختلف پہلوؤں پر شائع ہوتے رہے۔ جن میں اکثر فارسی یا عربی سے ترجمہ ہوا کرتے تھے۔ شیخ محمد تقی رہبر کے بہت سے مضامین اس موضوع پر شائع ہوئے۔ ہندوستانی دانشوروں میں ایک نام حکیم محمد کمال الدین حسین ہمدانی مرحوم کا ہے جن کا ایک مقالہ ''اسلامی اخلاق نہج البلاغہ کی روشنی میں'' جلد ۲ شمارہ ۴، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۴ء میں طبع ہوا۔ اس کے علاوہ پاکستان کے ایک قلم کار سید منتظر عباس نقوی کے بھی متعدد مضامین اس موضوع پر توحید میں شایع ہوتے رہے۔

۴۶۔ یہ تو تھیں علماء کرام کی نثری کاوشیں۔ شعراء حضرات نے بھی اس طرف توجہ کی چنانچہ نہج البلاغہ کے کچھ منظوم ترجمے بھی شائع ہوئے۔ اس سے پہلے ہم نواب محمد حسن علی خاں خیر پوری کا ذکر کر چکے ہیں جنہوں نے سندھی زبان میں نہج البلاغہ کا منظوم ترجمہ کیا۔ اس سلسلے میں سید علی عباد

نیساں اکبرآبادی کا جناب امیرؑ کے مختلف خطبات کا منظوم اردو ترجمہ بھی قابل ذکر ہے جو انتخاب نہج البلاغہ منظوم کے عنوان سے ۱۹۹۹ء میں راولپنڈی سے شائع ہوا۔

۴۷۔ مذکورہ بالا کتابوں و مجلّات کے علاوہ یہاں چند مزید کتابوں کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا۔ یہ کتابیں نہج البلاغہ میں شامل کلام سے متعلق تو نہیں ہیں البتہ کلام امام اللغۃ والبلاغۃ سے متعلق ضرور ہیں۔ اس قسم کی کتابوں میں سب سے پہلے کتاب نہج الاسرار من کلام حیدر کرار تألیف و ترجمہ مولانا سید غلام رضا آقا مجتہد کا نام لیا جاسکتا ہے۔ جس کی جلد دوم میرے سامنے ہے جو ۱۴۰۲ھ میں حیدرآباد سے طبع ہوئی۔ اس کتاب میں مولاؑ علی کا وہ کلام جمع کیا گیا ہے جو نہج البلاغہ کے علاوہ دوسری کتابوں میں ملتا ہے۔

۴۸۔ سید اشتیاق حسین تقوی کی ایک کتاب صحیفۂ معرفت، مطبوعہ کراچی ۲۰۰۰ء مولائے کائنات کے بارے میں آیات قرآنی و احادیث نبوی کے علاوہ آپؑ کے دو خطبوں مؤنقہ و بے نقط کے متن و ترجمہ پر مشتمل ہے۔

۴۹۔ خطبۂ مؤنقہ کا اردو ترجمہ حجۃ الاسلام مولانا سید ظفر الحسن صاحب طاب ثراہ نے بھی فرمایا تھا جو مفتی جعفر حسین کے ترجمہ کے آخر میں شامل کتاب ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ بھی بلا الف ہے۔

۵۰۔ سید اصغر ناظم زادہ کی تالیف ''تجلیات حکمت'' جو مختلف موضوعات پر مولاؑ کے ۲۲۵ منتخب اقوال وحکم پر مشتمل ہے اس کا اردو ترجمہ حیدری کتب خانہ ممبئی سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا، اس کے مترجم سید قمر عباس ہیں۔

۵۱۔ ''شمائم فیض علی'' نام کا ایک کتابچہ ۱۳۹۱ھ میں کراچی سے شائع ہوا جس میں خطبۂ مونقہ کا نثری ترجمہ از سرکار ناصر الملت طاب ثراہ اور ممتاز مانیوی کا منظوم ترجمہ شامل ہے۔

اب آخر میں چند معروضات ہیں: اول راقم الحروف کو اس بات کا اعتراف ہے کہ مذکورہ بالا کتابوں کے حوالے کوئی حتمی فہرست نہیں۔ دوم ہندوستان میں مسلم آبادی کی کثرت اور علماء کی اچھی خاصی تعداد کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ برصغیر میں نہج البلاغہ پر ہونے والا کام نسبتاً بہت کم ہے۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء و دانشور حضرات اس طرف توجہ دیں اور خاص طور پر یہ ذمہ داری علماء دین کی ہے کہ وہ عربی زبان سے بہتر طور پر واقف ہیں، اس لئے وہ زیادہ سے زیادہ

ماہرین علوم جدیدہ کو اس طرف متوجہ کریں تا کہ نہج البلاغہ کا مطالعہ مختلف زاویوں سے کیا جائے۔

تیسری بات یہ کہ ہندی زبان ہندوستان کی اہم زبانوں میں سے ہے، تو ہندی اور اس کے ساتھ دیگر علاقائی زبانوں میں بھی ادب نہج البلاغہ کو متعارف کرایا جائے۔ مزید برآں اس سلسلے میں ادارے بھی قائم کیئے جائیں جو باضابطہ طریقہ پر یہ کام انجام دیں تا کہ عوام میں نہج البلاغہ کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ ہوسکے، کیونکہ عوام اور خاص طور پر نئی نسل اس کے بارے میں جاننا چاہتی ہے۔ حیدرآباد میں ایک نہج البلاغہ سوسائٹی ہوا کرتی تھی جس کے نگراں حسین ضابط صاحب تھے۔ یہ سوسائٹی غالبًا ۱۹۸۸ء تک سرگرم رہی، اس نے کچھ انگریزی زبان میں کتابچے بھی چھاپے تھے۔

حواشی ومصادر

۱۔ النجاشی، کتاب الرجال، مطبوعہ ممبئی، ۱۳۱۷ھ صفحہ ۳

۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد ۶، صفحہ ۱۶۸، مطبوعہ بیروت، ۱۹۵۷ء

۳۔ النجاشی، کتاب الرجال، صفحہ ۷ والطّوسی، الفہرست جلد اول، صفحہ ۶۲، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۵۳ء۔

۴۔ الطّوسی، الفہرست جلد ۲، صفحہ ۱۴۸۔

۵۔ مسعودی کا پورا نام ابوالحسن علی بن الحسین بن علی تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود کے اولاد میں تھا، عقائد کے اعتبار سے معتزلی، اہل بغداد میں سے تھا لیکن مصر میں قیام رہا اور وہیں ۳۴۶ھ میں وفات پائی۔ اس کی کتابوں میں مروج الذہب و معادن الجوہر، التنبیہ والاشراف وحدائق الأذھان فی اخبار آل محمد علیہ السلام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (الاعلام جلد ۵، صفحہ ۸۷ و الفہرست از ابن الندیم صفحہ ۲۱۹)

۶۔ مسعودی، مروج الذہب جلد ۲، صفحہ ۴۳۱، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۹۶۴ء۔

۷۔ وفیات الاعیان جلد اول، صفحہ ۴۲۳۔

۸۔ مرتضیٰ حسین فاضل ''مطلع انوار'' میں محمد بن علی بن خاتون (متوفی ۱۰۷۰ھ) کے احوال میں لکھتے ہیں کہ ''ابن خاتون نے حیدرآباد میں مساجد و شفا خانے بنوائے، سرائیں تعمیر کیں، علماء وفضلاء کو بڑے تحفوں سے نوازا.... مدرسہ بنوایا، تصنیف و تالیف اور مصنفین کی امداد کرتے، چنانچہ ملا علی بن طیفور کا ترجمہ ''عیون اخبار الرضا'' اور ملا حسین آملی کی شرح نہج البلاغہ وغیرہ ابن خاتون علیہ الرحمۃ کے معارف پروری کے ثمر ہیں'' صفحہ ۴۷۴۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ حسین نے یہ شرح حیدرآباد کے دوران قیام ہی تحریر فرمائی۔

۹۔ عبداللہ قطب شاہ، دکن کی قطب شاہی سلطنت کا ساتواں بادشاہ جس نے ۱۶۲۵ء سے ۱۶۷۲ء تک

حکومت کی۔

۱۰۔ آغا بزرگ تھرانی، طبقات اعلام الشیعۃ القرن الحادی عشر، مطبوعہ بیروت ۱۹۹۰ء صفحہ ۱۶۹۔
الذریعہ جلد ۱۴، صفحہ ۱۲۴ و تذکرہ بے بہاء از مولانا سید محمد حسین نوگانوی، مطبوعہ دہلی ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲۰، و مطلع انوار از مرتضیٰ حسین فاضل مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۸۹۔

۱۱۔ الذریعہ جلد ۱۴، صفحہ ۱۳۵ و مطلع انوار صفحہ ۱۶۴۔

۱۲۔ مطلع انوار، صفحہ ۵۵۹۔

۱۳۔ تذکرۂ بے بہاء صفحہ ۲۲۹ تا صفحہ ۲۳۱۔

۱۴۔ الذریعۂ جلد ۱۴، صفحہ ۱۳۰۔

۱۵۔ مطلع انوار، صفحہ ۱۱۰۔

۱۶۔ ایضاً صفحہ ۳۶۵ و الذریعہ جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۲ و بے بہاء صفحہ ۲۳۹۔

۱۷۔ بے بہاء صفحہ ۱۶۴ و مطلع انوار صفحہ ۲۴۵۔

۱۸۔ الذریعۂ جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۱۔

۱۹۔ مطلع انوار صفحہ ۳۴۸۔

۲۰۔ ایضاً صفحہ ۷۱۸۔

۲۱۔ الذریعۂ جلد ۱۴، صفحہ ۱۴۲۔

۲۲۔ مطلع انوار صفحہ ۳۹۸۔

۲۳۔ تذکرۂ بے بہاء صفحہ ۴۱، مطلع انوار صفحہ ۸۸۔

۲۴۔ تذکرۂ بے بہاء صفحہ ۳۸۳۔

۲۵۔ ایضاً، صفحہ ۵۰، الذریعہ جلد ۱۴ صفحہ ۱۱۶ و مطلع انوار صفحہ ۴۸۳۔

۲۶۔ الذریعۂ جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۱۔

۲۷۔ بے بہاء صفحہ ۲۵۹۔

۲۸۔ الذریعہ جلد ۱۴ صفحہ ۱۲۶ و مطلع انوار صفحہ ۲۵۸۔

۲۹۔ مطلع انوار صفحہ ۲۹۵۔

۳۰۔ ایضاً صفحہ ۲۹۴ و الذریعۂ جلد ۱۴ صفحہ ۱۳۰۔

۳۱۔ مطلع انوار صفحہ ۳۵۴۔

۳۲۔ ایضاً صفحہ ۲۱۵۔

۳۳۔ نہج البلاغہ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، صفحہ ۷۷۔

۳۴۔ ایضاً صفحہ ۱۴۳۔

۳۵۔ دیکھئے ثقافۃ الہند، جلد اول شمارہ اول۔

۳۶۔ تذکرہ علماء امروہا از سید شہوار حسین نقوی، مطبوعہ وظیفہ سوسائٹی امروہا ۲۰۰۳ء، صفحہ ۱۶۳۔

اسلامی شعری ادب

غیر مسلم اردو شعراء کی نعت گوئی

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ

انسان صرف گوشت پوست و استخوان وروح کا طبیعی اور فانی مجموعہ ہی نہیں بلکہ ایک ایسی ہستی ہے جو غیر فانی اور جاودانی وجود بننے کی صلاحیت اور اہلیت رکھتی ہے۔ یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب اس کے فکروعمل کا محور عقیدہ ہو۔ راسخ عقیدہ اور پاکیزہ عقیدت انسان کے قلب وذہن کو منور کردیتی ہیں، اس کی فکرونظر کو رفعتیں بخشتی ہیں اور اسے محدود سے لامحدود کی طرف لے جاتی ہیں۔عقیدت کی یہ کارفرمائی تو شاعری میں اور بھی زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے کیونکہ شاعری انسان کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔ راسخ العقیدہ اور پاکیزہ عقیدتوں کے امین شاعروں کا کلام بامعانی ، اعلا، معتبر اور دلپذیر ہوتا ہے جو صحتمند روایات کی آبیاری بھی کرتا ہے اور ادب کو مستند حیثیت بھی عطا کردیتا ہے۔

ہندوستان تو عقیدتوں کی سرزمین ہے۔ یہاں کی سماجی زندگی تہذیب وثقافت اور انداز فکر پر روحانیت کا گہرا اثر ہے۔ اس ملک میں آزادی فکر کی حمایت کی گئی۔ اسی لئے یہاں مختلف مکاتب فکر کو پھلنے پھولنے کا سازگار ماحول ملا۔ یہاں کے مفکروں کا اعتقاد تھا، ایکہوستیہ بہودھا ودنتی یعنی ایک ہی سچ کو مختلف طریقوں سے بیان کیا جاسکتا ہے، اسی دھرتی پر انیکانت واد اور سیاد واد جیسے فلسفے ابھرے۔ جن کے سایہ میں انسانی ذہن میں غیر معمولی کشادگی پیداہوئی اور طرز فکر میں موجود اختلافات کے باوجود ہماری ثقافتی میراث متنوع افکار وعقائد سے مالامال ہوتی چلی گئی۔

جب دو تہذیبوں کا قران السعدین ہوتا ہے تو باہمی طور سے متاثر کرنے کا دو طرفہ عمل شروع ہوجاتا ہے۔ ہندوستان تو کئی تہذیبوں کا سنگم ہے۔ اس ملک میں گنگا جمنی تہذیب پروان چڑھی اور اردو اس مشترکہ تہذیب کی ترجمان بنی جس کی آبیاری میں ہندو مسلم سکھ عیسائی وغیرہ سبھی نے حصہ لیا مختلف مذاہب کی کتابوں ، پیغمبروں اور بزرگان دین کی تعریف وتوصیف ، ارشادات وتعلیمات کے متعلق نظم ونثر میں بہت کچھ لکھا گیا۔

عقیدت کسی ایک فرقے یا خطے تک محدود نہیں کی جاسکتی بلکہ پاکیزہ عقیدت تو انسان کو فرقے کی حدبندی اور تنگ نظری سے بلند ہوکر نورحق دیکھنے کی سعادت کرتی ہے لیکن عقیدت کے

مرکز کے لئے بھی ایک ایسی ذات کی ضرورت ہوتی ہے جو کسی ایک فرقے یا علاقے والوں کے لئے ہی مثال نہ ہو بلکہ ہر آدمی اس کی سیرت اور اوصاف کو اپنے لئے ایک نمونہ سمجھے۔ وہ شخصیت اوصاف ومحاسن کا مجموعہ ہو، جس نے راہ انسانیت پر ایسے نقوش چھوڑے ہوں جو دوسروں کے لئے ایک منزل بن گئے ہوں۔ صبر وتحمل ، ایثار ، عبادت، ضبط نفس ، فرض شناسی وغیرہ کا بہترین نمونہ پیش کیا ہو۔ جو مخالف ہواؤں، ظلم وتشدد کے سیلاب میں بھی ثابت قدم رہ کر پیغام حق دیتا رہا ہو۔ ہر شعبے میں اس کی زندگی کا معیار وکردار بلند ہو۔ ایسی ہستی نوع انسانی کے لئے ایک مرکز عقیدت بن جاتی ہے۔ آنحضرت محمد مصطفیٰؐ حبیب کبریا، امام الانبیاء کی ذات گرامی کے سامنے ان سب معیاروں نے سرتسلیم خم کیا ہے۔ عقیدت سے سرشار شعراء نے رسول اکرم کی شان میں منظوم نذرانے پیش کئے جن میں ایمانی وایقانی اقدار، فنی وجمالیاتی نقطۂ نظر، الفاظ کا انتخاب اور لسانی برتاؤ سبھی پیش نظر رہے کون ایسا صاحب دل واہل نظر ہوگا جو آنحضرتؐ کی عظمت تسلیم نہ کرے جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے جیب کی تعریف کی ہے بقول حضرت ابرار کرتپوری۔

ہے خدا خود مصنف نعت
ہم تو تالیف کرنے والے ہیں

آداب نعت گوئی:

نعت کہنا بقول عرفیؔ تلوار کی دھار پر قدم رکھنا ہے، مثل مشہور ہے باخدا دیوانہ باش وبامحمدؐ ہوشیار اس لئے اظہار عقیدت واحترام کے ساتھ ہی نعت گو میں حدود احترام، حفظ مراتب کا احساس اور خوش سلیقگی کا ہونا ضروری ہے۔ آداب نعت گوئی ، تعلیمات قرآنی اور احکام شریعت کے ساتھ ہی صادق البیانی تاریخی حقائق اور شعری تقاضوں کا بھی خیال رکھنا ایک لازمی شرط ہے۔ عقیدت کے اظہار کے لئے شعور اظہار بھی ضروری ہے یہ کہنا نامناسب ہے۔

اوزان کا شعور نہ درک بحور ہے
شاعر تو بس تمہاری محبت میں چور ہے

آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی ہے'' میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالینا ، لیکن ایک نعت گو کہتا ہے۔

در رسول پہ سجدہ کروں محبت کا

اجل مدینے میں اے کردگار آجائے

رسول اکرمؐ فرماتے ہیں' جنت کے لئے میری قرابت مندی نہیں ہر شخص کے اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے لیکن ایک شاعر کہتا ہے۔

دوزخ میں میں تو کیا مرا سایہ نہ جائے گا
کیونکہ رسول پاک سے دیکھا نہ جائے گا

کچھ نعت گو حضرات نے تو عقیدت کے جوش میں ایسے ایسے اشعار لکھ دئے ہیں جن میں خاکم بدہن خدائے پاک وبرتر کے کے سلسلے میں ذم کے پہلو نکلتے ہیں مثلاً۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمدؐ سے

ایک سخنور کا یہ شعر یقیناً سماعت پہ بار ہے۔

میں جھوٹ نہ بولوں گا ملاّ کے ڈرانے سے
جاتا ہوں مدینے کو میں حج کے بہانے سے

رسول اکرمؐ کی بشریت کے ساتھ رسالت ونبوت کا امتزاج بیان کرنے کے لئے قرینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ معبود وعبد کا فرق پیش نظر رکھنا لازمی ہے۔ بعض نعت کہنے والوں نے اس طرح اشعار کہے ہیں کہ شرک جلی وخفی کے ارتکاب کے امکانات بڑھ گئے ہیں مثلاً

بندے سے ہو ثنائے محمدؐ مجال کیا
ترسٹھ برس لباس بشر میں خدا رہا
صورت انسان میں آکر خود دکھانا تھا کمال
رکھ لیا نامِ محمدؐ تاکہ رسوائی نہ ہو
وہی جو مستوئی عرش تھا خدا ہوکر
اُتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰؐ ہو کر

وحدہٗ لاشریک کی ذات میں کسی اور کو شریک کرنا اسلامی تعلیمات کے کہاں تک مطابق ہے؟ اس میں کچھ قصور انسانی فطرت کا ہے کچھ احترام کے توازن کا۔ کبھی کبھی ممدوح کی تعریف یا توصیف کرتے وقت مداحین حدود سے تجاوز کرجاتے ہیں۔ یہ صرف نعت میں ہی نہیں بادشاہوں

کے قصیدوں پیرو مرشد کی تعریف میں بھی ہوتا ہے۔ کچھ ناقدین نے اس کے لئے ہندوستانی اثرات یعنی اوتار واد، وشنمیات کو اور کچھ نے تصوف کے وحدت الوجود کے نظریہ کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ انا الحق کی گونج نعت میں بھی ابھری ۔ نتیجہ یہ ہوا سخنور وں نے کبھی کبھی تعریف رسول پاک کرتے ہوئے الوہیت اور رسالت کے فرق کو نظر انداز کر دیا، معجزات اور فوق العادت عنصر کی جاذبیت کا سہارا لینے کی وجہ سے ایک غلط روایت نے جگہ پائی اور قارئین وسامعین کی توجہ سیرت، ہدایات، پندووعظ یا ارشادات نبوی سے ہٹ گئی۔

نعتوں میں ہندی الفاظ:

جب بھی ایک زبان دوسری زبان کے قریب آتی ہے تو باہمی اثرات کا قبول کرنا ایک فطری امر ہے۔ ہندی اور اردو تو یوں بھی ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ صوفیائے کرام نے اس ملی جلی زبان کو فروغ دیا کیونکہ وہ عوام میں عشق نبی کو مقبول بنانا چاہتے تھے۔ اسی لئے سیرت وارشادات نبوی کی تبلیغ کے لئے انہوں نے یہ زبان استعمال کی۔ عورت کی زبان سے اظہار عشق اسلامی شاعری میں معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ عرب اور ایران میں اس قسم کی روایت شعروادب میں موجود نہیں تھی لیکن ہندی شاعری کا اثر ، درگاہوں پر گائی جانے والی قوالیوں کی گونج یا دادرے، ٹھمری، کجری وغیرہ عوامی موسیقی کا اثر نعت گوئی پر بھی ہوا۔ ملاحظہ کیجئے۔

طیبہ کے رنگیلے بانکے میاں موہے چاند سا مکھڑا دکھا جانا
میں برہا دِوانی ترپت ہوں ذرا آجانا ، ذرا آجانا
(اعظم علی خاں شائق)

یا

نبی جی کی کہائی جب میں دنیا میں آئی پروہ نزدیک مجھ کو بلاتے نہیں
میں نے کیا کی برائی ان سے جودل لگائی کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں
تلپت ،کلپت رتیاں نیند اچٹ گئی ہائے

لیکن اظہار عقیدت کا یہ طریقہ ممدوح کی عظمت واحترام میں اضافہ نہیں کرتا بلکہ عامیانہ رنگ ہے جو با محمدؐ ہشیار باش کے مشورے کے مطابق نہیں ہے۔

الیاس برنی فرماتے ہیں۔

موراَمن ہی مچلتا جائے بنی پہ میں بلہاری
برتی چرنوں پہ سیس نوائے بنی پہ میں بلہاری

چرنوں پر سیس نوانا اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے۔
شائق حیدر آبادی کا کلام ہے۔

مورے پیارے نبی تک گُجر نہیں رے
صدقے ہوتی میں لے کر بلائیں وہیں
ہائے آئے کبھی وہ ادھر نہیں رے
مورے پیارے نبی تک گُجر نہیں رے
(اعظم علی خاں شائق)

حضرت امجد حیدر آبادی کی نعتیہ نظم 'جوگن' میں ہندی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔عوام کی زبان کے الفاظ کو استعمال کرنے کا بھی سلیقہ ہونا چاہئے۔محسن کاکوروی کا مشورہ نعتیہ قصیدہ بہت مقبول ہے، جس میں کاشی ، متھرا ، گنگا جل، بوڑھوا منگل راجہ اندر بیراگی بھبھوت ،کنھیا وغیرہ الفاظ کے استعمال نے اس کو اور بھی دلکش بنادیا ہے۔

نعت گوئی میں ایک اور بحث شروع ہوگئی ہے کچھ لوگ آنحضرت کے لئے تیرا ،تم تمہارا یا تجھے تجھ کو وغیرہ الفاظ کا استعمال جائز نہیں سمجھتے ان کا کہنا ہے جو الفاظ ہم اپنے بزرگوں کے لئے استعمال نہیں کرتے انہیں نبیؐ پاک کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ کچھ سخنور اسے جائز سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں اہانت آمیز تخاطب نہیں ہے عقیدت ہی کارفرما ہے راقم الحروف محمد یسٰین مظہری کی رائے سے متفق ہے کہ یہ الفاظ رسالت مآب کی شان کے شایان نہیں ہیں تاہم اس میں توہین کا پہلو نہیں ہے سبھی نعت گو حضرات نے جوش عقیدت میں ان الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ مجھ بندۂ احقر کا خیال ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے ان الفاظ کے استعمال سے بچنا چاہئے لیکن اگر ممکن نہ ہوتو ان کا استعمال کیا جاسکتا ہے عقیدت بہرحال پیش نظر رہنی چاہئے۔

عرب میں کوئی ہولی نہیں مناتا اور آنحضرتؐ کے زمانے میں ہولی کھیلنے کا رواج کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔لیکن شاہ نیاز احمد بریلوی فرماتے ہیں۔

ہولی ہورہی احمد جی کے دوار

علی نبی کا رنگ بنو ہے حسن حسین کھلار
ایسو انوکھو چتر کھلاری رنگ دِہو سنسار
نیاز پیارا پھر پھر چھر کے دیکھ رنگ پچکار

شاہ واجد پریشان کی نعت کی زبان ملاحظہ کیجئے۔

کنت کنزاً کا دریا امڑا کیسا شور مچایا جی
کن فیکون کا ہلپا آیا کیا کیا موج دکھایا جی
ذات کا نور صفات میں آیا آپ میں آپ بھولایا جی
ان آنکھوں نے اچرج دیکھا بوند سمدر سمایا جی
احد احمد کا بھید جوپایا یہ چترنگ وہ گایا جی
بیرنگی سے رنگ میں آیا ادھ بُھت روپ دکھایا جی
خودی گنوائے خدا کو پائے یہ منتر من بھایا جی
جاؤں گُر واجد کے بلہاری جن یہ بھید بتایا جی

عبدالعزیز خالد کے نعتیہ قصیدے میں زبانوں کا سنگم نظر آتا ہے۔ ہندی الفاظ کا استعمال ملاحظہ فرمائیں۔

براجمان ہوئے آکاش پر مکٹ دھاری
سُلج سباس سے چھلکائے پریم رس پریتم
یہ سرب بھومی کا راجا ، مہابلی سمراٹ
اپارہ ، اتھاہ ، انت ایک انیک وشواتُم
یہی للن یہی یوگیشور یہی کانہا
سدآتما، اپراجت انوپم اور دُرگم
مہاپرش جسے آکار الکھ پرش کاکہیں
پسینہ جس کا ہے سونا سگندھ دیہہ ستم

سندر لال حمید تلہری کی نعت کملی والا منموہن، میں ہندی الفاظ کا استعمال خوبصورت طریقے سے کیا گیا ہے۔ بابا چھٹیو داس کی نعت' نام محمدؐ دو جگ پیارا' بابا گرودت داس کی نعت مگن بھئے منوانر

کھت نور، مہارا جا کشن پر شاد شاؔد حیدر آبادی کی نعت' موربطحا کا بسیا چھین لئیومن کو' وغیرہ بہت سی مثالیں اسی قسم کی موجود ہیں۔

ہندوستانی اثرات ، ہندی زبان کے الفاظ کا استعمال ، اوتار واد کے نظریئے کی اس مختصر معلومات اور تذکرے سے غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کا پس منظر کچھ واضح ہوجائے گا۔

ہیئتی اعتبار سے غیر مسلم شعراء کی نعتوں کا تجزیہ اور توضیح:

چند ناقدین سخن (مثلاً پروفیسر وہاب اشرفی) نعت کو اس لئے ایک صنف سخن قرار دینے پر متفق نہیں کیونکہ اس کی ہیئت مخصوص ومقرر نہیں۔لیکن اس طرح کی شرط یا قید تعینات کہ نعت ایک ہی ہیئت میں کہی جائے مناسب نہیں۔مختلف ہیئتوں میں نعت پیش کرنے سے تو اس صنف سخن میں تنوع ، وسعت اور دلاویزی بڑھی ہے۔نعتوں میں مثنوی ، غزل، قصیدہ، شہرآشوب، نظم، ترکیب بند، ترجیع بند، مرثیہ، نوحہ، مسدس، مخمس ، مثلث، رباعی ، سلام ومناجات وغیرہ مختلف اصناف واشکال سخن کا استعمال کیا گیا ہے۔مقامی زبان اور اثرات کے زیر اثر کچھ گیت ، لوری ، کجری، ٹھمری، دادرا، دوہے کے روپ میں بھی نعتیں کہی گئی ہیں۔ ان میں غیر مسلم شعراء نے بھی خوب خوب طبع آزمائی کی ہے۔ ہندو پاک میں جدید نعتوں میں کچھ ہیئتی تجربے بھی کئے گئے ہیں آزاد ونثری نظمیں، تین سطری نظمیں آزاد غزلیں، ماہیا، ترومینی، کہہ مکرنیاں، چوبولے ، ثلاثی کا استعمال کیا گیا ہے۔ درآمد شدہ جدید ترین ہیئتوں مثلاً سانیٹ، ہائیکو، واکا، ترائیلے کا استعمال بھی کیا گیا لیکن غیر مسلم شعراء نے نئے تجربات کم ہی کئے۔

i۔مثنوی : اردو نعت گوئی کے ابتدائی دور میں اس ہیئت کو پسند کیا گیا دکن میں معراج نامہ، ولادت نامہ شمائل نبی مثنوی میں لکھے گئے کیونکہ اس میں حقیقت نگاری،تسلسل اور چھوٹی بحر ہونے کی وجہ سے عوام اس کو آسانی سے پڑھ اور یاد رکھ سکتے تھے ۔کچھی نرائن شفیق کے معراج نامہ میں ۱۰۶ ابیات ہیں اس مثنوی کے چند اشعار پیش ہیں۔

عجائب رات تھی وہ نور افشاں — کہ ہر کوکب تھا اک مہر درخشاں
کہوں گر رات اس کو ہے تامل — کہوں گر دِن تو عالم میں پڑے غل
غرض غفلت سبھوں پر چھارہی تھی — خرد داروئے حیرت کھارہی تھی
سفیر نیک یے پیغام لایا — سلام حق کہا اور یہ سنایا

در حجرہ پہ دو آجوڑ کے ہات کہا سرور ترے پر حق کی صلوات
چل اٹھ اے شہ کہ ہے معراج تیرا غنی بھی آج ہے محتاج تیرا

لالہ پیم چند پیم ناگپوری کی مثنوی شاہ نامہ تصنیف ۱۱۳۰ھ سے دو اشعار پیش ہیں۔

ترا نام روشن زباں پہ دھروں تو باہر اور بھیتر اجالا کروں
جو صادق ترے نام پر ہے مدام تو ہیں اس کے رات اور دن صبح و شام

مہاراج کلیان سنگھ عاشق کلکتہ فرماتے ہیں۔

کہ لکھتے ہیں نعت رسول خدا مغیث الوراء ، خواجۂ دوسرا
محمدؐ ہے محبوب پروردگار محمدؐ ہے مطلوب پروردگار

موجودہ دور میں شیو چرن داس بھنگالوی کی مثنوی' پیغام عرفاں' مشہور ہے۔

غزل : اردو شاعری کی یہ مقبول ترین صنف ہے۔ زیادہ تر نعتیں بھی اسی صنف سخن میں لکھی گئیں ہیں ۔ اس میں ترنم رنگ تغزل ، اصلاحات وتلمیحات کا استعمال کیا جاتا ہے۔

پنڈت برجموہن لال تکو زیبا امرتسری فرماتے ہیں۔

سبق دنیا کو وحدت کا دیا حضرت محمدؐ نے دوئی کو دور ہر دل سے کیا حضرت محمدؐ نے
سبق پاکیزگی کا اور نیکی کا دیا سب کو بڑا احسان دنیا پر کیا حضرت محمدؐ نے

پنڈت بشن نرائن در فرماتے ہیں۔

ہو کس سے بیاں منزلت و شان محمدؐ ہے آپ خداوند ثنا خوان محمدؐ
پائیں گے گر حکم تو محشر میں فرشتے آنکھوں سے بجا لائیں گے فرمان محمدؐ

جناب جگنا تھ آنند فرماتے ہیں۔

مدح حُسنِ مصطفیٰؐ ہے ایک بحر بیکراں اس کے ساحل تک کوئی شیریں زباں پہنچا نہیں

سردار شیر سنگھ شمیم چھوٹی بحر میں نعتیہ غزل یوں فرماتے ہیں ۔

رواں ہوں جانب کوئے محمدؐ دکھا دے اے خدا روئے محمدؐ
ہیں عنبر بار گیسوئے محمدؐ صبا لائی ہے خوشبوئے محمدؐ

کرشن بہاری نور لکھنوی کہتے ہیں۔

وہ نور خدا کا ٹکڑا تھا کس طرح بھلا ہوتا سایہ — مٹی سے بنایا جاتا ہے جس جسم کا سایہ ہوتا ہے
گلزار محمدؐ کیا کہنا، بازار مدینہ کیا کہنا — ایمان کے سکے چلتے ہیں فردوس کا سودا ہوتا ہے

پیارے لال رونق دہلوی کی نعتیہ غزل کا انداز دیکھئے

تو ہے محبوب ، خدا چاہنے والا تیرا — مرتبہ سارے رسولوں سے ہے بالا تیرا
آہ کر ہجر محمدؐ میں سنبھل کر اے دل — عرش کے پار نکل جائے گا نالہ تیرا
گرمئی شوق مدینہ ہے تو ہاں بسم اللہ — جان بے تاب ہوا دیس نکالا تیرا

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی فرماتے ہیں۔

ہوشوق نہ کیوں نعت رسول دوسرا کا — مضموں ہوعیاں دل میں جو لولاک لما کا
ہے حامئ و ممدوح مرا شافع عالم — کیفی مجھے اب خوف ہے کیا روز جزا کا

پروفیسر تربھون ناتھ زارؔ دہلوی کے کلام میں تصوف ، ویدانت ،عرفانیت کا رنگ جھلکتا تھا، خالص غزلوں میں بھی ایک شعر حمد کا اور ایک نعت کا ہوتا تھا۔ اوائل عمری میں شمیمؔ تخلص کرتے تھے۔ تین گیتاؤں کے اردو ترجمے کئے۔ قرآن پاک کی آیات وتلمیحات ،عربی اور فارسی کلام کے کلاسیکل حوالے آپ کا خاص مذاق سخن تھا۔

انا الحق جزوے لا ینفک بنا ہے میرے ایقاں کا — یہی ہے قل ہو اللہ احد مستوں کے قرآں کا
الف الحمد کا قشقہ بنا ہے میرے ایماں کا — بنا ہمرشتہ زنار گلو، تارِ رگِ جاں کا
الم نشرح ہوا سرّ خفی ہذیان مستی میں — یہ خمیازہ ہوا اے زارؔ اپنے حال وجداں کا

جناب گوپی ناتھ امنؔ لکھنوی فرماتے ہیں۔

فراز عرش سے احمد سر فرش زمیں آئے — مبارک اہل دنیا رحمت اللعالمیں آئے
فرشتوں سے کہیں بڑھ کر ہے رتبہ ذات انساں کا — جو کردار محمدؐ دیکھ لو تم کو یقیں آئے
ثنا خوان پیمبر ذاکر آل پیمبر ہے — خدا ہی جانتا ہے بندہ مومن ہے کہ کافر ہے
عرب ہو،عجم ہو یا وادیاں گنگ وجمن کی ہوں — شب میلاد ذکر فضل احمد ہر زباں پر ہے

جناب گرسرن لال ادیبؔ لکھنوی کے دو اشعار پیش خدمت ہیں۔

قلم کو جب شرف حاصل ہوا نعت پیمبر کا — بنا ہر لفظ اک تعویذ خوف روز محشر کا
کہا خورشید نے یہ میرا حق ہے کیوں زمیں پائے — لیا آغوش میں کرنوں نے سایہ جسم اطہر کا

جناب شاؔد حیدرآبادی فرماتے ہیں۔

روکیں گے نہ دربار میں جانے کیلئے شاؔد　　پہچانتے ہیں سب مجھے دربان مدینہ

پنڈت ہری چند اخؔتر عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

کہہ دیا لا تقنطو اختر کسی نے کان میں　　اور دل کو سر بسر محو تمنا کردیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کردیا　　اک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا

بالمکند عرش ملیسانی کی نعتیہ غزل کے دو اشعار ملاحظہ کیجئے۔

کہہ حال دل کا شاہ رسالت مآب سے　　ہوبے نیاز ذکر عذاب وثواب سے
کہتی ہے خلق مجھ کو خراباتی بنی　　اچھا کوئی خطاب نہیں اس خطاب سے

کنورمہندر سنگھ بیدی سحؔر یوں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

یہ سینہ اور یہ دل دوسرا معلوم ہوتا ہے　　کوئی پردوں میں دل کے آچھپا معلوم ہوتا ہے

جناب آنند موہن گلزار زتؔشی دہلوی فرماتے ہیں۔

لا سے الا للہ کی بڑھ کر صدا دیتا ہے کون　　قل ہو اللہ احد ہم کو سنادیتا ہے کون
میں نے گلزار ارم خاک مدینہ کو کیا　　اس سے نسبت اور تعشق کی جزا دیتا ہے کون

☆☆

عشق رسول باعث رحمت ہوا قرار　　جنت بنا ہوا ہے مدینہ رسول کا
مست مئے الست ہے گلزار دہلوی　　بخشش کے واسطے ہے سہارا رسول کا

سردار کرنیل سنگھ پنچھی نگاہ کرم کے امیدوار ہیں۔

سمٹ ہی آئے گا عرش بریں پرواز میں اس کی　　اگر پنچھی پہ بھی نگۂ کرم، سرکار ہوجائے
اگر دیکھی محمدؐ تو نبوت آپ کی دیکھی　　کرم دیکھا، عمل دیکھا، مثالی زندگی دیکھی
یہاں سے مانگنے والا کبھی خالی نہیں لوٹا　　اگر دیکھی تو بندے کی عقیدت میں کمی دیکھی

درشن سنگھ درشؔن کے اشعار ہیں۔

روح انساں کو حقیقت سے ملانے والے　　مرحبا نغمۂ توحید سنانے والے
یاد میں تیری کروں مجھ کو یہ توفیق تو بخش　　وعدۂ روز ازل یاد دلانے والے

سیماؔب سلطانپوری

خدا کا دل میں جہاں احترام روشن ہے وہاں رسولِ خدا کا بھی نام روشن ہے
لبوں پہ نعت محمدؐ کے جل اٹھے ہیں چراغ دل ونظر کی فضائے تمام روشن ہے

آزاد غزل: اردو شاعری کی اس نئی ہیئت میں توازن کے ساتھ تسلسل کی زیریں لہریں ہوتی ہیں۔ روایتی حدود سے باہر نکل کر اس نے فکر کے اظہار کو وسعت بخشی ۔آزادؔ گلاٹھی فرماتے ہیں۔

اپنے اندر آگہی کی روشنی پھوٹی تو میں قلب نورانی میں آخر کھو گیا

قصیدہ: بقول ڈاکٹر محمدؐ اسمٰعیل، آزاد قصیدہ عالمی نعت کا نقش اولین ہے میمون ابن قیس اعشی نے نعت بنی قصیدے کی شکل میں لکھی۔ کعب بن زہیر اور حسان کے قصیدے بہت مشہور ہیں عربی میں زیادہ تر نعتیں قصیدے کی شکل میں کہی گئیں جبکہ فارسی میں نعتیہ قصیدے اور مثنوی کا زیادہ رواج تھا۔ اردو میں محمدؐ قلی قطب شاہ کے دیوان میں پہلے نعتیہ قصیدے ملتے ہیں۔ غیر مسلم شعراء نے بھی اس ہیئت کو اپنایا منورؔ لکھنوی ، پرکاش پرویزؔ ، پیارے لال رونقؔ، رتنؔ پنڈوری، کشن پرشاد شادؔ نے اس صنف میں طبع آزمائی کی مگر پورے لوازمات کے ساتھ قصیدے کم ہی نظر آتے ہیں۔

رباعی : غیر مسلم شعراء نے رباعیات بھی کہیں ہیں۔ چند مثالیں پیش ہیں۔

دلورام کوثریؔ

کیا پہنچا مسیحا جوفلک پر پہنچا مقصود کو اپنے نہ سکندر پہنچا
اللہ ، غنی کوثری اتنا چالاک گنگا سے جو پھسلا لب کوثر پہنچا

ستیہ پال اخترؔ رضوانی

از خاک عرب تابہ عجم مانتے ہیں ہاں صاحب الطاف وکرم مانتے ہیں
ہم دیر نشین بھی ہیں ترے مدح سرا رہبر جو تجھے اہل حرم مانتے ہیں

فراقؔ گورکھپوری

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے عزت میری پیش قد سیاں کھلتی ہے
کہدو کہ ملک گوش بر آواز رہیں مداح پیمبر کی زباں کھلتی ہے

کالیداس گپتا رضاؔ

ہر طور سے اس راز کو کھولا ہم نے سوپلڑوں میں اک بات کو تولا ہم نے

تحریر وہیں پائیں محمدؐ کی صفات جس گوشۂ دل کو بھی ٹٹولا ہم نے

قطعہ: اس ہیئت میں اشعار کی تعداد کی کوئی قید نہیں تسلسل ہونا ضروری ہے عموماً سخنور دو اشعار کا قطعہ کہتے ہیں۔

سرکشن پرشاد شادؔ:

کیونکر ہو نعت سرور عالیجناب کی ذرے سے مدح کیا ہو بھلا آفتاب کی
بعد خدا ہے آپ کی ہی ذات مستطاب وہ شان ہے ہمارے رسالت مآب کی

جناب کالیداس گپتا رضاؔ:

جو ہے اللہ کا بندہ وہ سب کا ہے ہمارا ہے خدا کا جو نہیں ہوتا ہمارا ہو نہیں سکتا
خدا کی بارگہ میں بے پیمبر کب رسائی ہے محمدؐ سے بڑا کوئی سہارا ہو نہیں سکتا

والد محترم امنؔ لکھنوی فرماتے ہیں:

میں کیا بتاؤں احمد مرسل نے کیا دیا دار فنا میں جینے کا رستہ بتادیا
اے امنؔ ایک بات میں ہر بات آگئی انسان کو حقیقتاً انسان بنادیا

جناب گلزارؔ دہلوی کا نعتیہ قطعہ ہے:

پرتوئے حسن ذات آئے تھے پیکر التفات آئے تھے
کذب اور کفر کو مٹانے کو سرور کائنات آئے تھے

نظم: اردو کی نعتیہ شاعری کے ابتدائی دور سے ہی نعتیہ نظمیں کہی گئی ہیں۔ سلطان محمدؐ قلی قطب شاہ کے دیوان میں گیارہ نعتیں موجود ہیں۔ اردو نظموں پر مغربی شاعری کے اثرات بھی نمایاں ہوئے۔ منظوم تراجم کے علاوہ طبعزاد نظمیں بھی منظر پر آئیں۔ نئے ہیئتی تجربے بھی ہوئے۔ پابند نظموں کے علاوہ آزاد نظمیں، نثری نظمیں، تین سطری نظمیں بھی کہی گئیں۔ غیر مسلم شعراء نے زیادہ تر پابند نعتیہ نظمیں کہی ہیں۔ پروفیسر تلوک چند محرومؔ کی سیرت نبوی، پنڈت تربھون ناتھ زارؔ دہلوی کی نعت' حقیقت لباس مجاز میں، امر چند قیس کی 'در ہائے عقیدت بہ در بار رحمت اللعالمین مشہور ہیں۔ اس سلسلے میں کئی اور نام بھی ہیں۔ شاد حیدر آبادیؔ، رونقؔ دہلوی' رگھونندن کشورؔ، کشورؔ رامپوری پر بھودیال عاشقؔ لکھنوی، شیش چندر طالبؔ دہلوی، راجیند ر بہادر موجؔ فتح گڑھی، چنڈی پرشاد شیداؔ

دہلوی ، کمالؔ کرتار پوری ، منور لکھنوی، شنکر لال ساقی، لچھمی نرائن سخا، سرداری لال نشترؔ میرٹھی گنیشی لال خستہؔ پنڈت ہر چند اختر وغیرہ۔

ترجیع بند: ترجیع بندہ کی ہر گرہ میں ایک ہی شعر کی تکرار ہوتی ہے۔لکھنؤ کی شاعرہ رام پیاری کے ترجیع بند ہندو و مسلم کو یکساں یہ میرا پیغام ہے، سے اقتباس پیش ہے۔

عورتوں پر ظلم کیا کیا کچھ نہ دنیا میں ہوئے — ہاں مگر ان کو محمدؐ نے بچایا ظلم سے
کی حمایت عورتوں کی مرتے دم تک آپ نے — تھی وصیت آخری ان کی اعانت کے لئے
عورتوں کو گھر کے کاموں میں مدد یتے تھے آپ — کام عورت سے جہاد و جنگ میں لیتے تھے آپ
آپ نے تعلیم لینا فرض عورت پر کیا — عورتوں کے سر پہ یہ احساں رہے گا آپ کا
ہندو و مسلم کو یکساں یہ میرا پیغام ہے — غور سے دونوں پڑھیں دانائی اس کا نام ہے

راجا مکھن لال مکھن کا ترجیع بند ہے ''نباشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہ''

حمید و احمد و محمود تم ہو یا رسول اللہ — سعید و اسعد و مسعود تم ہو یا رسول اللہ
بہر آن و زمان موجود تم ہو یا رسول اللہ — دل و جاں کے مرے مقصود تم ہو یا رسول اللہ
نباشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہ
بکن لطف و کرم بر اشک و آہم یا رسول اللہ

ترکیب بند میں ایک غزل کے طور پر کچھ اشعار مع مطلع لکھ کر اس کے بعد ایک اور بیت مقفیٰ یعنی مطلع بطور گرہ لگایا جاتا ہے۔دوسرے بند میں بند اول کا وزن قائم رکھا جاتا ہے اس کے بعد ایک اور بیت سے گرہ لگائی جاتی ہے۔ جتنے بھی بند لکھے جاتے ہیں ان کا وزن ایک ہوتا ہے لیکن بیت کا قافیہ مختلف ہوتا ہے دلو رام کوثریؔ ، عاشق لکھنوی ، رونق دہلوی، اندر جیت شرما، رام سروپ شیداؔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ وغیرہ کے اسمائے گرامی اس سلسلے میں مشہور ہیں۔

رونق :

تم وہ ہو حق نے بنایا جن کو شاہ انبیا — تم وہ ہو بالا ہے سب نبیوں سے جن کا مرتبہ
تم وہ ہو جن کو شرف معراج کا حاصل ہوا — تم وہ ہو عرش بریں ہے زینہ جن کے بام کا

نیر برج شرف بر آسمان معرفت
منکشف تم سے ہوا راز نہان معرفت

مسمط : (i) مثلث : ہر بند میں تین مصرعے پہلے تین کا ایک قافیہ ہو باقی میں دو مصرعے ہم قافیہ اور تیسرا مطلع کے بند کے قافیہ کا ہو کشن پرشاد شادؔ فرماتے ہیں۔

مکھ پر ڈالے میم کا پردہ موہ لیو سارے بندرابن کو
مورا بطحا کا بسیا چھین لیو من کو

(ii) مخمس: پانچ مصرعوں کے بند ہر بند کے چار مصاریع ہم قافیہ، پانچواں مصرع پہلے بند کے پانچویں مصرعے کا ہم قافیہ۔

پربھودیال دانشؔ

رحمت اللعالمیں دامان رحمت کا سوا زیب سرتاج شہی ، تاج شفاعت کے سوا
ہادیٔ خیر البشر ، راہ ہدایت کے سوا کس قدر اوصاف ہیں ان میں نبوت کے سوا
ساری دنیا میں بڑا ہے کون حضرت کے سوا
یا نبی المحترم ، یا خواجۂ ارض و سما یا رسول محتشم ، یا شافع روز جزا
ہادی کل امم ، یا مظہر نور خدا مرحبا اہلاً و سہلاً یا حبیب کبریا
السلام و السلام یا محمد مصطفیٰؐ

مسدس ، مرثیے میں یہ ہیئت بھی مقبول ہوئی بہت سے غیر مسلم نعت گو حضرات نے نعتیہ مسدس لکھے سحرؔ ، رونق، کمالؔ کوثریؔ، ادیبؔ لکھنوی، برج گوپی ناتھ بیکلؔ امرتسری ،منی لال جوان سنڈیلوی نے اس ہیئت میں اچھی نعتیں کہی ہیں۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ

مقدرات سے یہ اہتمام ہوجائے کہ میری روح کا یثرب مقام ہوجائے
جو کام عشق میں اپنا تمام ہوجائے حصول لذت کیف دوام ہوجائے
وصول ہو جو اجل سے پیام ہوجائے
زباں پہ جاری محمدؐ کا نام ہوجائے

ادیب لکھنوی

آؤ ہم سب مل کے بیٹھیں پیار کی باتیں کریں　　سرزمین یثرب و سرکار کی باتیں کریں
فخرآدم احمد مختار کی باتیں کریں　　دوجہاں کے سرور و سردار کی باتیں کریں

پریم کی گنگابہائی جس نے ریگستان میں
روح تازہ پھونک دی مٹتے ہوئے ایمان میں

جگنا تھ کمالؔ کرتارپوری:

سلام اے سرور عالم سلام اے مہرباں تجھ پر　　سلام اے ہادیِ دیں اے رفیق بیکساں تجھپر
سلام اے فخر ہستی ، اے شفیع عاصیاں تجھ پر　　سلام اے ظل اللہ اے نشان بے نشاں تجھ پر

کمالؔ بے نوا کو صدقے میں درد آشنا کردے
لگا کر آگ دل میں بے نیاز مدعا کردے

سلام:

اس کی ساخت وہیئت زیادہ تر غزل کی ہوتی ہے لیکن اس میں ممدوح کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ سلام غزل نہ بن جائے طرز تخاطب یا تشبیہ واستعارہ میں رنگ تغزل اس قسم کا نہ ہو جس طرح ایک مجازی محبوب کیلئے عاشقانہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اسی لئے سلام کہنا مشکل ہے۔

ادیبؔ لکھنوی

السلام اے رہبر دنیا و دیں　　السلام اے رحمت اللعالمیں
السلام اے فخر آدم السلام　　السلام اے نازش روح الامیں
تیرا نقش پا چراغ حق نما　　ہر سخن تفسیر قرآن مبیں

رانا بھگواندا س:

السلام اے شمع انوار جہاں　　السلام اے آئینہ دار کن فکاں
السلام اے سید کون و مکاں　　السلام اے واقف سرنہاں
السلام اے شاہ خوباں السلام　　نازش و رشک حسیناں السلام
روئے تو آئینہ اسرار حق　　رازدار سر یزداں السلام

جگناتھ آزاد

سلام اے جلوۂ معنیٰ سلام اے نور یزدانی — سلام اے وقت کی تقدیر کے ماتھے کی تابانی
سلام اے رحمت عالم ، سلام اے سید والا — سلام اے فخر آدم انبیاء کے طرۂ زیبا
سلام اے نازش و فخر وقارآدم فانی — سلام اے بزم تاریک جہاں میں شمع نورانی

شہر آشوب کی ایک مثال پیش ہے۔

رام سروپ شیدا

جو رو استبداد سے ہیں سب کے دل زخمی یہاں — چل رہی ہیں ہر طرف ظلم وستم کی آندھیاں
خون پانی ہو کے ہے اب اپنی رگ رگ میں رواں — وقت ہے امداد کا یہ اے بنیٔ انس وجاں
عرش اعظم سے ہے تیرے واسطے اترا سلام

مضطرب خلق خدا ہے وقت ہے یہ جلد آ — ہر طرف افلاس سے اک شور محشر ہے بپا
بھائی بھائی لڑرہے ہیں ہوگئے وقف بلا — نالہ ہائے دل سے اپنے گونج اٹھی ہے فضا
اب خدا کے واسطے لے لیجئے میرا سلام

گیت ٹھمری دادرا: نعت کی ہیئت پر جو مقامی اثرات ہوئے اس نے اس صنف کو عوام میں مقبول بنایا۔ اس پر قوالی کا بھی اثر ہے اور کچھ نعتوں کی بندشوں میں کلاسیکی موسیقی کے راگوں کی جھلک ہے۔ ان بندشوں کو لکھنے والوں کے نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے وثوق سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ غیر مسلم حضرات کا کلام ہے۔

راگ کھماج (قوالی)

جگ جیوتی سوامی اوتاری ترے روپ کے واری سیدنا — منموہن ، گردھر ،گردھاری ترے روپ کے واری سیدنا

راگ مانڈ واروڈی:

مہارا بطھا باسی لاڈلا تھاری باٹا نہاروں چھوں — مہارے آنگن آؤ صاحبا تھاری باٹا نہاروں چھوں

دادرا:

کوئی ایسی چاتر سکھی نہ ملی مجھے پی کے دوارے بٹھادیتی

میں نے راہ مدینہ بھی دیکھی نہیں مجھے بنہیاں ں پکڑ کے بتادیتی

ٹھمری:

تم ہی محمدؐ پارلگیا، بنی جی پارلگیا
گہری ندیا، اگم بھی دھارا اور گھاٹ گھاٹ
بنی جی پارلگیا

بابا بھاگو داس:

کانپت ہے تب سے جیا ہمرو کونے جتن لاگب پار کیسے کرب آئے لیجاؤں ہار
بھاگو سونچ مت کیجو ہیں محمدؐ سب کو بناہن ہار کیسے کرب آئے لیجاؤں ہار

بابا چھیٹو داس:

نام محمدؐ آس بڑی اب تیرے نام کی ٹیک پڑی ہے
چھٹیوو داس کی ارج یہی اب پار کرومری ناؤ اڑی ہے

مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ حیدرآبادی:

من ابھیلا کھ بڑھایو دیاّ
تمہرے آئی ہوں در جوا پہ سیاں آج بھکارن ہو
منساموری یہ ہے کہ تمہری چوکھٹ مورا مسکن ہو

من ابھیلا کھ

جب حشر کے تم جائیو دربارمیں اپنے مولیٰ کے
شاد کی منشاء یہ ہے ساجن ہاتھ میں تمھرا دامن ہو

من ابھیلا کھ

ہائیکو جاپانی شاعری کی صنف ہے۔ یہ ہیئت اردو شاعری میں مثلث سے ملتی جلتی ہے لیکن اوزان اور بحر میں فرق ہے۔ عاشقین سرکار دو عالم نے اس میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ یہ صنف ماہیا کے بہت قریب ہے ۔ ماہیا کے چار اوزان ہوتے ہیں۔

{	فعلن فعلن فعلن	{	فعلن فعلن فعلن
۱	فعلن فعلن فع	۲	فعلن فعلن فعلن
	فعلن فعلن فعلن		فعلن فعلن فعلن
{	مفعولین مفاعلین	{	مفعول مفاعلین
۳	فعل مفاعلین	۴	مفعول مفاعلین
	مفعول مفاعلین		مفعول مفاعلین

نعت گو شعرانے ماہیا میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ حیدر قریشی اور مناظر عاشق ہرگانوی اس تحریک میں پیش پیش تھے۔ مناظر عاشق ہرگانوی نے ماہیا نعتیہ مشاعرے بھی کرائے۔ اردو کا پہلا نعتیہ ماہیا مشاعرہ محی الدین غنی کی صدارت میں ہوا جس میں پروفیسر طلحہ رضوی برق مہمان خصوصی تھے۔ غیر مسلم شعرانے ان ہیئتوں میں نعتیں کہی ہیں لیکن ماہیا اور ہائیکو میں فرق کرنا مشکل ہے۔

کرشن کمار نیاز: ہاں شان محمدؐ پر ابھے شاستری کیا شان مدینہ ہے
جان و دل قربان اے میری شادابی
فیضیانِ محمدؐ پر یہ عکس مدینہ ہے

ہمت رائے شرما شاہ عرب جیسا
کوئی قابل غور نہیں
واللہ کوئی اور نہیں

غرضیکہ اردو شاعری میں نعتیں مختلف ساختوں اور ہیئتوں میں کہی گئیں ہیں۔ کچھ کا تذکرہ مندرجہ بالا سطور میں ہو چکا ہے کچھ باقی ہیں جیسے چودہ مصرعوں کی نظم سانیٹ جس کے تین بند ہوتے ہیں جن میں پہلا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرا اور تیسرا مصرعہ ہم قافیہ ہوتے ہیں جبکہ ۱۳ویں اور چودھویں مصرعوں کا قافیہ الگ ہوتا ہے۔ سانیٹ، ترائیلے، واکا، دوہے لوری، ترویں، کہہ مکرنیاں۔ چوبولے، کجری وغیرہ میں بھی طبع آزمائیاں کی گئی ہیں۔

(iii) موضوعات نعت : لغت گوئی کا میدان بہت وسیع ہے کیونکہ ممدوح کے فضائل لاحدود اور بے حساب ہیں جن کے آگے قوت پرواز تخیل بھی پر بستہ ہوجاتی ہے۔ کوئی سخنور کسی بھی موضوع پر کتنی ہی طبع آزمائی کیوں نہ کرے لیکن تکمیل کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ایک ایسا ممدوح

جس کی شخصیت فرش سے عرش تک ہو اس کی مدح اور اوصاف بیان کرنے کے لئے علم وبصیرت ، صدق واخلاص ،محبت رسول ، شاعرانہ صلاحیت کے ساتھ ساتھ اسلامی وتاریخی معلومات بھی ضروری ہے ۔ آنحضرتؐ کی ہستی مبارک میں ظاہری اور باطنی دونوں ہی حسن وجمال موجود تھے آپ کا کمال خلق لوگوں کے دلوں کو جیت لیتا تھا۔ اسی لئے لغت کا میدان بہت کشادہ و وسیع ہے اور موضوعات اتنے متنوع کہ انہیں ایک مختصر مقالے میں سمیٹ پانا میرے لئے ممکن نہیں پھر بھی جب دل ہی کاوش کا تقاضہ کرے تو قلم اٹھانا ہی پڑتا ہے اس لئے کچھ ہی موضوعات کا انتخاب کیا گیا ہے۔

غیر مسلم شعراء میں جو موضوعات مقبول ہوئے وہ ہیں مدح وسیرت ،حسن وجمال ، شمائل وخصائل اوصاف وفضائل ،معجزات (خاص طور سے شق القمر اور معراج) ارشادات وتعلیمات نبوی یہ فہرست بہت طویل ہوسکتی ہے لیکن وقت اور مقالے کی حدود یا تعیناتی مجبوریاں طوالت کے مانع ہیں۔ ان موضوعات پر مختصراً کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں ۔

ولادت۔ اس موضوع پر غیر مسلم شعرا نے آنحضرتؐ کی ولادت سے قبل عرب کی حالت بنی نوع انسان کی گمرہی عالم کی پریشانی اور ولادت کے بعد عرش وفرش پر انوار رحمت اور خوشیوں کا ماحول وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے مثلاً ادیبؔ لکھنوی فرماتے ہیں۔

تھی رسول پاک سے پہلے جہالت ہر طرف　　تھا عرب کی سرزمین پر دور ظلمت ہر طرف
بھائی بھائی میں بھی تھی رسم عداوت ہر طرف　　معجزہ کس کا تھا جو پھیلی اخوت ہر طرف
آئی بت خانوں سے بھی اللہ اکبر کی صدا
حمد خالق کی صدا ، نعت پیمبر کی صدا

جناب جگناتھ کمالؔ کرتارپوری ولادت رسول پاک کا ذکر فرماتے ہوئے زمین وآسمان کی رونق یوں بیان کرتے ہیں۔

ربیع الاول آتے ہی جہاں میں تازگی آئی　　گلستان تمنا میں بہار سرمدی آئی
اسی کی بارہویں شب بھی بشان دلبری آئی　　ندا یہ غیب سے آئی کہ روح زندگی آئی
مجسم ہوکے نور سرمدی آیا بشر ہوکر
جناب آمنہ کی گود میں آیا پسر ہوکر

مبارکباد دینے کے لئے روح الامین آئے　　مبارک ہو کہ بزم دہر میں خلوت نشین آئے
امین جنس وحدت آئے ختم المرسلین آئے　　محمدؐ مصطفیٰؐ ، محبوب رب العالمین آئے
وہ استاد ادب عالی نسب ، ماہ عرب آیا
وہ مقصود طلب ، کل کا سبب ، امی لقب آیا

عرشی تھے نور ذات کو تاباں کئے ہوئے　　قدسی تھے شمع دل کو فروزاں کئے ہوئے
فرشی تھے دل کے باغ نمایاں کئے ہوئے　　ساری خلا ملا تھی چراغاں کئے ہوئے
لطف خلش دبا کے دل بیقرار میں
عالم سنور کے بیٹھ گیا انتظار میں

حسن وجمال: یہ موضوع ایسا ہے جس میں سخنوروں کو جو لائق طبع دکھانے کا بھرپور موقع ملتا ہے۔ تذکرۂ حسن وجمال تو ویسے بھی شاعروں کا پسندیدہ موضوع رہا ہے اور آنحضرتؐ تو حسن ازل کے پیکر تھے جن کے جمال کے متعلق صوفیائے کرام نے شمس الضحیٰ اور بدر الدجیٰ کی لفظی تراکیب استعمال کی ہیں جن کے گیسوؤں اور زلفوں کو 'اللیل' کی تفسیر کہا گیا ہے ۔ درگا سہائے سرور جہان آبادی بیانؔ ویزدانیؔ میرٹھی کی لغت پر تضمین کرتے ہوئے دو عالم کے حسینیوں سے نرالے آقا کو یوں بلاتے ہیں۔

نہیں خورشید کو ملتا ترے سائے کا پتہ　　کہ بنا نور ازل سے ہے سراپا تیرا
اللہ اللہ ترے چاند سے چہرے کی ضیا　　کون ہے ماہ عرب، کون ہے محبوب خدا
اے دو عالم کے حسینیوں سے نرالے آجا

پربھودیال مصرا عاشقؔ لکھنوی:

عارض روشن کی شوخی سے ہوا خورشید مات　　مصحف رخ دیکھ کر چھپتا پھرا مہتاب رات
الامیں تھی کون کعبہ میں بجز حضرتؐ کی ذات　　ظاہر وباطن کے جلووں سے ہوئی ظاہر یہ بات
حسن سیرت بھی تھا ان میں حسن صورت کے سوا

عرش ملیسانی:

رخ مصطفیٰؐ کا جمال اللہ اللہ　　زباں کا وہ حسن مقال اللہ اللہ

نگاہوں پہ جادو، دلوں پر تسلط جمال اللہ اللہ جلال اللہ اللہ

امر چند قیس جالندھری:

آنکھ میں تیری مستتر شان جلال عزوجل رخ پہ تیرے ضیا فگن نور جمال لم یزل
فرق پہ تیرے جلوہ ریز افسریٔ ختم رسل قلب میں تیرے موجزن بحر فضیلت عمل
صل علی محمدٍ صل علی محمدٍ

شیو بہادر سنگھ دلبر

میرے نبی کا روشن چہرہ اور مثالی آنکھیں ہیں "لوح جبیں" ہے مصحف قرآں نور میں ڈھالی آنکھیں ہیں

سردار شیر سنگھ شمیم

ہیں عنبر بار گیسوئے محمدؐ صبا لائی ہے خوشبوئے محمدؐ

اروڑہ رائے اورہ

تاتار و مشک و نافہ و عنبر کروں نثار حضرتؐ کی ایک زلف معنبر کے سامنے

چھنولال نافذ دہلوی

مشک وعنبر کو میسر نہ وہ پھولوں کو نصیب آپ کی زلفوں سے بہتر کوئی خوشبو بھی ہے
ہوئی ہے شان میں واللیل نازل یہ ہے وصف آپ کی زلف دوتا کا

آنحضرتؐ کے بے سایہ ہونے کے متعلق جناب ادیب لکھنوی فرماتے ہیں۔

کہا خورشید نے یہ میرا حق ہے کیوں زمیں پائے لیا آغوش میں کرنوں نے سایہ جسم اطہر کا

مہادیو پرشاد سامی:

عرش بریں پہ آج درخشاں وہ نور ہے جس سے فروغ شمع سرکوہ طور ہے
ہاں کیوں نہ ہو یہ نور ہے اس شاہ کا کہ جو محبوب حق ہے شافع یوم نشور ہے

نبی پاک کے بے سایہ ہونے کے متعلق کماری روپ کنوار توجیہہ پیش کرتی ہیں۔

جاسکا نور الٰہی سے نہ ہٹ کر سایہ رہ گیا جسم منور سے لپٹ کر سایہ

نور کا سایہ کہاں ہوتا ہے۔

یعنی خورشید رسالت ہیں شہنشاہ زماں جب ہیں خورشید تو خورشید کا سایہ ہے کہاں
قول قرآں کا یہ ہے ظل الٰہی ہیں حضورؐ اب تو ثابت ہوا یہ نور کا سایہ بھی ہے نور

سیرت نبوی: سیرت نبوی تمام عالم کے لئے شمع ہدایت ہے آپ کی سیرت سے غیر مسلم شعراء بھی متاثر ہوئے ہیں۔ سیرت کے مختلف پہلوؤں پر اشعار کہے گئے ہیں۔ پروفیسر تلوک چند محرومؔ نے آنحضرت ﷺ سے متعلق ایک واقعہ اپنی نظم سیرت نبوی ، میں منظوم کیا ہے۔ ایک یہودی کے جنازے کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور روئے مبارک پر حزن وملال کے آثار نمودار ہوئے۔ صحابہ کرام نے کہا ' یہ تو مسلمان نہیں ہے پھر تعظیم جنازہ کیوں اور غم کس لئے ؟ رسول پاک نے کہا ''وہ بھی تو ایک بندۂ خدا تھا'' اسی طرح بابو شمبھو دیال دانشؔ کی نظم اخلاق محمدؐی میں آنحضرت ﷺ کی ہمت اور استقلال کا ذکر ہے۔ آنحضرتؐ گھر سے باہر کہیں محو خواب تھے۔ ایک شخص نے جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا آپ کو نیند سے بیدار کر کے اور تلوار اٹھا کر پوچھا ' اب تیرا حامی کون ہے بتا'' رسول اکرم نے فرمایا'' میرا حامی ہے رب اللعالمین'' آپ کی ہمت واستقلال کو دیکھ کر وہ شخص شمشیر پھینک کر آپ کے قدموں پر گر پڑا۔

اوصاف وفضائل۔ اس موضوع پر بھی سخنوروں نے مدح سرائی کی ہے شاد حیدر آبادی فرماتے ہیں۔

سردفتر کون ومکاں، شاہنشۂ دنیا ودیں — حمد محمد مصطفیٰؐ محبوب رب اللعالمین
ہیں سالک راہ صفا، ہیں مالک و ملک خدا — ان کے لئے سب کچھ ہوا خورشید مہ، چرخ بریں
شمس الضحیٰ ، بدر الدجیٰ ، خیر الورا، نور الہدیٰ — شان خدا ، فضل اللہ، شاہنشۂ کرسی نشین
ختم رسل ہادیٔ کل، ہیں باعث ہر جزو کل — سلطان دیں، شمس الیقیں، ہیں رحمت اللعالمین

چنڈی پرشاد نگم شیداؔ دہلوی:

رفیق بھی ہے خلیق بھی ہے شفیق، رمز طریق بھی ہے — وہ ایک بحر عمیق بھی ہے بشر فرشتہ جناب بھی ہے
شفیع بھی ہے رفیع بھی ہے سمیع بھی ہے خبیر بھی وہ — بصیر بھی ہے نصیر بھی ہے مگر وہ امی خطاب بھی ہے

امر چند قیسؔ جالندھری:

وہ حسن سیرت کا ہے مرقع، جمال حق ہے جمال اسکا — وہ پیکر فطرت معلیٰ شبیہ خلق عظیم بھی ہے
وہ معنی حسنِ آفرینش ، نظر نواز ہر اہل بینش — حبیب رب جلیل بھی ہے جمیل بھی ہے سلیم بھی ہے
وہ علم عرفاں کا ہے مدینہ خزینۂ راز اس کا سینہ — وہ پیکر نور سرمدی ہے وہ حسنِ خلق عظیم بھی ہے

جناب موسیٰ کلیم تھے میں بھی مانتا ہوں کلیم انکو مرے پیمبر کا ہے یہ رتبہ جلیل بھی ہے کلیم بھی ہے

تلمیحات : نعت گو حضرات نے تلمیحات کو بھی نظم کیا ہے۔ کہیں کلیم وطور کا قصہ ہے تو کہیں کنکریوں کے بولنے کا ذکر ہے۔ رام داس مصرا قابلؔ لاہوری کی ۱۵۲ اشعار پر مشتمل نظم میں کئی احادیث ،قرآنی تلمیحات ومعجزات رقم کئے گئے ہیں۔ کمال کرتار پوری ولادت رسول کے متعلق نعتیہ مسدس میں فرماتے ہیں۔

غریبوں کے نہال آرزوئے دل پہ پھل آئے گرے مینار کسریٰ کفروبدعت میں خلل آئے
بجھا آتش کدہ جب مظہر نور ازل آئے زمیں چومی بتوں نے سجدے میں لات وجبل آئے

امین آمنہ سے بزم ہستی جگمگا اٹھی
زمانے بھر میں امیدوں کی کھیتی لہلہا اٹھی

مدینہ: دیار حبیب یعنی مدینہ اور سبز گنبد کے مکیں کا تذکرہ تقریباً ہر نعت میں ملتا ہے ۔ نعت کہنے والوں نے وہاں جانے کی تمنا کا اظہار کیا ہے۔ سردار کرنیل سنگھ پنچھی کی عقیدت ملاحظہ کیجئے۔

عقیدت کہہ رہی ہے آج اس کی چوم لوں آنکھیں کہ جس نے گنبد خضرا پہ چھائی چاندنی دیکھی
نہ ہومایوس پنچھی ایک زیارت یوں بھی ہوتی ہے اسی کو دیکھ لے جس نے مدینے کی گلی دیکھی

کچھی نرائن سخا فرماتے ہیں۔

ادب سیکھو، کروہر ہر قدم پر شوق کے سجدے حرم والوں مدینے کا سفر یوں ہوتو بہتر ہے

ہری چند اختر کی نعت سبز گنبد سے ایک شعر پیش ہے۔

سبز گنبد کے اشارے کھینچ لائے ہیں ہمیں لیجئے دربار میں حاضر ہیں اے سرکار

شادؔ حیدر آبادی کہتے ہیں:

مدینے کو چلو دربار دیکھو رسول اللہ کی سرکار دیکھو
نظر آتی ہے واں شان خدائی درودیوار کے انوار دیکھو

روشن لال نعیمؔ کا شعر ہے۔

اے شیخ تجھی کو رہے فردوس مبارک کافی ہے مجھے گوشۂ گلزار مدینہ

سالگ رام سالک:

سرمہ کی طرح آنکھوں میں سالک میں لگاؤں ہاتھ آئے جو خاک درمولائے مدینہ

وشنو کمار شوقؔ لکھنوی کا ارمان ملاحظہ کیجئے۔

لڑاتا ہے نظر سورج سے ہر ذرہ مدینے کا — رسول اللہ سے اتنا بڑھا رتبہ مدینے کا
جو محبوب خدا ہے کیف اس کا کارفرما ہے — انوکھا کیوں نہ ہو عالم سے میخانہ مدینے کا
جہاں کا گوشہ گوشہ نور حق سے ہوگیا روشن — دکھاتا ہے کچھ ایسے جلوے آئینہ مدینے کا
بس اب تو شوق دل میں اک یہی ارمان باقی ہے — کسی صورت پہنچ کر دیکھ لوں روضہ مدینے کا

معجزات: نعت کہنے والوں نے ممدوح کی فوقیت اور برتری پیش کرنے کے لئے معجزات نبیٔ پاک کو بھی رقم کیا ہے ۔ کچھ واقعات بھی نظم کئے گئے ہیں مثلاً ۸/فروری ۱۹۲۷ء کو جبلپور میں ایک درخشندہ ستارے کے ٹوٹنے سے لوگوں کو فلک پر آنحضرتؐ کا اسم مبارک محمدؐ لکھا نظر آیا۔ اس واقعہ پر جبلپور میں ایک نعتیہ مشاعرہ ہوا جس میں حاصل بزم مہادیو پرشادؔ سامی تلمیذ جناب مضطر خیر آبادی کی نظم تھی ۔ مٹھی میں کنکریوں کے صدا دینے کے واقعے کو امر چند قیس جالندھری یوں نظم کرتے ہیں ۔

مردے زندہ ہوگئے تھے عیسوی اعجاز سے — بول اٹھے مٹھی میں پتھر آپ کی آواز سے
طور پر موسیٰ ہوئے تھے غش کسی کے ناز سے — آپ کو خلوت میں بلوا کر عجب انداز سے
حق نے ہر راز حقیقت آشکارا کر دیا

شق القمر کے متعلق شنکر لال ساقیؔ سہارنپوری یوں نغمہ خواں ہیں۔

معجزہ شق القمر کا دیکھ کر کہتے ہیں سب — بالیقیں دانائے اسرار نہاں یہ ہی تو ہیں

دلورام کوثریؔ فرماتے ہیں:

پیمبر کی انگلی کا ہے وہ نشان — رخ مہ پہ سمجھا جسے خال ہے

یا

انگلی کے اک اشارے سے شق القمر کیا — کتنا ہے اختیار فلک پر رسول کا

واقعہ معراج پر بھی خوب خوب اشعار کہے گئے ہیں کیونکہ اس واقعہ سے سخنوروں کے پرواز تصور کو زمین سے آسمان تک کی وسعت مل گئی۔ منظر نگاری کے لئے فرش سے عرش تک کے جلوے، اللہ سے اس کے حبیب کی ملاقات ، قاب قوسین کا نظارہ۔ حوروغلمان ، قدسی وملائک ، مہ ونجوم

سخنوروں کے لئے کیا کیا کچھ ہے جو ان کے اشعار کو زینت بخشتا ہے۔ اردو کے پہلے غیر مسلم نعت گو لچھمی نرائن شفیق نے ۱۰۶ ابیات پر مشتمل معراج نامہ' منظوم کیا ہے۔ شنکر لال ساقیؔ سہارنپوری نے چاندنی کی ردیف میں شب معراج میں جمال محمدؐی کی جلوہ گری کو یوں نظم کیا ہے۔

تھی شب معراج میں سارے فلک پر چاندنی — نور محبوب خدا سے تھی منور چاندنی
ساقیا جس جا کہیں جاتے ہوئے ٹھہرا براق — بن گئے قندیل تارے فرش چادر چاندنی
کیا کہوں جلوہ تھا کیا صلی علیٰ صلی علیٰ — رہ گئی تھی دیکھ کر حیران ششدر چاندنی
فلک پر دھوم ہے شاہ دو عالم آنے والا ہے — مدینے کی زمین سے عرش اعظم تک اجالا ہے
ہجوم نجم سے ہے صورت آرائش محفل — ہر اک جا چاندنی کے فرش کا نقشہ نرالا ہے
کھڑے ہیں صف بہ صف قدسی ادب سے اپنے موقع پر — بہم مل جل کے تخت عرش کاندھے پر سنبھالا ہے

بھگوان داس بھگوانؔ یوں منظر کشی کرتے ہیں۔

عرش حق کی طرف جب چلے مصطفیٰؐ — جلوہ آرا تھا ہر سمت نور خدا
کہکشاں سے بنا اک نیاراستہ — فرش خاکی سے تاسدرۃ المنتہیٰ
احتراماً تھے ایستادہ جن و ملک — نغمہ گر حوروغلماں تھے صل علیٰ

رائچور دکن کے وکیل راگھوراؤ جذب کا انداز بیاں ملاحظہ کیجئے۔

معراج میں سب چیزیں انہیں دیکھ رہی تھیں — پر حق کے سوا تھا نہ وہاں روئے محمدؐ

چنڈی پرشاد شیداؔ فرماتے ہیں

وہ قاب قوسین کا نظارہ حبیب کہہ کر جسے پکارا — احد کا احمد سے اشارہ سوال بھی ہے جواب بھی ہے

راجندر بہادر موجؔ شب معراج کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

نور ہی نور ہے تا عرش بریں آج کی رات — راستہ تکتے ہیں جبریل امیں آج کی رات
ہیں وہی پھول وہی روز کے ماہ وانجم — جانے کیوں لگتی ہے ہر چیز حسین آج کی رات
جلوہ افروز ہے وہ نور یقیں نور تمام — عرش اور فرش میں کچھ فرق نہیں آج کی رات
مذہب وقوم سے محدود نہیں فیض رسول — جھک گئی سارے زمانے کی جبیں آج کی رات

تعلیمات وارشادات نبوی کے حوالے تو غیر مسلم شعراء کی نعتوں میں ملتے ہیں لیکن ان پر تفصیل سے کم ہی لکھا گیا ہے۔ پھر بھی کچھ اشعار پیش ہیں ۔ شیو چرن داس بنگھالوی اپنی نظم پیغام

عرفان میں فرماتے ہیں ۔

دلاویز ہے قابل داد ہے محمدؐ کا کیا خوب ارشاد ہے
خلاصہ ہے قرآں کے فرمان کا کہ لالچ نہ کر مال کا جان کا
غریبوں کی خدمت ہو تیرا شعار اسی میں ہے مستور راز وقار
درندوں کی عادات سے باز آ بدی سے ، برائی سے ، خود کو بچا

رام پیاری صاحبہ اپنے نعتیہ ترجیع بند میں آنحضرتؐ کے عورتوں کے متعلق ارشادات اور انسانوں میں باہمی الفت کے لئے آنحضرت کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے کا مشورہ دیتی ہیں مہاراجہ کشن پرشاد شاد فرماتے ہیں۔

تاکید اخوت کی تھی ہر فرد بشر کو تا ہونے نہ پائے کبھی آپس میں لڑائی

جناب مہر لال سونی ضیاؔ فتح آبادی نے تعلیم اسلام کے عنوان سے جو نظم لکھی اس میں ارشادات وتعلیمات نبوی کی جھلک ہے۔

پیام ملت و دیں و کل جہاں کو پہنچاؤ مثال ابر بہاراں فضا پہ چھا جاؤ
گداوشاہ میں کچھ امتیاز تم نہ کرو کسی غلام سے بھی احتراز تم نہ کرو
نجات مذہب وملت کے اتحاد میں ہے نوید عشرت باقی خدا کی یاد میں ہے
ستم کا نام مٹادو جہان ہستی سے کرودلوں کو مسخر سرورمستی سے
جیو تو ذوق عبادت کی مستیاں لے کر مرو تو خون شہادت کی سرخیاں لے کر

رسول پاک کی شخصیت اتنی بلندووسیع ومتنوع ہے اس میں اتنی جہتیں اور پہلو ہیں کہ یہ خزانہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔سخنوروں کو موضوعات ملتے ہی رہیں گے۔

نعت گوئی کے ارتقا میں غیر مسلموں کا حصہ:

طریق عبودیت کی بنا پر حد بندیاں قائم کرنا دانشمندی نہیں ہے تاہم اردو اور ہندوستان کو یہ اہمیت وفضیلت ضرور حاصل ہے کہ یہاں کے غیر مسلم شعراء نے نعت کے میدان میں خوب خوب طبع آزمائی کی ہے جس کا مقابلہ تعداد شعرا اور کلام کے اعتبار سے دنیا کے دوسرے ممالک کے غیر مسلم نعت گو نہیں کرسکتے۔ ڈاکٹر ریاض مجید کی رائے ہے۔'' یہ فخر برصغیر کے غیر مسلم شاعروں کو ہی حاصل ہے کہ انہوں نے نعت میں نمایاں طور پر اضافہ کیا ہے۔ جناب عبدالمتین عارف فرماتے ہیں غیر مسلم

شعراء نے اردو شاعری کے ہر دور اور ہر موڑ پر جو کچھ کیا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر کے الفاظ میں ' نعت کے ہند وشعرائے متقدمین کی تعداد بے شمار ہے جن میں چند نعت گو شعراء کی فکری اور شعری حیثیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ کا خیال ہے اردو کے غیر مسلم شعراء میں خصوصیت کے ساتھ ہر دور میں چند نعت گو شعراء نظر آتے ہیں جنہوں نے کچھ تو رسم شاعری کے طور پر اور کچھ نے گہری عقیدت کے ساتھ نعتیں لکھی ہیں۔ ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی فرماتے ہیں۔''اردو نعت کے سرمایہ میں توسیع کا اعزاز ان شعرا کو بھی حاصل ہوا جنہیں معروف ایمانی مفہوم کے ساتھ وابستگان رسول میں کبھی شمار نہیں کیا گیا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ان شعراء نے نبیٔ رحمت سے اپنی والہانہ وابستگی اور پر خلوص عقیدت کو ایسے اشعار میں پرودیا ہے کہ ان کی نعتوں پر امت محمدیؐ سے وابستہ افراد بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

کچھ تنگ نظر حضرات نے غیر مسلم شعرا کی نعت گوئی'' پر اعتراض کیا لیکن میں تو یہ عرض کروں گا کہ غیر مسلم سخنوروں کی حوصلہ افزائی کرنا تو سنت نبوی ہے۔ نعت گوئی پر ایمان کی بندش تو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی نہیں لگائی گئی۔ مشہور شاعر میمون ابن قیس اعشیٰ نے نعتیہ قصیدہ کہا۔ حضرت کعب بن زہیر نے قصیدہ بانت سعاد کہا جس پر آنحضرت نے چادر عطا فرمائی اور اکیاون ویں شعر پر اصلاح فرمائی ۔ غیر مسلم شعراء کو بھی لازم ہے کہ وہ تعلیمات قرآن ، ارشادات نبوی کا خیال رکھیں اور جو حقائق اور تلمیحات لکھیں وہ صحیح ہونے چاہئیں۔ راقم الحروف تو ہر اس شاعر کی کاوش کو مستحسن مانتا ہے جو اپنے کلام سے مختلف فرقوں کو قریب لانے کی کوشش کررہا ہے۔

جناب ناوک حمزہ پوری اپنے مضمون نعتیہ شاعری کے آداب میں اس معاملے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں'' جہاں تک اردو کا سوال ہے اس کی ابتداء اور ارتقا میں مسلمانوں کے دوش بدوش غیر مسلم شعراء کا بھی بڑا ہاتھ ہے چونکہ دوسری تمام اصناف سخن کے ساتھ اردو شاعری کی ایک اہم صنف نعت بھی ہے اسی لئے غیر مسلم شعراء نے اس میں خوب خوب طبع آزمائی کی ہے اور ہنوز کررہے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی حدتک نعت کو ایمان کے ساتھ جوڑ کر دیکھنا مناسب نہ ہوگا۔

عظیم ہستیاں تو تمام عالم اور بنی نوع انسان کے لئے رحمت ہوتی ہیں جس سے سبھی فیضیاب ہوتے ہیں۔ ان کے کرم وفیض کو ایک خطہ یا ملت تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ کیا سورج کی روشنی کو کسی خاص فرقے یا خطے تک محدود کیا جاسکتا ہے؟ ایسی ہستیاں اپنی سیرت اور آفاقی پیغام کے

ذریعے سب سے خراج تحسین وعقیدت حاصل کرلیتی ہیں۔ میرے والد محترم جناب امن لکھنوی نے پاکستان میں حسین ڈے پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

حسین ابن علی کو سلام کرتا ہوں کہ اس سے کسب فیوض دوام کرتا ہوں
نہیں ہے مصلحت آمیز اعتقاد مرا پئے طہارت دل اہتمام کرتا ہوں

جو امن صاحب نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق فرمایا وہی کم وبیش غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کی بنیاد ہے۔ یعنی عقیدت سے طہارت قلب وذہن اور روح کو بیدار ومنور کرنا۔ امن صاحب آنحضرتؐ کو فقط مسلمانوں کی ہی متاع نہیں مانتے۔

شفیع امم رحمت عالمیں ہے فقط وہ متاع مسلمان نہیں ہے

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر فرماتے ہیں ۔

ہم کسی دین کے ہوں صاحب کردار تو ہیں ہم ثنا خوان شہ حیدر کرار تو ہیں
نام لیوا ہیں محمدؐ کے پرستار تو ہیں یعنی مجبور پئے احمد مختار تو ہیں
عشق ہوجائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

دلورام کوثری کہتے ہیں۔

کچھ عشق پیمبر ہی نہیں شرط مسلماں ہے کوثری ہندو بھی طلبگار محمدؐ

فراق گورکھپوری آنحضرتؐ کو امت اسلام تک محدود کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔

انوار بے شمار ہیں معدود نہیں رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمدؐ کا مقام وہ امت اسلام میں محدود نہیں

جناب چندر پرکاش جوہری نعت گوئی کے لئے تخصیص مذہب وملت کے حق میں نہیں ہیں۔

میں کافر ہو کے بھی ایمان رکھتا ہوں محمدؐ پر کوئی انداز تو دیکھے مری کافرادائی کا
نہیں ذکر محمدؐ کے لئے تخصیص مذہب کی یہ کس نے کہدیا آخر کہ مسلم کی زباں تک ہے

☆☆

تخصیص کوئی مذہب وملت کی نہیں ہے اس رحمت عالم کی دعا سب کے لئے ہے

شیو بہادر سنگھ دلبر فرماتے ہیں:

بلا تفریق وہ سب کے لئے ہیں رحمت عالم میں ہندو ہوں مجھے بھی رحمت عالم سے نسبت ہے

وسیع القلبی اور بلند نظری تو ہندوستان کی روایت رہی ہے۔ نعت گوئی بھی ہمارے شعرو ادب کا وہ زرین سرمایہ ہے جس کے رشتے ہماری تہذیب وتاریخ سے جڑے ہیں۔

اُردو نعتیہ شاعری کے ادوار میں غیر مسلم نعت گو: قدیم دور سے ۱۸۲۰ء تک اردو شاعری کئی ادوار سے گذر چکی ہے۔ اس کی ابتدا کے متعلق بھی اختلاف رائے ہے۔ بقول ڈاکٹر محمدؐ اسمٰعیل آزاد فتح پوری اردو کی نعتیہ شاعری کا آغاز ملا داؤد ساکن ڈلمو ضلع رائے بریلی کی تصنیف کردہ مثنوی چندائن سے ہوا ہے اس مثنوی کی زبان اُردو ہے۔ یہ مثنوی بعہد فیروز شاہ تغلق ۷۸۱ھ (مطابق ۱۳۷۹ء) مکمل ہوئی۔ اس مثنوی کے چھٹے بند میں رسول اکرم کی شعری توصیف کی گئی ہے[۱]۔ نمونتاً دو اشعار پیش ہیں۔

پرش اک سرجن اجیارا ناؤ محمدؐ جگت پیارا

جہہ لگ سے پر تھمی سری دوتہ ناؤں منادی پھری

بقول مولوی نصیر الدین ہاشمی اردو کی پہلی نعت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے رقم کی تھی[۲] خواجہ محمد حسینی بندہ نواز گیسودراز گلبرگہ تشریف لائے ۔ اردو نعت گوئی کا دور اول آپ کے زمانے سے شروع ہوتا ہے خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

اے محمدؐ ہجلو جم جم جلوہ تیرا ذات تجلی ہوئے گی سیس سپور نہ تیرا

واحد اپنے آپ تھا اپس آپ نجھایا پرگٹہ جلوہ گاڑنے الف میم ہوآیا

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اردو نعت گوئی کے آغاز کا سہرا کرامت علی شہیدی اور غلام امام شہید کے سر باندھا ہے۔[۳] اردو نعت گوئی کے قدیم (ابتدائی) دور میں مسلم نعت گو شعراء میں اکبر حسینی، نظامی صدر الدین بہرائچی ، سلطان محمدؐ قلی قطب شاہ، ملاوجہی غواصی، صنعتی ، ابن نشاطی ، نصرتی، سید بلاقی ،طبعی، مختار ، قدرتی ، فتاحی وغیرہ کے اسمائے گرامی مشہور ہیں۔ اس دور میں ولادت نامے ،معراج نامے، وفات نامے اور سیرت رسول پاک لکھی گئیں۔ ان نعتوں کا بیان سادہ اور سپاٹ ہے کیونکہ ان شعرا کی نعت گوئی کا مقصد اظہار عقیدت کے ساتھ ساتھ عوام کو آنحضرت کی زندگی اور ان سے متعلق واقعات کی معلومات دینا تھا۔ مذہبی مثنویوں میں رنگ تغزل نہیں تھا بس مقصدیت پیش

نظر رہی۔ ولی اورنگ آبادی نے مختلف شعری ہیئتوں میں نعتیں کہی ہیں ۔ دکنی شعراء نے میلاد نامہ، معراج نامہ،نور نامہ، وفات نامہ وغیرہ نظم کئے۔ چکی نامہ، چرخانامہ جھولنانامہ بھی تحریر کئے گئے۔

جناب آفاق انجم دہلی کے بدھ سنگھ قلندر کو اردو کا پہلا غیر مسلم نعت گو مانتے ہیں لیکن یہ ثبوت فراہم نہیں کر سکے کہ قلندر نے کوئی نعت کہی ہو۔ ۴ ولی اورنگ آبادی جب دلی تشریف لائے اس کے پہلے شمالی ہند میں اردو میں نعتیہ شاعری کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اس دور کے شمال ہند کے کئی ہندوشعراء کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں مثلاً لالہ بدھ سنگھ قلندؔر ،کشن لال مجروؔح، گردھاری لال طرزؔ ، شیوسنگھ ظہور لیکن ان حضرات کی نعت گوئی کے متعلق کہیں کچھ نہیں مل سکا۔ ۵

قدما کے دوسرے دور میں اردو کے جو نعت گو ہوئے اس میں سر فہرست سراج اورنگ آبادی کا نام ہے۔ سب سے جاندار نام مرزا رفیع الدین سوداؔ کا ہے جنہیں ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ شمالی ہند میں پہلا نعت گو شاعر مانتے ہیں ۶ نوازش علی شیدا باقر علی آگاہ اور نظیر اکبر آبادی دور متاخرین کے دیگر ممتاز نعت گو شعراء ہیں۔ اس دور میں نعتیہ شاعری ادبی لحاظ سے بلند ہوئی فارسی تراکیب اور محاورات کو نظم کیا گیا۔ مثنویوں کے علاوہ قصیدوں کا بھی فروغ ہوا۔ سیرت پاک کو تفصیل کے ساتھ اور احادیث کی روشنی میں نظم کیا گیا اور اسوہ حسنہ کے وہ پہلو پیش کئے گئے جن سے امت کی اصلاح ہو سکے۔

اس عہد میں حیدر آباد دکن میں کئی نامور ہندوشعرا ہوئے مثلاً لچھمی نرائن شفیقؔ ، پیم چند پیم (ناگپور) رائے بالاپرشاد فرحتؔ حیدر آبادی ، رائے بھکراج مسروؔر وغیرہ ۔ اس زمانے میں لکھنؤ میں پنڈت دیا شنکر نسیمؔ نے اپنی مشہور مثنوی گلزار نسیم تصنیف کی جس کی ابتداء میں ہی حمدیہ اور نعتیہ اشعار ہیں۔ دستیاب مواد کی روشنی میں لچھمی نرائن شفیق کو غیر مسلم شعرا میں پہلا نعت گو ہونے کا اعزاز حاصل ہے آپ کی ولادت ۔ ۱۷۴۴ء میں ہوئی آپ مولانا آزادؔ بلگرامی کے شاگرد تھے شروع میں صاحبؔ اور بعد میں شفیقؔ، تخلص اختیار کیا۔اردو نعت گوئی میں آپ کا تصنیف کردہ معراج نامہ بہت مشہور ہوا۔

دور متوسطین: یہ دور ۱۸۲۰ء سے شروع ہوتا ہے اس میں شہیدیؔ، مومنؔ، لطف علی خان لطف امام شہید وغیرہ کے نام بہت مشہور ہیں۔نعتیہ شاعری کی بنیادوں کو مستحکم کیا گیا۔ اس زمانے کی نعتوں کی زبان صاف اور شستہ تھی۔تشبیہات اور استعارت میں رنگینی اور ندرت زیادہ تھی۔ کلام میں اثر، اخلاص۔ معنویت خیالات میں تنوع اور انداز بیاں میں جدت تھی۔ سیاسی اور معاشی بدحالی نے مذہبی ادب کی طرف شاعروں کا رخ موڑا اور مذہبی ادب کو فروغ دیا۔لکھنؤ اور دلی اسکولوں کی شاعری

نے نعت گوئی کو متانت عطا کی۔ داخلی جذبات کا اظہار لطیف اور نفیس پیرائے میں کیا گیا لیکن جن اصطلاحات اور الفاظ کو استعمال کیا گیا ان کی تشریح تو تصوف کی زبان میں مل سکتی ہے۔ لیکن شریعت میں جواز نہیں ملتا۔ رسول کی محبت کا رنگ اتنا غالب ہوا کہ مناسب اور نامناسب کے انداز کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ادبی حیثیت سے نعتیہ کلام کا پایہ بھلے ہی بلند ہوا ہو لیکن جذبۂ خلوص نے اللہ اور رسول کے درمیان کی وہ حدیں توڑ دیں جو خود رسول اکرمؐ نے قائم فرمائیں تھیں۔ عاشقانہ الفاظ کا استعمال، مبالغہ آرائی سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ تغزل کے شباب کا دور ہے۔

حیدر آباد کے راجہ مکھن لال مکھن، شنکر لال ساقی (سہارنپور) اس دور کے ممتاز ہندو نعت گو ہیں۔ ۱۸۵۶ء دلی میں بعہد بہادر شاہ ظفر جو نعتیہ مشاعرہ ہوا تھا اس میں دو ہندو شعرا کے نام بھی فہرست میں شامل ہیں۔ منشی عزت سنگھ عیش دہلوی شاگرد امام بخش صہبائی اور سندر لال شگفتہ لکھنوی شاگرد نسیم دہلوی۔ انہوں نے نعتیں پیش کیں۔ ؎

دور جدید: یہ دور ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد شروع ہوا۔ اس پہلی جنگ آزادی کے ناکام ہونے سے ایک ذہنی انقلاب شروع ہوا۔ اس دور میں سیاسی، تاریخی، اخلاقی اور مناظر قدرت موضوع سخن بنے۔ نظم میں سادگی اور حقیقت پسندی پر زور دیا گیا۔ غزل کا رنگ بھی بدلا۔ فطری جذبات کا اظہار کمال فن کے ساتھ کیا گیا۔ صحتمند ادب تنوع کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اصلاحی پہلو پیش نظر رہا۔ نعتوں پر بھی عصری اثرات رونما ہوئے۔ رسول اکرم کے اسوۂ حسنہ اور اوصاف کو زندگی سے ہم آہنگ کیا گیا۔ صداقت پسندی کو اپنایا گیا۔ اس دور میں حالی شبلی، رضا بریلوی، حمزہ، محمد مظفر الدین معلی وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

اس دور کے ہندو نعت گویوں میں حیدر آباد دکن کی سلطنت کے مدار المہام (وزیر فوج جو بعد میں صدارت عظمیٰ پر فائز ہوئے) یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد ایک ممتاز سخنور ہیں جن کے نعتیہ مجموعے کا نام ہدیۂ شاد ہے۔ (جس میں ۱۳۳۱ اشعار ہیں یعنی ۱۰۳ غزلیں۔ ایک قصیدہ سات مخمس پانچ سلام ہیں) اس دور کے دیگر نامور نعت گو شعراء ہیں علامہ برج موہن وتاتریہ کیفی، پروفیسر تربھون ناتھ زتشی زار دہلوی، منشی درگاہ سہائے سرور جہاں آبادی چنڈی پرشاد نگم شیدا دہلوی، برجموہن لال تکوزیبا امرتسری، پروفیسر تلوک چند محروم، پنڈت لبھورام جوش ملسیانی شیو پرشاد وہبی لکھنوی، راگھویندر راؤ جذب راچوری، چودھری دلو رام کوثری وغیرہ بحیثیت نعت گو چودھری دلو رام

کوثری نے بہت شہرت حاصل کی۔ ان کا منقوط اور غیر منقوط دونوں طرح کا کلام موجود ہے۔ اشعار کا استادانہ رنگ ملاحظہ کیجئے۔

ہے پائے محمدؐ سر دلورام — یہ نسبت مرے اوج پر دال ہے
محمد اور دلو رام میں نقطہ نہیں کوئی — کہ ہے ممدوح اور مداح میں یہ ربط کس حد کا
جدا کیا لام دلو رام ہے میم محمدؐ سے — تعلق سو طرح سے ہے مشدد سے مشدد کا

۱۹ ویں صدی کے اختتامی دہائی میں پیدا ہونے والے نامور نعت گو حضرات میں پروفیسر رگھو پتی سہائے فراقؔ گورکھپوری ۱۸۹۶ء) بشیشور پرشاد منورؔ لکھنوی (۱۸۹۷ء) گوپی ناتھ امنؔ لکھنوی (۱۸۹۸) سکھدیو پرشاد بسملؔ الہ آبادی۔ یہ سخنور بیسویں صدی کے تیسرے ربع تک اپنا کلام پیش کرتے رہے۔

۲۰ صدی کے ابتدائی ربع میں پیدا ہونے والے نعت گو ہندو شعراء میں ہر چند اخترؔ (۱۹۰۰ء) آنند نرائن ملاؔ (۱۹۰۱ء) گرسرن لال ادیبؔ لکھنوی (۱۹۰۲ء) سادھو رام آرزو سہارنپوری، نوبہار صابر اور پنڈت رلا رام رتنؔ پنڈوری (۱۹۰۷ء) بالمکند عرش ملسیانی (۱۹۰۸ء) کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ (۱۹۰۹ء) لالہ بدھ پرکاش جوہرؔ دیوبندی اور ستیہ پال اخترؔ رضوانی (۱۹۱۰) رام پرکاش ساحرؔ ہوشیارپوری (۱۹۱۲ء) ڈاکٹر پریم لال شفا (۱۹۱۴ء) رتن موہن زتشی خار دہلوی اور کرشن گوپال باوامغموم (۱۹۱۶ء) جگناتھ آزادؔ (۱۹۱۸ء) جاوید وششٹ (۱۹۲۰ء) درشن سنگھ دگل (۱۹۲۱ء) کرشن موہنؔ (۱۹۲۲ء) رام پرکاش راہیؔ (۱۹۲۴ء) کالیداس گپتا رضاؔ (۱۹۲۵) امر چند قیسؔ جالندھری ڈاکٹر ستنام سنگھ خمارؔ وغیرہ۔ ان کی آواز بیسوی صدی کی ۸ ویں یا ۹ ویں دہائی تک بزم سخن میں سنائی دیتی رہی۔

دور حاضر: اس زمرے میں وہ سبھی سخنور شامل ہیں جن کی ولادت ۲۰ ویں صدی کے دوسرے ربع یا اس کے بعد ہوئی۔ اس دور میں نعت کی ہیئت اور ساخت میں کچھ تجربے کئے گئے ہیں۔ نظم اردو، نظم معرا، نثری نظمیں تین سطری نظمیں، ہائیکو، ترائیلے۔ ماہیا، دوہے۔ سانیٹ۔ لوری کہہ مکرنیاں۔ نعتیہ کجری، چوبولے وغیرہ مختلف ہیئتوں میں نعتیں لکھی گئیں۔ عہد حاضر کے کچھ نعت گو حضرات کے اسمائے گرامی ہیش ہیں۔

پنڈت آنند موہن گلزار دہلویؔ، پریم بہاری لال سکسینہ رواںؔ، راجیندر بہادر موجؔ فتح گڑھی، جگدیش جین، چندر بھان خیالؔ کلدیپ نرائن تکو گوہرؔ، سیمابؔ سلطان پوری، ڈاکٹر جی۔ آر۔ کنولؔ، منموہن دلبر نورانی سردار گرویندر سنگھ کوہلی عازمؔ، سردار کرنیل سنگھ پنچھیؔ پورن سنگھ ہنرؔ، راقم

الحروف وغیرہ۔ یہ فہرست نامکمل ہے۔ صدہا شعراء نے ہزاروں نعتیں کہی ہیں ان کو جمع کرنے اور کتابی صورت میں شائع کرنے کے لئے ایک ادارے کی ضرورت ہے جہاں جہاں اردو زبان میں شاعری کرنیوالے موجود ہیں وہاں نعتوں کے چراغ روشن ہیں۔ ہندوپاک کے ہندوشعراء کے نعتیہ کلام کو جمع کرنے کے لئے باقاعدہ ایک منظّم مسلسل اور تنظیمی کوشش کی ضرورت ہے ۔ ممدوح کی ہستی اتنی بلند ہے کہ تمام پہلوؤں کو قلمبند کرنا ممکن نہیں۔ نعتیں کہی گئیں اور کہی جارہی ہیں اس لئے یہ کاوش مسلسل ہمیشہ تشنۂ تکمیل رہے گی۔ بس یہی عرض کرسکتا ہوں ۔

پر بحرِ سخن سدا ہے باقی

حوالے:

۱۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری : اردو شاعری میں نعت ، جلد اول ۱۹۹۱ء ص ۵۴۲ مطبوعہ نسیم ڈپو لکھنؤ چندائن ملادوا ص ۷ مرتبہ ماتا پرشاد گپت وشوودیالیہ پرکاش وارانسی

۲۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی : دکن میں اردو (مطبوعہ ۱۹۶۳) ص ۴۵

۳۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری : اردو کی نعتیہ شاعری، ص ۵۲

۴۔ اردو غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی آفاق انجم مشمولہ شاعر حمد ونعت نمبر بمبئی جلد ۴ شمارہ ۸۷ اپریل ۲۰۰۷ء

۵۔ ان ناموں کا ذکر علی ابراہیم کے گلزار ابراہیم ، اور لطف علی خاں کے تذکرہ شعرائے گلشن ہند ، میں موجود ہیں لیکن ان کی نعت گوئی کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا گیا ہے۔ گلشن ابراہیم میں کل ۳۲۰ شعراء کا تذکرہ ہے یہ ۱۲۰۰ھ میں لکھا گیا لالہ بدھ سنگھ قلندر کشن چند مجروح تربیت یافتہ مظہر جان وجانان ص ۲۲۹ گردھاری لال طرز متوطن امروہہ شاگرد محمد قائم اور شیو سنگھ ظہور کا ذکر ہے۔

۶۔ نعتیہ شاعری میں ہئیتی تجربے : علیم صبا نویدی ص ۲۵

۷۔ لکھنؤ کے ہندوشعراء کے جو تذکرے لکھے گئے اس میں یہ نام خیراتی لال شگفتہ دیا گیا ہے۔

اسلامی ادب:

برصغیر پاک وہند
میں تفاسیر وتراجم کا آغاز وارتقا

ڈاکٹر عبدالرحیم

''اسلامی علوم کے سلسلے میں برصغیر کے مسلمانوں کے کارنامے اسلامی ملکوں سے کم نہیں لیکن ان میں اور یکجنلٹی اور بدیع الخیالی نہیں ہے مگر برصغیر کے علماومصنّفین کا اور ان کی تصنیفات کا ایسا مبسوط جائزہ نہیں لیا گیا ہے جس سے ان کی عظمت اور ان کے کاموں کی حقیقی قدروقیمت کا اندازہ ہوعلم تفسیر کی جانب بہت کم اعتنا کی گئی ہے، اس لحاظ سے یہ مقالہ گوغنیمت ہے مگر یہ جائزہ نامکمل ہے، اولاً تو مقالہ نگار کو شمالی ہندوستان کے علما کی خدمات سے زیادہ آگاہی نہیں ہے، ثانیاً موضوع سے متعلق ان کو اصل مآخذ اور مواد کا بھی زیادہ پتہ نہیں اور وہ دوسرے اور تیسرے درجے کے مآخذ کو کام میں لائے ہیں ، ثالثاً جو تفسیریں اور کتب قرآنی متعدد بارطبع ہوچکی ہیں اور وہ آسانی سے یا کسی قدروکاوش سے دست یاب ہوسکتی تھیں، ان کو ان کا بھی علم نہیں اور اگرعلم تھا تو وہ ان سے براہ راست فائدہ نہیں اٹھاسکے، اس لیے عموماً ان کا مقالہ داخلی ثبوت وشواہد سے خالی ہے، اس کے باوجود موضوع کی اہمیت کی بناپر یہ مقالہ شائع کیا جارہا ہے تاکہ اس موضوع سے جن لوگوں کو دلچسپی ہو وہ اس کی کمی کو پورا کرسکیں دوسرے اس میں شبہ نہیں کہ پشتو اور سندھی زبانوں میں ہونے والی قرآنی خدمات سے عام اردو داں طبقہ بہت بے خبر ہے، اس مقالے سے اس کے علم میں ضرور اضافہ ہوگا اس موضوع پر لکھنے کے لئے فارسی مآخذ کو کھنگالنا ضروری تھا''۔ (ض)

ہر دور اور ہر علاقہ کے علمائے کرام نے قرآنی مطالب کی تشریح وتوضیح میں قابل رشک خدمات سرانجام دی ہیں۔ برصغیر کے مختلف المسالک جیدعلمائے کرام نے بھی اس ضمن میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہرعہد کا مفسر اپنے عہد کے فکری ماحول سے متاثر ہوتا ہے، چنانچہ جس عہد میں جوعلمی فضا اورعلمی ماحول تھا اور اس میں جن مسائل کی گونج تھی ، اسی کے پس منظر میں اس نے قرآن سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی اور اردو زبان میں بارہویں، تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں بہ کثرت تفاسیر برصغیر پاک وہند میں تحریر کی گئی ، اردو زبان کے علاوہ اس خطہ میں عہد بہ عہد عربی اور دیگر

علاقائی زبانوں میں بھی قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر پر بہت سی علمی، ادبی اور تحقیقی کتب سامنے آئی ہیں، اس مقالہ میں ان ہی تفاسیر وتراجم کا ایک جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ابن عینیہ کی کتاب التفسیر پر محمد بن ابی جعفر الدیبلی کے حاشیہ کا ذکر ملتا ہے، غزنوی عہد میں شیخ محمد اسماعیل لاہوری (۴۴۸ھ/ ۱۰۵۶ء) لاہور تشریف لائے، انہیں برصغیر کا اوّلین مبلغ اسلام اور تفسیر قرآن کا معلم اوّل کہا جاتا ہے، عہد سلاطین (۶۰۱۲ تا ۶۹۱۳ھ/ ۶۰۳ تا ۸۰۱ء) میں حفظ قرآن اور تفسیر ''الکشاف'' کی تدریس جاری تھی۔

عہد تغلق میں شیخ ابو بکر بن التاج البکری الملتانی (م ۷۳۰ھ/ ۱۳۷۵ء) کی کتاب ''خلاصہ جواہر القرآن فی بیان معانی الفرقان'' از غزالی منظر عام پر آئی، اسی عہد میں دوسرے پارے کی تفسیر بہ عنوان ''تفسیر تاتارخانی'' از امیر تاتار خان یا محمد بن عبد الملک بغدادی اور مخلص بغدادی اور مخلص بن عبدالدہلوی (۷۸۴ھ/ ۱۲۶۲ء) کی تفسیر ''کشف الکشاف'' لکھی گئی۔

نویں صدی ہجری کے آغاز اور دسویں صدی ہجری کے ربع اوّل تک کے عرصہ میں ''کشاف'' کا انداز لیے ہوئے اور تصوف کے رنگ میں سید محمد گیسودراز (م ۱۴۴۲ء) کی تفسیر القرآن الکریم علی بن احمد المہائمی (م ۱۴۴۵ء) کی البحر المواج، خواجہ حسین ناگوری کی تفسیر نور النبی اور مدارک التنزیل از نسفی پر شیخ داد جون پوری (م ۱۵۱۸ء) سے قبل محشری کی ''الکشاف'' رائج رہی مگر اس دور میں انوارالتنزیل (تفسیر بیضاوی) کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس کے بڑی تعداد میں حواشی لکھے گئے، اسے نصاب مدارس کا لازمی جز بنالیا گیا اور قرآن کریم کے ساتھ اسے بھی حفظ کیا جانے لگا۔[۲]

اسی عہد میں قرآن فہمی سے شغف رکھنے والے علما کی ایک بڑی تعداد وجود میں آئی جن میں شیخ برہان کالپوی (م ۱۵۵۳ء) ملا فیروز کشمیری (م ۱۵۶۵ء) شیخ احمد فیاض انبیٹھوی (م ۱۵۷۴ء) شیخ حمید سنبھلی (م ۱۵۷۵ء) مفتی محمد جمال خان دہلوی (م ۱۵۷۶ء) مولانا جلال ٹلہ لاہوری شیخ جمال گجراتی (م ۱۵۸۹ء) ملک محمود پیارو گجراتی (م ۱۵۹۱ء) شاہ فیصل برہان پوری (م ۱۵۹۶ء) سید عبد اللہ المتقی السندی (م ۱۵۷۶ء) شیخ عباس السندی (م ۱۵۸۹ء) نوح بن نعمت اللہ السندی (م ۱۰۸۹ء) شامل تھے۔

دربار اکبری سے وابستہ علمائے قرآن میں ملا عبد اللہ سلطان پوری (م ۱۵۸۲ء) حاجی ابراہیم (م ۱۵۸۶ء) حاجی ابراہیم محث قادری (م ۱۵۹۳ء) قاضی عبد القادر (م ۱۶۰۲ء) اور قاضی بہلول سرفہرست ہیں۔[۳]

صوفی علماء میں شیخ عزیز اللہ چشتی اور شیخ ضیاء اللہ شطاری مشہور تھے۔ اس عہد میں تفسیر قدیم کی شروح وحواشی اور قرآنی فنون پر عربی میں یہ کتابیں لکھی گئیں۔

۱۔تفسیر محمدی: شیخ حسن محمد بن احمد گجراتی (م ۱۵۷۵ء)

۲۔منبع عیون الماعنی : شیخ مبارک بن خضر ناگوری (م ۱۵۹۳ء)

۳۔سواطع الالہام : ابوالفیض (م ۱۵۹۵ء)

۴۔ درالتنظیم فی ترتیب الآی والسور: شیخ منور بن عبدالمجید (م ۱۶۰۲ء)

۵۔مطلب الطالبین الکریم: فارسی میں شیک یعقوب صرفی کشمیری (م ۱۵۹۴ء)۔

مذکورہ تفاسیر کے علاوہ شیعی عالم فتح اللہ شیرازی (م ۱۵۸۸ء) یا فتح اللہ بن شکر اللہ کاشانی عبدالرحیم خان کی بیٹی جانان بیگم کی طرف بھی کتب تفسیر منسوب ہیں۔

اسی عہد کی مزید چار عربی وفارسی جزوی تفاسیر اور تفسیر کی متداول کتب پر آٹھ حواشی کا ذکر بھی ملتا ہے۔

سترہویں صدی عیسوی میں جہانگیر، شاہ اور عالم گیر کے صد سالہ عہد حکومت کے ہر دور میں تفاسیر، شروح حواشی اور فن تفسیر پر کتب لکھنے کا کام جاری رہا، تاہم تفسیر اور قرآن کی نشر واشاعت کے حوالہ سے عالم گیر کا دور نمایاں ہے۔

اس عہد میں تفسیر قرآن کے رائج طریقہ سے مختلف فقہی اسالیب کی حامل اور قرآن سے مستنبط شرعی احکام پر مبنی تفاسیر لکھی گئیں، ان میں التفسیرات الاحمدیہ از ملا جیون (م ۱۷۱۷ء) انوار الفرقان واز ہار القرآن از شیخ غلام نقش بندی گھوسوی ثم لکھنوی (م ۱۷۱۴ء) اور ثواقب التنزیل از علی اصغر قنوجی (م ۱۷۲۸ء) نامکمل، جبکہ متصوفانہ افکار اور رنگ کی حامل تفسیر عرائس البیان کا فارسی ترجمہ از شیخ بدالدین سرہندی تفسیر شاہ از شاہ محمد بن عبدمحمد (۱۶۶۳ء) اور شیعی عقائد کی ترجمان تفسیر قرآن از علی شیرازی منظر عام پر آئیں۔

اس عہد کی دیگر اہم تفاسیر:

۱۔تفسیر مرتضوی : فارسی، شیخ زین العابدین شیرازی ۱۶۰۷ء میں نواب مرتضیٰ حسن خان کے حکم سے مکمل ہوئی۔ ۲۔تفسیر نظامی۔ فارسی، شیخ نظام الدین بن عبدالشکور تھانیسری (م ۱۵۳۷) ۳۔ انوار الاسرار فی حقائق القرآن : عربی از شاہ عیسیٰ جند اللہ برہان پوری، ۴۔تفسیر جہاں گیری ترجمہ قرآن : شیخ نعمت اللہ بن عطانار نوتوی فیروز پوری (۱۶۶۲)۵۔ زبدۃ التفاسیر : عربی، خواجہ معین الدین کشمیری

(م ۱۰۸۵ھ/ ۱۶۷۴ء) ۶۔شرح القرآن معینی خواجہ معین الدین کشمیری (م ۱۰۸۵ھ/ ۷۔تفسیر امینی : فارسی، محمد امین صدیق علوی، ۸ زیب التفاسیر : فارسی صفی بن ولی قزوینی کشمیری (م ۱۶۷۰)، ۹ زبدۃ التفاسیر : شیخ الاسلام بن قاضی عبد الوہاب (م ۱۶۹۷ء) ۱۰ تفسیر شاہبہ : محمد محبوب عالم گجراتی (م ۱۷۰۰ء) ۱۱۔تفسیر القرآن : محمد محبوب عالم گجراتی (م ۱۷۰۰ء)، ۱۲۔نعمت عظمیٰ : فارسی ،مرزا نور الدین (م ۱۷۰۹ء)

آیات وسور کی جزوی تفاسیر:

۱۔ سورہ الاخلاص : امیر ابو المعالی (م ۱۶۳۶ء) ، ۲۔سورۃ الجاثیہ : محمد ہاشم گیلانی (م ۱۶۵۰ء) ۳۔سورہ یوسف : محمد بن ابی سعید کالپوی (م ۱۶۶۰ء) ۴۔سورۃ البقرہ شیخ نور الدین احمد آبادی (م ۱۷۴۳ء) ۵۔آیہ النور: شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۶۲۴ء) ۶۔تفسیر بعض الآیات: علی بن سید نور ۷۔تفسیر آیات بعض الاحکام : قاضی بزودی (م ۱۷۱۴ء)۔

حواشی وتعلیقات:

اس صدی میں سب سے زیادہ حواشی وتعلیقات انوار التنزیل از قاضی بیضاوی (تفسیر بیضاوی) پر لکھی گئیں۔جن کی تعداد دس ہے او ان کے مصنفین میں ملا عبد السلام لاہوری، مفتی عبد السلام دیوی ، شیخ عبد الحق محدث دہلوی ، محمد ہاشم گیلانی ، ملا عبد الحکیم سیالکوٹی ، ملا محمد یعقوب لاہوری، میر طیب بلگرامی ، سید عبد اللہ دہلوی۔نور الدین محمد صالح گجراتی اور سید جار اللہ الہ آباد شامل ہیں۔

علوم القرآن :

علوم قرآن کے حوالہ سے قرأت ، کتابت ، ناسخ منسوخ ، اعراب ، رسم الخط اور تخریج الآیات کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں ،جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ دستور المفسرین علم تفسیر : عماد الدین عارف (م ۱۶۱۲ء) ۲۔ فتح محمد : فن تفسیر : سوفی شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی ۔ ۳۔قرآنی الفاظ کا انڈکس : ہادیہ قطب شاہی ، ۴ نجوم الفرقان: اشاریہ الفاظ قرآن: مصطفیٰ محمد بن سعید ۵ ،مجمع الفوائد: متعلقات قرآن: محمد قلی بادشاہ قلی۔

۱۷۶۳ء میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تفسیری خدمات عظیم الشان ہیں، اس خاندان نے نہ صرف ترجمہ وتفسیر قرآن کے گران قدر کارہائے نمایاں سرانجام دئے بلکہ اصول تفسیر میں ''الفوز الکبیر'' تصنیف کرکے تفسیری تقلید کے عرصہ دراز سے مروجہ انداز کو تبدیل کردیا، اسی کے تتبع میں

سرسید احمد (م ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۷ء) نے بھی ایک کتاب لکھی اور اصول تفسیر میں جدت پیدا کی۔

اس عہد کے تراجم وتفاسیر:

۱۔ التفسیر النورانی للسبع المثانی : مولانا نور الدین احمد آبادی (م ۱۷۴۲ء) نثر المرجان فی رسم قلم القرآن : شیخ محمد غوث بن ناصر الدین (م ۱۸۰۸ء) ۳۔ التفسیر المظہری : قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م۱۸۱۰ء) ۴، حاشیہ الکمالین علی الجلالین : سلام اللہ رام پوری (م ۱۸۱۴ء)۵۔تفسیر فتح العزیز شاہ عبدالعزیز : شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۸۲۴ء) ۶۔تفسیر آیۃ النور : شاہ رفیع الدین (م ۱۸۳۱ء) ۷۔ترجمہ قرآن : شاہ رفیع الدین (م ۱۸۳۳ء) تفسیر معدن الجواہر : مولانا اللہ فرہنگی (م ۱۸۴۳ء)۔

۱۸۵۷ء تا ۲۰۰۲ء کی تفاسیر:

اس عرصہ میں جو مکمل ا تفاسیر لکھی گئیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ حاشیہ بیضاوی وجلالین : مولانا فیض الحسن سہارن پور (م ۱۳۰۴ھ) ۲۔تفسیر فتح البیان : نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) ۳۔تفسیر القرآن : سرسید احمد خان (م ۱۳۱۵ھ) ۴۔تفسیر احسن التفاسیر : سید احمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۸ھ) تفسیر وحدی ۲: مولانا وحیدالدین فراہی (م ۱۳۳۸ھ) ۸۔مشکلات القرآن : علامہ سید انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ) ۹۔تفسیر بیان القرآن: مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) ۱۰۔تفسیر المقام المحمود : مولانا عبید اللہ سندھی (م ۱۳۶۳ھ) ۱۱۔تفسیر ثنائی : مولانا ثناء اللہ امرت سری (م ۱۳۶۷ھ) ، ۱۲۔تفسیر عثمانی : مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۸ھ) ، ۱۳۔تبصرہ الرحمٰن : مولانا ابراہیم سیالکوٹی (م ۱۳۷۵ھ)، ۱۴۔ترجمان القرآن : مولانا ابو الکلام آزاد (م ۱۳۷۷ھ) ، ۱۵ ۔ تفسیر القرآن : مولانا احمد علی لاہوری (م ۱۳۸۱ھ) ، ۱۶ ۔ معارف القرآن : مفتی محمد شفیع (م ۱۳۹۶ھ) ۔ معارف القرآن : مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ۱۳۷۴ھ) ، ۱۸۔تفسیر ماجدی : مولانا عبد الماجد دریا آبادی (م ۱۳۹۸ھ) ۱۹۔تفہیم القرآن : مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی (م ۱۹۷۹ء) ،۲۰۔ تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی (۱۹۹۷ء) ، ۱۲۔ الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن : غلام مصطفیٰ شاہ قاسمی ، ۲۲ ضیاء القرآن : پیر محمد کرم شاہ الازہری (م ۱۹۹۹ء) ، ۲۳۔منہاج القرآن : پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری (۱۹۵۱ء) ، ۲۴۔تفسیر منہاج القرآن : ڈاکٹر برہان احمد فاروقی (م ۱۹۹۵ء) ، ۲۵۔ انوار البیان فی کشف اسرار القرآن: مفتی عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی (م ۲۰۰۱ء) ۲۶۔تفسیر درس قرآن بورڈ، ۲۷۔ احسن التفاسیر: مولانا حافظ

محمد حسن قاسم محمود، ۳۰۔تفسیر مطالب القرآن : مولانا غلام مصطفیٰ خان، ۳۱۔تفسیر ہدایت القرآن : محمد عثمان کاشف الہاشمی ، ۳۲۔ انوار القرآن : ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک (م ۲۰۰۲ء)۔

عربی تفاسیر اور ان کے موضوعات:

یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ محض قرآن اور صاحب قرآنؐ کی نسبت سے عربی زبان کو برصغیر میں درس وتدریس کے علاوہ تصنیفی وتالیفی زبان کا مقام بھی ملا اور عربی زبان میں دیگر علوم وفنون کی طرح ترجیحاً تفسیر قرآن کا گراں قدر اور وسیع ذخیرہ علمی تیار ہوا، عربی تفاسیر مختلف موضوعات پر لکھی گئیں ہیں، مثلاً:

تصوف : ۱۔کاشف الحقائق : محمد بن احمد شریحی ، ۲۔ دررملتقط : سید گیسودراز (م ۸۲۵ھ) ۳۔منبع عیون المعانی : مبارک بن خضر ناگوری (م ۱۰۰۱ء) ۴الروضۃ الخضر الابل العشق و الصفا: حافظ محمد احسن پشاوری (م ۱۲۶۳ھ) تحقیق ڈاکٹر حافظ عبد الرحیم۔

اختصار بہ انداز جلالین:

۱۔ قرآن القرآن بالیان : کلیم اللہ جہاں آبادی (م ۱۱۴۱ھ) ۲۔ زبدۃ التفاسیر : خواجہ معین الدین کشمیری (م ۱۰۸۵ھ) ۳،تفسیر صغیر : امیر عبد اللہ قنوجی (م ۱۱۷۸ھ) ، ۴۔ السلسبیل فی التنزیل بتبصیر الرحمٰن وتفسیر المنان : علامہ علی مہائمی (م ۸۳۵ھ) ربط آیات : تفسیر محمدی: حسن بن محمد میاں جیو (م ۹۸۲) یہ تفسیر ربط کے حوالہ سے منفرد ہے۔منقبت رسول اللہؐ ۔تفسیر القرآن : حاجی عبد الوہاب بخاری (م ۸۳۳ھ)۔

اس میں مفسر نے قرآن کریم کی تمام آیات کے مطالب اس طرح پیش کیے ہیں کہ گویا سارا کلام ربانی نبی کریمؐ کی مدح میں ہے، افسوس کہ اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہے۔

بے نقط (غیر منقوط) سواطع الالہام : ابو الفیض فیضی (م ۱۰۰۴ء) یہ کتاب ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، یہ ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔۵

قدیم تفاسیر کے خلاصے (قدیم وجدید کا امتزاج)

۱۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن : نواب صدیق حسن خان قنوجی (م ۱۳۰۷ھ) تفسیر القرآن بالقرآن: القرآن بکلام الرحمٰن:مولانا ثناء اللہ امرت سری (م ۱۳۹۷ھ)۔

فقہ حنفی کی حامل تفسیر: ۱۔ التفسیر المظہر ی: قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ (م ۱۲۲۵ھ)

خلاصہ تفسیر: ۱۔ زبدۃ التفاسیر: خواجہ معین کشمیری (م ۱۰۸۵ھ) ۲۔ زبدۃ التفاسیر للقدر ماء المشاہیر: قاضی عبد الوہاب گجراتی (م ۱۱۰۹ ھ)، ۳۔ قرآن القرآن بالبیان: سلیم اللہ جہاں آبادی (م ۱۱۴۱ھ)

جزوی تفاسیر: سورہ یوسف سورہ المرسلات، سورہ العصر سورہ الکافرون۔

آیات: آیت النور، شمکل آیات، تفسیر غرائب القرآن، بعض پاروں بالخصوص پارہ عم کی ۴ صفحات سے لے کر صفحات کی تفسیر۔

حواشی، تعلیقات وشروح:

۱۔ حاشیہ بیضاوی وجلالین: مولانا فیض الحسن سہارن پوری (م ۱۳۰۴، ۲ مدارک التنزیل از نسفی، ۳۔ انوار التنزیل از بیضاوی جلالین اور ان کے علاوہ کلیل از سیوطی الکشاف از زمخشری کے حواشی بھی لکھے گئے ہیں۔

فارسی تراجم وتفاسیر:

فارسی برصغیر میں طویل عرصہ تک سرکاری اور علمی زبان رہی، ایران اور افغانستان کے قریب اور وسط ایشائی ریاستوں سے اتصال کے باعث یہاں اس کا اثر ونفوذ گہرا رہا، ۷۳۰ھ میں حسن بن محمد علقمی المعروف بہ نظام نیشاپوری دولت آبادی کا ترجمہ عربی تفسیر غرائب القرآن کے ساتھ شامل ہے، یہ ترجمہ برصغیر میں پہلا فارسی ترجمہ قرآن کہلاتا ہے، جب کہ محمد بن احمد المعروف خواجگی شیرازی کے طبرسی کی تفسیر ''مجمع البیان'' کے خلاصہ کو اولین فارسی تفسیر کا درجہ حاصل ہے۔[۶]

ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں کہ برصغیر کے فارسی تراجم وتفاسیر قرآن کی تعداد دوسو پچاس سے زائد ہے، جب کہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق صرف فارسی تراجم قرآن کی تعداد ۵۲ اور کلی وجزوی تفاسیر ۳۰ سے زائد ہیں۔[۷]

فارسی کی اہم تفاسیر

۱۔ البحر المواج: قاضی شہاب الدین دولت آبادی۔ (م ۸۴۹ھ) ۲۔ تفسیر اکبری: مبارک ناگوری (م ۱۰۰۱ھ) ۳، مطلب الطالبین یعقوب صرفی کشمیری (م ۱۰۰۳ھ) ۴۔ نعمت عظمت: نور الدین محمد معروف، نعمت اللہ ولی (م ۱۰۱۵ھ)، ۵ شرح القرآن معینی: خواجہ کشمیری (م ۱۰۸۵ھ)، ۶۔ زیب

تفسیر: محمد صفی بن ولی قزوینی (م ۱۰۸۷ھ)، ۷۔ زیب المتفاسیر: عالم گیر کی صاحب زادی زیب النساء (م ۱۱۱۲ھ)، ۸ تفسیر امینی: محمد امین صدیقی۔

ان تفاسیر میں البحر المواج نہ صرف مشکل ہے بلکہ نحوی تراکیب، فقہی مسائل اور عقائد پر مشتمل ہے، ایک اور اہم فارسی تفسیر دور جدید میں سید ابو القاسم رضوی کشمیری لاہوری (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۹ء) کی ''لوامع التنزیل وسواطع التعاویل'' ہے۔ یہ تفسیر انتہائی مبسوط اور ۳۰ ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے، اس کے ابتدائی ۱۵ حصے مولانا ابو القاسم رضوی نے لکھے، ان کی وفات کے بعد بقیہ ۱۵ جلدیں ان کے صاحب زادے مولانا سید علی الحائر (م ۱۳۶۰ھ) نے تحریر کی، اس میں مختلف شیعی وسنی مفسرین کے اقوال، مباحث ومناظرات کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔

عربی تفاسیر کے فارسی تراجم:

۱۔ تفسیر الطبری کا فارسی ترجمہ منصور بن نوح سامانی کے عہد ۳۵۲ھ/ ۹۶۳ء میں سات علماء کے بورڈ نے کیا، ۲۔ امام رازی کی تفسیر کبیر کا ترجمہ ۱۸۰۱ھ میں مولانا صفی الدین دیبلی نے کیا۔

اہم فارسی تراجم قرآن:

نظام نیشاپوری، مخدوم جہاں، جہاں گشت نوح معالانی سندھی، شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ محمد غوث لاہوری، شاہ محمد اجمل کے فارسی تراجم مشہور واہم ہیں۔

قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے عربی زبان میں اس کی صحیح فہم وادراک کے لئے تو اہل عرب تک لغات کے محتاج ہیں، چہ جائیکہ اہل عجم، ان کے لئے تو اس کی ضرورت اور شدید ہوجاتی ہے، برصغیر کے علماء اس ضرورت اور فرض سے کبھی غافل نہیں رہے[۸] لغات القرآن کے موضوع پر برصغیر میں لکھی گئی تصانیف کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہاں پر مختلف زبانوں میں اس موضوع پر بہت سی تصانیف نظر آئیں گی۔

لغات القرآن کی عربی تصانیف:

یہاں پر پہلے لغات القرآن کی ان کتابوں کا تذکرہ کیا جائے گا جو عربی زبان میں تصنیف کی گئی ہیں:

۱۔ مفردات شیخ محمد مراد بخاری کشمیری نے ۱۱۳۱ھ میں لکھی۔[۹]

۲۔ لغات القرآن: مولانا حماد اللہ ہالیجوی (م ۱۹۶۲ء) اس میں مفرد الفاظ عربی میں ابجد کی ترتیب سے لکھے گئے ہیں، یہ ایک مکمل کتاب ہے، مولانا محمد یوسف بنوری نے اس پر ایک شاندار مقدمہ

بھی لکھا ہے۔ ۱۰

۳۔ العرفان بمفردات القرآن : مولانا محمد اسماعیل عودوی (م ۱۹۷۰ء) یہ لغت کے انداز میں ایک طرح کی تفسیر قرآن بھی ہے۔

۴۔ لغات القرآن : مولانا محمد اجمل ہزاروی، ولادت ۱۹۳۲، یہ ابھی نامکمل ہے۔

۵۔ ترغیب الاخوان فی ترکیب القرآن : مولانا منظور احمد نعمانی (۱۹۵۰ء) یہ کتاب مبتوی بچوں کے لئے درسی طرز پر لکھی گئی ہے، کتاب کے شروع میں مبادی ترکیب کا بیان ہے۔ (اصول ترکیب) دوسرے حصہ میں ترکیب القرآن ولغات القرآن ہیں (۱۴۱۱ھ) میں مکمل ہوئی۔

الفروق: مولانا ضمیر احمد قدسی (م ۱۹۶۲ء) اس میں قرآن وحدیث کے ان الفاظ کے معنی بیان کئے گئے ہیں جو الفاظ کے لحاظ سے متفق اور متحد ہیں لیکن ان کے معنی مختلف ہیں، غیر مطبوعہ۔

۷۔ قاموس الفاظ القرآن الکریم : دکتور عبد اللہ عباس ندوی ، یہ کتاب عربی اور انگریزی میں ہے، اس میں مصنف نے الفاظ قرآن کے معنی سیاق اور اشتقاقی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب درحقیقت مستشرق جون پیٹرس کی کتاب کی غلطیوں کی اصلاح ہے۔

۸۔ کتاب مفردات القرآن : مولانا حمید الدین فراہی (م ۱۹۳۰ ء) اس میں اہم قرآن الفاظ کے معانی تحریر کئے گئے ہیں، مصنف نے ۱۷۷ ایسے الفاظ کو لیا ہے جن کی تشریح عام طور پر سے علمانے نہیں کی ہے۱۱ یہ کتاب ۱۹۳۹ میں پہلی بار طبع ہوئی تھی۔ اب ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی نے تحشیہ کے بعد دوبارہ شائع کی ہے۔

اللباب فی تاویل الاالفاظ التی کثرت فی الکتاب : سراج الاسلام حنیف ، مردان پشاور ،اس میں مصنف نے قرآن کریم کے ان کو یکجا کردیا ہے جو قرآن کریم میں مختلف مقامات پر مختلف معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔

۹۔ فوائد القرآن المعروف باصطلاحات القرآن ؛ مولان عبد اللہ بہلوی (م ۱۹۷۸ء)

لغات القرآن پر دیگر زبانوں میں تصانیف:

عربی کے علاوہ اور بھی کئی زبانوں میں ہندوستانی علمانے لغات القرآن پر کتابیں لکھی ہیں جیسے:

سندھی : الیاقوت والمرجان فی شرح غریب القرآن : حماد الہ ہالچوری، اس میں قرآن کریم کی سورۂ اعراف سے سورۂ ناس تک کے مشکل الفاظ کے معنی سندھی زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب

سورتوں کی ترتیب سے لکھی گئی ہے، یعنی ہر سورت کے الفاظ معنی لغت کے انداز میں سورت کا نام دے کر اس کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔

لغات القرآن: مولانا خیر محمد ندوی : یہ بھی سندھی زبان میں لکھی گئی ہے، البتہ اس میں بلوچی اور اردو میں بھی معنی لکھے گئے ہیں۔

انگریزی VOCABULARY OF THE HOLY QORAN:عبد اللہ عباس ندوی ، یہ عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ترتیب دی گئی ایک اچھی کتاب ہے۔

لغات القرآن (انگریزی) : مولانا عبد الکریم پاریکھ ناگپور ، مستند تراجم کو سامنے رکھ کر یہ لغت تیار کی گئی ، افعال کے سامنے حروف اصلی یعنی مادہ بھی دیا گیا ہے، کتاب کے شروع میں نحو وصرف کے کچھ ضروری قواعد بھی درج کردئے گئے ہیں۔

ہندی: ہندی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب لغات القرآن (ہندی) بھی مولانا عبد الکریم پاریکھ کی ہے۔

اردو زبان : اس موضوع پر اردو میں لکھنے کی ابتدا حکیم الامت شاہ ولی الہ محدث دہلوی (م۱۱۷۶ھ) کے لائق فرزند شاہ عبد القادر نے کی ، انہوں نے جب اردو ئے معلّٰی کے آئینہ خانہ میں قرآن حکیم کے لعل وجواہر سجائے اور پہلا بامحاورہ واردو ترجمہ قرآن تحریر کیا تو لغات القرآن کے موضوع پر بھی ایک مختصر کتاب مرتب کی ، جس میں الفاظ کے معنی اور مختصر تشریح درج کی گئی ، منشی ممتاز علی میرٹھی نے مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۲۹۸ھ میں شاہ عبد القادر کا ترجمہ شائع کیا ، اس کے حاشیہ پر یہ لغات القرآن بھی شائع کی۔ ۱۲

عجائب البیان فی لغات القرآن مع تفسیر المنان ونجوم الفرقان : مولانا محمد عبد اللہ المعروف بہ جیون بن نور الدین پگھلوی (م ۱۹۴۷ء) ، یہ اردو زبان میں لکھی گئی ایک اچھی لغت ہے جس میں قرآن کریم کے الفاظ کے معنی آسان اور سہل انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔

جنۃ النعیم فی استخراج القرآن الکریم : مولوی اسد اللہ سندھی (م ۱۸۶۹ء) یہ بھی ایک نہایت اچھی کتاب ہے۔

دینی لغات: مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی (م ۱۹۱۳ء) یہ قرآن وحدیث وفقہ کی جامع اردو لغت ہے، ستمبر ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔

تدریس القرآن : مولانا محمد اجمل ہزاروی (۱۹۳۲ء) اس میں قرآن مجید کے مفرد الفاظ کا ترجمہ

پیش کیا گیا ہے۔

لغات القرآن : مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (۱۹۰۹ء) یہ لغات القرآن میں لکھی گئی کتابوں میں ایک عمدہ اضافہ ہے، اس سے ایک عام آدمی بھی آسانی سے استفادہ کرسکتا ہے۔

ترجمہ قرآن : مولانا محمد آصف قاسمی، اس میں مولانا نے قرآن کریم میں بار بار تکرار کے ساتھ آنے والے الفاظ یعنی مکررات کو چھوڑ کر سرف اصلی الفاظ معنی کے ساتھ یکجا کردئے ہیں۔

تدریس لغۃ القرآن : ابومسعود حسن علوی ، اس میں مصنف نے قرآنی آیات لکھ کر ہر جملہ اور الفاظ کو الگ الگ کرکے علاحدہ خانوں میں ترجمہ کیا ہے، پھر بامحاورہ ترجمہ ہے۔عربی گرامر مع ترکیب بھی بیان کی ہے، اس کے بعد لغوی وتفسیری شرح بھی کی ہے، لغت میں ہر لفظ کا مصدر، معنی اور مترادفات کو بھی بیان کیا ہے، آیت اور جملہ کی ترکیب پر روشنی ڈالی ہے، قواعد بھی بیان کئے گئے ہیں، افعال کے ساتھ ماضی، مضارع اور مصادر بھی دئے گئے ، اسمااوراماکن پر بھی تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔ [۱۳]

لسان القرآن : مولانا محمد حنیف ندوی، یہ قرآن کی جامع تفسیری اور توضیحی لغت ہے، اس کے شروح میں ایک عمدہ ومقدمہ بھی ہے، جس میں قرآن فہمی کے اصول اور تقاضے بیان کئے ہیں۔ [۱۴]

لغات القرآن : مولانا عبدالرشید نعمانی ،مولانا عبدالدائم جلالی ، یہ قرآن کریم کی ایک بلند پایہ لغت ہے، اردو زبان میں اس سے بہتر لغت دست یاب نہیں ، اس میں الفاظ کی فہرست کا فائدہ ضمناً حاصل ہوتا ہے، کیوں کہ اسے مادہ ماخذ سے ہٹ کر الفاظ کی موجودہ مشتق شکلوں کی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے، یعنی ہر لفظ اور کلمہ بغیر مادہ معلوم کئے آسانی کے ساتھ تلاش کیا جاسکتا ہے، اس کو ندوۃ المصنفین دہلی نے شائع کیا تھا۔

مترادفات القرآن مع الفروق اللغویہ : یہ مصنف کی طویل مدت کی ذاتی محنت ،لگن اور جستجو کا نتیجہ ہے کہ اردو زبان میں ایک ایسی عمدہ کتاب وجود میں آگئی جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے قطعی منفرد اور قرآن فہمی کے لئے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے کہ مصنف نے اس میں قرآن کریم کے تقریباً تمام مترادف الفاظ کو بڑے عمدہ سلیقہ سے جمع کردیا ہے جیسے قیامت کے مترادفات الساعہ، یوم الدین، یوم الخروج ، یوم الحساب ، یوم الفصل ، غاشیہ، قارعہ، حاقہ ، آزفہ، طامۃ الکبریٰ الصاخہ، یوم الآخرۃ وغیرہ۔

شرح الفاظ القرآن :مولانا عبدالرشید گجراتی ، یہ قرآن کریم کے الفاظ کے معنی وشرح پر ایک

اچھی لغت ہے۔

معجم القرآن : سید فضل الرحمٰن۔غریب لقرآن : مرزا ابوالفضل بن فیاض علی۔
المفردات فی غریب القرآن : حافظ نور الحسن۔مراۃ القرآن : حافظ عب دالحئ
معجم القرآن: ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔لغات القرآن : تاج الدین دہلوی (۱۹۵۰ء)

کراچی:

قرآن مجید کا عربی اردو لغت : ڈاکٹر محمد میاں صدیقی ، یہ لغت ڈاکٹر محمد میاں صدیقی کی ایک نہایت ہی گراں قدر تالیف ہے، اس کے بارے میں مصنف خود رقم طراز ہیں:

''یہ کتاب ان حضرات کے لئے مرتب کی گئی ہے جو عربی پر دسترس نہیں رکھتے اور ہر لفظ کے مادہ کو تلاش کرنا ان کے لئے دشواری کا سبب بن سکتا ہے، اس لیے مادہ کے بجائے الفاظ قرآن کو اپنی صورت میں لغت تصور کرکے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کردیا گیا ہے، جیسے اسقینٰکم ہم نے تم پلایا اس لفظ کو الف سین میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ اس کا مادہ سقی ہے۔ اور اس اعتبار سے اس لفظ کو سین قاف میں آنا چاہئے تھا۔''[۱۵]

ان کے علاوہ برصغیر کے بعض علما اور محققین نے قرآن کریم کے لغت کے انداز میں ترجمے کئے جیسے ہر ہر لفظ کو الگ الگ خانہ میں لکھ کر نیچے اس کا ترجمہ دیا گیا ہے، تاکہ عام قاری اور مبتدی کے لئے ترجمہ قرآن کا سیکھنا آسان ہو، ان تراجم میں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی ، خواجہ حسن نظامی ، ڈپٹی نذیر احمد اور جناب حافظ نذیر احمد کے تراجم زیادہ مشہور اور قابل ذکر ہیں ، ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات نے اسی طرح لغوی طرز پر ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

بعض مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں مشکل مفردات کے معنی لغات کے انداز میں بیان کیے ہیں اور مشکل الفاظ کے نہ صرف معنی بتائے بلکہ ان پر تشریحی وتوضیحی نوٹ بھی تحریر کئے، تاکہ تفسیر کے کے کسی بھی قاری کو فہم قرآن وتفسیر میں کوئی دقت نہ ہو۔

ان تفاسیر میں بیان القرآن : مولانا اشرف علی تھانوی۔ضیاء القرآن : پیر محمد کرم شاہ الازہری۔
مجموعہ تفسیر فراہی: علامہ حمید الدین فراہی۔تدبر قرآن علامہ مولانا امین احسن اصلاحی قابل ذکر ہیں۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ برصغیر کے اہل علم نے دیگر اسلامی علوم سے قطع نظر لغات القرآن کے موضوع پر جتنا کام کیا ہے، وہ بلاشبہ مسلمانان برصغیر کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔

علوم القرآن اور تاریخ واصول تفسیر پر کتب ومقالات:

منشور قرآن : (مضامین قرآن کا سہ لسانی اشاریہ) عبدالحکیم ملک۔

تفسیر منسوخ القرآن : علامہ رحمت اللہ طارق۔

مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی: مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

حدائق القرآن فی معارف القرآن : مولانا محمد عبد الغفور فاروقی، اس میں علوم القرآن کو ۳۰حدائق یعنی ۳۰ باغیچوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

الناسخ المنسوخ : مولوی سخاوت علی جون پوری۔

البیان فی علوم القرآن : مولوی عبدالحق بن محمد میر دہلوی۔

اعجاز البیان فی لغات القرآن : حافظ روح اللہ اٹاوی۔

تاریخ القرآن : مولوی اسلم بن سلامت اللہ جیراج پوری

ارض القرآن :سید سلیمان ندوی

التحریر فی اصول التفسیر : سرسید احمد خان دہلوی

اقتباس الانوار: مولوی عبید اللہ پاٹلی۔

اصول تفسیر وتاریخ تفسیر: پروفیسر منظور احمد میاں (۲۰۰۲ء)

تاریخ تفسیر ومفسرین: علامہ غلام احمد حریری۔

مضامین قرآن : میر محمد حسین

مقدمۃ الفرقان مع توضیح ام القرآن : مولانا عبید اللہ درخواستی (م ۱۹۹۴ء)۔

منابل العرفان : مولانا محمد مالک کاندھولی

اردو تفاسیر (کتابیات) ہید جمیل نقوی۔

قرآن کے اردو تراجم (کتابیات): ڈاکٹر احمد جان۔

تاریخ قرآن : عبدالصمد صارم

قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر: ڈاکٹر سید حمید شطاری۔

قرآن حکیم کے اردو تراجم: ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین۔

ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی : ڈاکٹر سالم قدوائی۔

مولانا ثناء اللہ امرت سری کی تفسیری خدمات، تحلیل وتنقیدی جائزہ: محمد اسحاق اظہر، لاہور مقالہ برائے پی ایچ ڈی، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور۔

چودھویں صدی ہجری میں اردو زبان کے تفسیری ادب پر مقامی سیاسی اثرات: مسز نصرت ضیاء مقالہ برائے ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد،

تذکرہ المفسرین: قاضی زاہد الحسینی اٹک۔

نیل السائرین فی طبقات المفسرین پنج پیری، طاہری مولانا مردان۔

اعجاز القرآن: علامہ عتیق فکری۔

علوم القرآن: مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی۔

علوم القرآن: مولانا شمس الحق افغانی۔

اردو تفاسیر کی خصوصیات:

۱۔ حجم اور مواد کے اعتبار سے گراں قدر۔ ۲۔ تفاسیر کی غرض و غایت عام فہم انداز میں قرآن کے مقصد ومنشا کی تشریح، ۳۔ جدید ذہن کا اطمینان، ۴ عصر حاضر کے مسائل اور ضروریات کی نشان دہی اور حل کی کوشش، ۵ ترجمہ کی بجائے فہم قرآن کی طرف توجہ۔

علاقائی زبانوں میں تفاسیر:

پشتو: برصغیر میں سرحد کو زمانہ قدیم سے خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے، یہاں طویل عرصہ تک فارسی رائج رہی، اہل سرحد کی قبائلی کشمکش اور خانہ جنگیوں کے علاوہ بیرونی حملہ آوروں سے برسر پیکار رہنے کے باعث جہاں تصنیف وتالیف کی طرف توجہ کم رہی وہاں موجود علمی ذخائر بھی محفوظ نہ رہ سکے، طویل عرصہ تک فارسی تفاسیر وتراجم بالخصوص ''تفسیر حسینی'' کے تداول کے باعث پشتو تراجم وتفاسیر کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی، اس پر مستزاد اہل بنگال کی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر ترجمہ قرآن کو انیسویں صدی کے وسط تک نہ صرف معیوب سمجھا جاتا رہا بلکہ ایسی کوشش کو تحریف قرآن قرار دیا جاتا تھا، اس کے ساتھ پختون عوام مزاجاً تحریر کی بجائے تقریر اور وعظ کے خوگر اور دل دادہ تھے، لہذا قرآنیات کے مختلف فنون میں تصنیف وتالیف نہ ہوسکی، ایک اور چیز یہ بھی مانع رہی کہ برصغیر کی دیگر زبانوں کے برعکس پشتو کا اپنا کوئی رسم الخط بھی موجود نہ تھا۔

انیسویں صدی کے وسط میں سیاسی وتہذیبی استحکام کے ساتھ فارسی زبان کے اثرات زائل ہونا شروع ہوئے اور اہل سرحد کے روابط برصغیر کے دیگر علاقوں سے استوار اور آمد ورفت کا سلسلہ جاری ہوا تو جہاں نئے حالات کے تقاضوں کا احساس کیا جانے لگا اور پشتو تراجم وتفاسیر کی ضرورت پیداہوئی، پہلا پشتو ترجمہ قرآن ۱۷۶۱ء میں مولانا رکن الدین نے کیا۔ ۱۶

پشتو تراجم وتفاسیر کے آغاز سے اب تک تقریباً ۱۸تراجم اور متعدد ومکمل وجزئی تفاسیر کے تذکرے موجود ہیں، ان میں چار منظوم تراجم ہیں جن میں سے تین مکمل اور ایک جزوی ہے۔

اردو تفاسیر کے پشتو تراجم:

پشتو میں زیادہ تر اردو تفاسیر کے تراجم پائے جاتے ہیں جن میں چند یہ ہیں:

۱۔تفسیر حسینی: کا ترجمہ عبداللہ کا کا خیل (۱۸۳۶-۱۹۱۷ء)

۲۔المنارک اترجمہ بنام تفسیر حبیبی رمبین: مولانا حبیب الرحمٰن۔

۳۔تفہیم القرآن کا ترجمہ پروفیسر مولانا فضل معبود اور مولانا رحیم گل۔

۴۔معارف القرآن: از مولان امفتی محمد شفیع کا ترجمہ ڈاکٹر قاضی مبارک۔

پشتو تفاسیر:

۱۔تفسیر یسیر: مولانا مرادعلی، یہ پہلی اور مقبول، مستند اور ضخیم تفسیر ۱۲۸۴ھ میں لکھی گئی، بعد ازاں اس کے حواشی ''تیسرالیسیر'' اور فوق الیسیر'' کے نام سے لکھے گئے۔

۲۔مخزن التفاسیر: مولانا محمد الیاس پشاوری کو چیانی، تفسیر ۱۳۱۳ھ میں دہلی سے شائع ہوئی مگر مقبول نہ ہوسکی۔

۳۔تفسیر حسنی: تفسیر حسنی (فارسی) کا ترجمہ، مولانا عبد اللہ وعبد العزیز عادل گڑھی نے کیا اور ۱۹۳۰ء میں بمبئی سے شائع ہوئی۔

۴۔تفسیر ودودی: یہ تفسیر قیام پاکستان کے بعد لکھی گئی، اس کے مفسر مولانا فضل ودود اسے پندرہ سترہ پاروں تک مکمل کرسکے، بعد ازاں ان کے شاگرد مولانا گل رحیم نے اسے مکمل کیا، یہ تفسیر پشتو کی ترقی یافتہ نثر کا عمدہ نمونہ ہے۔

پشتو میں جزوی تفاسیر:

قطب المنسکر فی تفسیر سورۃ الکوثر: تفسیر سورہ کوثر ابن تیمیہ کا منظوم پشتو ترجمہ، تفسیر والضحیٰ، تفسیر بے نظیر (پارہ ۳۰۔ ۲۹) اور تفسیر الظاہر (پارہ اول) : مولانا عبد الودود سرحدی، تفسیر اکوڑہ خٹک (پارک اوّل)، مولانا بادشاہ گل، پارہ عم، مولانا محمد پشاوری (م ۱۸۸۳ء) (پہلا مطبوعہ ترجمہ) ترجمہ سورۂ اخلاص : مولانا غلام ربانی لودھی ہزاروی (۱۸۹۹-۱۹۴۷م) ترجمہ وتفسیر سورہ آل عمران والبقرہ : مولانا فضل الرحمٰن پشاوری (م ۱۹۰۱) پارہ اول : مولانا عبد الشکور طوروی۔

یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ صوبہ سرحد میں قرآن کریم کے تراجم وتفاسیر کے مطالعہ میں مردوں سے کہیں زیادہ خواتین نے دلچسپی لی، ان مفسرین کے علاوہ سرحد کے بعض ایسے قدیم وجدید مفسرے کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے اردو یا عربی میں مکمل اور جزوی تراجم وتفاسیر اور متعلقات قرآن پر تصانیف تحریر کیں، ان میں قابل ذکر مولانا عزیز گل کا کاخیل کی انگلستان کے شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی اہلیہ کا انگریزی ترجمہ قرآن ہے جو دونوں میاں بیوی کے ۳۰ سالہ مطالعہ قرآن کا حاصل بھی ہے۔

مجموعی طور پر سرحد کے ۵۰ سے زائد مفسرین ومترجمین کا ذکر مختلف تذکروں میں موجود ہے جنہوں نے قرآن کے حوالہ سے تقریباً ۷۵ تصانیف تحریر کیں۔

سندھی تفاسیر:

معروف جرمن محقق ابن میری شمل کے مطابق ۲۷ تراجم وتفاسیر سندھی میں لکھی گئیں، اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اسی قدر تعداد مذکور ہے۔ [۱۷]

۱۔ سندھی نثر میں پہلی تفسیر مولانا ابو الحسن ٹھٹھوی نے بارہویں صدی ہجری کے وسط میں لکھی۔

۲۔ مفتاح رشد اللہ : سندھ کی یہ قدیم تفسیر ہے، جسے قاری فتح محمد قطمانی نے پیر صاحب جھنڈو شریف مولانا رشید الدین کی فرمائش پر تیرھویں صدی ہجری میں تحریر کی۔

۳۔ تفسیر کوثر: پیر مردان علی شاہ، پیر پگاڑو کی پانچ جلدوں میں مکمل تفسیر قرآن۔

۴۔ تنویر الایمان : ٹولوی عثمان نورنگ زادہ نے چار جلدوں میں یہ تفسیر لکھی جو عوام میں بہت مقبول ہوئی۔

سندھی جزوی تفاسیر:

تفسیر ہاشمی، آخری دو پاروں کی تفسیر از مخدوم ہاشم بن عبد الغفور ٹھٹھوی (م ۱۱۷۴ھ) ان ہی محمد

ہاشم ٹھٹھوی سے عربی میں ایک کتاب جنۃ النعیم فی فضائل القرآن الکریم منسوب ہے، جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اردو تفسیر کا سندھی ترجمہ:

مولانا جان محمد بھٹو مرحوم نے ''تفہیم القرآن'' کے سندھی ترجمہ کا آغاز کیا جسے ۱۹۹۵ء میں مولانا امیر الدین نے چھ جلدوں میں مکمل کر کے شائع کیا۔

پنجابی تفاسیر:

پنجاب ہمیشہ سے علم وعرفان کا مرکز رہا ہے، یہاں ۱۰۹۰ھ میں نواب جعفر خان کی فرمائش پر حافظ برخوردار نے سورہ یوسف کی منظوم تفسیر احسن القصص لکھ کر تراجم وتفاسیر کی بنیاد ڈالی، ان کے بعد ۶۴ تراجم وتفاسیر لکھے گئے جن کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ پنجابی زبان کا اپنا کوئی تحریری خط نہیں، لہذا تمام تفاسیر وتراجم گورمکھی یا فارسی رسم الخط میں لکھی ہوئی ہیں۔

۲۔ اکثر وبیشتر تراجم وتفاسیر منظوم ہیں جنہیں دیگر پنجابی داستانوں کی طرح لکھا گیا اور وہی مقبول ہوئے۔

۳۔بعض تراجم اردو میں کیے گئے جن کے ساتھ تفسیر منظوم پنجابی میں کی گئی، اسی طرح اس کے برعکس یعنی تراجم پنجابی اور تفاسیر اردو منظوم۔

مکمل نبوی: نبی بخش حلوائی، اردو منثور ترجمہ اور پنجابی تفسیر۔

۱۔تفسیر نبوی: نبی بخش حلوائی، اردو منثور ترجمہ اور پنجابی منظوم تفسیر۔

۲۔تفسیر محمدی: محمد بن بارک اللہ کی پنجابی نثر میں ترجمہ اور منظوم تفسیر۔

۳۔تفسیر یسیر: عبد الغفور جالندھری، منظوم پنجابی ترجمہ شاہ رفیع الدین مع مختصر اردو تفسیر۔

جزوقتی تفاسیر بھی پنجابی زبان میں لکھی گئی، اس سلسلے میں سب سے زیادہ سورہ یوسف کی تفاسیر وتراجم کئے گئے جن کی تعداد ایک اندازے کے مطابق تقریباً ۱۳ ہے، یہ سب منظوم پنجابی میں ہیں جنہیں قصہ ہیر رانجھا، قصہ سیف الملوک کی طرح دیہی عوام میں قصہ یوسف زلیخا کے نام سے بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔

ان تراجم وتفاسیر میں گلزار یوسفی: فیروز الدین ڈسکوئی (۱۳۲۰ھ)، قصص الحسنین: مولوی عبد

الستار (۱۳۲۰ھ) ،گلزار یوسف : مولوی محمد دل پذیر (۱۲۸۷ھ) احسن القصص: عبد الحکیم بہاول پوری (۱۲۱۸ھ)،تفسیر یوسف : مولوی احمد یار گجراتی ، احسن القصص : مولوی غلام رسول عالم پور کوٹلوی (۱۲۹۰ھ) تفسیر حامد: شاہ عباسی ، یوسف زلیخا مولوی چراغ الدین جونیکے والے (۱۹۸۵ء) تفسیر سورہ یوسف: محمد اظہر حنفی بھروی اور عبد الرحمٰن دردوحافظ برخوردار ہیں جن میں سے اکثر دست یاب ہیں، ایک اور تفسیر سورہ یوسف کا پتہ بھی چلتا ہے جسے غلام مصطفیٰ نے لکھا اور ۱۸۸۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔

کشمیری تفاسیر:

کشمیر میں سلطان شہاب الدین عہد حکومت (۱۳۵۴ء۱۳۷۳ء)میں پہلی تفسیر شاہ ہمدان نے عربی میں لکھی ، بعد ازاں فارسی وعربی کی متعدد وتفاسیر منظر عام پر آئیں جن میں شیخ یعقوب صرفی (فارسی) ،خواجہ معین الدین (فارسی،عربی) ،صفی الدین کشمیری (فارسی) ،بابائے داؤد خاکی (عربی) ملاعبد الرشید کشمیری (عربی) ، علامہ تفضّل حسین (فارسی) اور مولانا معین الدین (عربی) ہیں۔

۱۔ قرآن کریم کا پہلا کشمیری ترجمہ ۱۹۴۵ ء میں ڈاکٹر حمید اللہ کی تحریک پر مولانا محمد احمد مقبول سبحانی نے کیا جو ۱۹۵۰ ء میں طبع ہوا۔

۲۔ دوسرا ترجمہ میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ نے تیار کیا جس کے دس پارے بیان القرآن المعروف بہ تعلیم القرآن کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

۳۔ دیگر تراجم قرآن میں مولانا مفتی ضیاء الدین بخاری کا ترجمہ ، اس میں مولانا محمد یحیٰ شاہ (م۱۹۸۰) کا نام مکمل ترجمہ شامل ہے۔

۴۔مولانا سید میرک شاہ اندرابی محروم نے ۲۵ پاروں کی تفسیر اور ترجمہ مکمل کئے۔

۵۔ پارہ عم کشمیری زبان میں لکھی گئی ایک تفسیر بنام نور العیون از محمد یحیٰ ، یہ ۱۹۱۰ء میں امرتسر سے شائع ہوئی۔

حواشی وحوالہ جات:

۱؎ دیکھئے برصغیر میں مطالعہ قرآن ،فکرونظر خصوصی اشاعت ۱۹۹۹ء جلد ۳۶، شمارہ ۳و۴،ص۶۸،ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد (حذف واختصار کے ساتھ)

۲؎ ایضاً ،ص ۶۹

۳؎ ایضاً

۴؎ پروفیسر شعبہ عربی بہاء الدین ذکریا یونی ورسٹی ملتان نے اس تفسیر کی تحقیق کی ہے اور ۱۹۹۷ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے پی ایچ ڈی عربی میں ڈگری حاصل کی ہے۔

۵؎ دیکھئے گیلانی، مناظر احسن مولانا: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۲/ ۲۵۸

۶؎ دیکھئے مطالعہ قرآن، ص ۸۱

۷؎ دیکھئے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱/ ۱۶/ ۶۱۵

۸؎ امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲) کی مفردات غرائب القرآن بہت مشہور ہے، ان کے علاوہ اس موضوع پر اخفش (م ۲۱۵)، فراء (م ۲۰۷)، ابن قتیبہ (م ۲۷۶) اور ابو حیان اُندلسی (م ۷۵۴) کی کتابیں قابل ذکر ہیں۔

۹؎ شیخ محمد مراد بخاری کشمیری نے اس موضوع پر بارہویں صدی ہجری میں ایک جامع کتاب مفردات لکھی جو ۱۱۳۱ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب میں ہر لفظ کے معنی عربی، فارسی اور ترکی تینوں زبانوں میں دئے گئے ہیں، اس کا فارسی مکتوبہ ۱۱۶۹ء میں کتب خانہ جامعہ الازہر میں محفوظ ہے۔

۱۰؎ ماہنامہ شریعت سکھر، اکتوبر ۱۹۸۱، ص ۷۵

۱۱؎ قدوائی: ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۳ء، ص ۲۰۳

۱۲؎ دیکھئے صدیقی، محمد میاں داکٹر: قرآن مجید کا عربی اردو لغت، ص ۲

۱۳؎ علوی، ابو مسعود حسن: تدریس لغات القرآن، ص ۶

۱۴؎ محمد اسحاق بھٹی ارمغان حنیف: ص ۱۳۔ ۳۳

۱۵؎ صدیقی ڈاکٹر محمد میاں: قرآن مجید کا عربی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۹۶ء، ص

۱۶؎ دیکھئے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱/ ۱۶-۶۱۵

۱۷؎ ایضاً۔

قصبہ سیتھل کے اسلامی ادب کا اجمالی تعارف

پروفیسر عراق رضا زیدی
شعبۂ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

قصبہ سیتھل ضلع بریلی کے بڑے اور قدیم قصبات و پرگنوں میں سے ایک ہے۔ جو شہر بریلی اور پیلی بھیت کے درمیان واقع ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ قصبہ عہد وسطیٰ کی قدیم ترین تاریخ کا حصہ رہا ہے جسے اہی شیتر اور کٹیہر کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ہمایوں کے دوسرے دور حکومت تک اس علاقے پر کبھی مسلمانوں اور کبھی پرانے غیر مسلم باشندوں کی حکومت رہا کرتی تھی۔ ہمایوں کے آخری دور میں سید لاڈ اور ان کے پسر سید امان اللہ نے اس علاقے کو فتح کر کے ہمایوں بادشاہ سے یہ علاقہ جاگیر کی شکل میں حاصل کیا۔ سید امام اللہ کے جد امجد ابو الفرح واسطی محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ محمود غزنوی کا دربار ادیبوں اور شاعروں کی قیامگاہ رہا ہے۔ لہٰذا ابو الفرح واسطی بھی اس ادبی ماحول سے دور نہیں رہ سکے۔ آج بھی ان کے وارثوں میں یہ ذوق موجود ہے۔ بریلی گزیٹیر کے مطابق اس قصبے کو سید امان اللہ نے بسایا تھا[۱] خدا کا شکر ہے کہ صدیوں کے طولانی سفر کے دوران سادات سیتھل اپنے مورث اعلیٰ کی عظمت وفضیلت کو محفوظ رکھنے میں پوری طرح کامیاب ہیں اور الیکشن جیتتے رہے ہیں۔ محمود غزنوی کے بعد جس بادشاہ کا دربار ادیبوں شاعروں کی قیامگاہ بنا وہ اکبر بادشاہ تھا گو کہ سیتھل کی فتح ۱۵۵۶ء میں ہمایوں کے زمانے میں ہوئی لیکن اسی سال اس کے انتقال کے بعد اکبر بادشاہ بنا اور اس کے ادبی ذوق وشوق کے اثرات سیتھل تک دکھائی دیتے ہیں۔ سید امان اللہ ملا کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جہاں ان کا مزار ہے وہ جگہ بھی ''ملا ابھے پور'' کے نام سے مشہور ہے۔ وہ مفسر قرآن بھی تھے۔ ان کے پوتے سید فیض اللہ کی پرورش ہی قلعہ معلیٰ ''شاہ جہاں آباد میں ہوئی تھی۔ [۲] لہٰذا فارسی ادب کا ذوق وشوق ان کی رگوں میں پیوست تھا۔ انہوں نے ایک کتابخانہ کی بنیاد بھی ڈالی تھی۔ جو کسی نہ کسی صورت میں ۱۹۴۷ء تک باقی رہا۔ اور اس بٹوارے کے بعد کہاں کیا باقی رہا پورے ملک کی ایک ہی کہانی ہے۔ قصبہ سیتھل ہمیشہ سادات کے نام سے جانا جاتا رہا ہے۔ لہٰذا یہاں کے علمی وادبی ماحول پر دہلی اور ایران کے اثرات بلاواسطہ اور بالواسطہ رہے ہیں۔ خصوصاً فیض آباد اور لکھنؤ میں جب ایرانی ماحول مکمل طور پر چھا گیا تو اس کے اثرات نے اس

قصبے کو آسانی سے اپنی گرفت میں لے لیا۔لکھنؤ دہلی یا دہلی میں ہی میرؔ و سوداؔ اور غالبؔ وذوقؔ کی چشمک ، انشاؔ، مصحفیؔ اور آتشؔ وناسخؔ کی لکھنوی ادبی چشمک کے اثرات بھی سیتھل کے ادیبوں اور شاعروں پر بہت نمایاں رہے ہیں۔سیتھل کی عزاداری کی تاریخ بھی ''شیعہ'' ۱۹۸۵ میں شائع ہوچکی ہے۔

گو کہ سیتھل میں سادات نے ایک علمی اور ادبی ماحول بنایا لیکن اس ماحول میں سیتھل کا قاضی خاندان اور کائیسھ بھی برابر کے شریک رہے ۔ یہاں تک کہ سیتھل کے اسلامی ادب میں کائیستھوں کا بھی برابر کا حصہ رہا۔ یہ لوگ مجلس عزا میں شرکت کرتے اور مرثیہ اور سلام بھی پڑھتے اور کہتے تھے ۔اس ذیل میں منشی الفت رائے کے ایک سلام کا مندرجہ ذیل شعر مثال کے لئے کافی ہے۔

ہمیں کیا خوف ہومحشر کا الفت
رئیس خلد ہیں مولا ہمارے [۳]

کچھ دانشوروں کا خیال ہے کہ سیتھل کا ادبی ماحول لکھنؤ اور دہلی سے زیادہ ایران سے متاثر ہوا جہاں صفوی بادشاہوں نے اپنی شان وشوکت کے قصیدے نہ سن کر رسول مقبول اور ان کی آل کی مدح میں نعت ومنقبت لکھنے کا رجحان شاعروں میں پیدا کیا۔جس کے نتیجے میں ادب شخصیت ، دربار اور مبالغے سے جدا ہوکر حقیقت اور مذہبی شاعری کی طرف گامزن ہوا۔

سید فیض اللہ اور ان کی اولاد کا زمانہ شاہ طہماسب اور شاہ عباس ثانی جیسے صفوی بادشاہوں کا دور ہے لہٰذا سیتھل کا ادبی ماحول اسی ایرانی ماحول کا مرہون منت رہا ۱۹ ویں صدی اردو ادب کے عروج کی صدی ہے اسی صدی میں یہاں کے ادبی ماحول پر لکھنؤ کا اثر نمایاں ہے۔ جو مذہبی مرکز پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے۔سیتھل میں اس صدی میں اسلامی ادب کی پرورش کرنے والوں میں مولوی محمد اخلاق ، میر محمد حسین اور میرا صفر حسین ثمر کے نام اہم ہیں۔ میر محمد حسین فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کیا کرتے تھے ۔نظیر اکبر آبادی سے ان کے اچھے مراسم تھے۔ ان کا ایک سلام بہت مشہور ہوا۔

قرطاس خود سے بندہ حمد خدا کرے ہے
نقش قدم پہ حضرت احمد کے بھی چلے ہیں
کرب وبلا کے غم سوں کچھ ہور غم نہ دیکھا

اس غم میں مرنے والا فردوس میں جئے ہے

لیکن اس دور کے صاحب دیوان شاعر میرا صغر حسین ثمر میرا نیس مرحوم کے شاگردوں میں سے ایک ہیں۔ ان کا دیوان اس دور کی مذہبی شاعری کا شاہکار ہے۔ثمر سیتھلی غالباً سیتھل کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں کیوں کہ یہاں شاعر نام نمود سے دور رہ کر اپنی شاعری کی حدود ضلع بریلی تک سمجھتے ہیں اسی لئے یہاں کلام شائع کرنے یا کرانے کا کوئی رجحان نہیں ہے۔ثمر سیتھلی کو کیوں کہ میر انیس سے مناسبت تھی اور وہ حیدر آباد اور پٹیالہ جیسی ریاستوں سے بھی وابستہ تھے لہٰذا اپنے کلام کو شائع کرنے کی وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ اور اپنا تعارف بھی پیش کرتے ہیں ۔

''اما بعد اس خوشہ چین ارباب معانی زکّہ ربانی مایدۂ سخندانی خاکسار ذرہ بے مقدار خادم ذاکرین مداح ائمہ معصومین اثم الکونین سید اصغر حسین المتخلص بہ ثمر باشندہ دار السلطنت لکھنؤ حال وارد قصبہ سیتھل ضلع بریلی کمترین تلامذۂ قدوۃ المحققین سلطان الذاکرین الخ.....خلیق زمان انیس صاحب دلال مونس سخنواران رئیس العصر وحیدر الدہر نفیس بیان سلیس زبان۔حسب الارشاد عالی قدر والا شان اقبال لسان برگزیدہ کونین جناب سید محمد تفضّل حسین صاحب خلف الصدق حاتم دوران جناب دیوان سید محمد امداد علی صاحب بہادر حاکم صدر عدالت ریاست پٹیالہ چند سلام ورباعیات وقصائد وقطعات تاریخ وغیرہ اپنی تصنیف سے جمع کرکے'' گلدستہ ثمر'' نام رکھا۔ [۴]

گلدستہ ثمر کی اشاعت ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔ یہ سال آخری صفحات پر رقم کردہ تاریخوں سے بھی ظاہر ہے۔جن میں صرف ایک تاریخ ۱۲۱۳ھ اور ایک تاریخ ۱۸۹۵ء کی رقم کی جاتی ہے۔ پہلی تاریخ خواجہ مبشر حسین بشیر شاگرد خورشید لکھنوی کی ہے۔

پئے سال طبع کتاب ثمر چودر دل ہویدا شد اندوہ وغم
چکید از قلم بے تکلف بشیر کلام سخندان وعالی رقم

۱۳۱۳ھ

دوسری تاریخ سنہ عیسوی میں سید امیر اعظم رئیس نگینہ ضلع بجنور کی درج کی جاتی ہے۔

کوئی اس کی تعریف کیا کرسکے جو ہے نظم میں انتظام ثمر
کرے عیب جوئی کوئی کیا مجال کہ ہے ''انتخاب کلام ثمر''

۱۸۹۵ء

یہ دیوان ۲۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں ہر سلام نوحے اور قصیدے کے بعد ایک رباعی درج ہے۔ یہاں صرف ایک رباعی اور ایک سلام کے اشعار بطور نمونہ لکھے جارہے ہیں۔

رباعی

ہے جلوۂ محبوب خدا مجلس میں ہو غلغلۂ صل علیٰ مجلس میں
گرمی سے نہ گھبرائیں ہوا خواہ حسینؑ اب آئے گی جنت کی ہوا مجلس میں[۵]

سلام

غم شہ میں نہیں چشموں سے یہ آنسوں ٹپکتے ہیں
لبالب حوض کوثر کے یہ دو ساغر چھلکتے ہیں
نہ چھوٹے گی ترائی مر کے بھی عباس کہتے تھے
کہیں جم کر جگہ سے پاؤں شیروں کے سرکتے ہیں
ثنائے زلف ورخ میں شہ کے کرتا ہوں عرق ریزی
گلاب ومشک کی خوشبو میں سب کپڑے مہکتے ہیں
عجب کم ظرف ہیں دیتے ہیں طعنے قتل اکبر کے
نمک زخم جگر پر شاہ کے اعدا چھڑکتے ہیں
عطش سے انتظار حضرت عباس میں بچے
کٹورے خالی ہاتھوں میں لیے دریا کو تکتے ہیں
عجب احوال سے شہزادیاں جاتی ہیں بلوہ میں
رسن بستہ ہیں بازو بال چہرے پر لٹکتے ہیں
جدا ہوتا ہے سر شہ کا پچھاڑیں کھاتی ہیں زینبؑ
قیامت ہے بپا سر خاک پر عابد پٹکتے ہیں
طلب کس دن کریں روضہ پہ اپنے دیکھئے آقا
ثمر باندھے کمر شام وسحر ہم راہ تکتے ہیں[۶]

۱۹ویں صدی کے آخراور بیسویں صدی کے آغاز میں میر محمد حسین کے شاگردوں میں خود

انہیں کے فرزند میر علی افضل ایک مستند استاد شاعر ہونے کے ساتھ محقق محدث اور بلند پایہ ادیب نظر آتے ہیں۔ خود ان کے بھی لاتعداد شاگرد گذشتہ صدی کے ساتویں دہے تک دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی تحریر کردہ کتابیں مخطوطات کی شکل میں سیتھل لائبریری کی زینت رہی ہیں۔ ابھی ایک کتاب مع چند قصاید کے قلم لائبریری سیتھل کی زینت بنی ہوئی ہے۔ انہوں نے ایک سفر نامہ مقام مقدسہ کی زیارت کے بعد تحریر کیا تھا۔ ان کا کلام نہایت سادہ دلنشیں با محاورہ اور برجستگی سے پر ہے۔ ایک قصیدے کے چند شعر درج ذیل ہیں۔

قصیدہ

علی افضل ہیں سب جن وبشر سے — چلی ہے بات یہ خالق کے گھر سے
ہمیں الفت ہے بس مولا کے در سے — نہ جاہ وحشمت وفیضان زر سے
نجف بھی کربلا بھی دیکھ آئے — بہت کچھ مل گیا زاد سفر سے
گھٹا کعبے پہ جب چھا ہی گئی ہے — کہواس سے کہ اب دنیا پہ برسے
غدیری جام جو پی کر چلا ہے — نہیں ممکن ہے وہ کوثر پہ ترسے[۷]

اس دور کا ایک بڑا نام ذو الفقار حسنین کا بھی ہے۔ جو نہایت شوخ وطرار اور فی البدیہ شعر کہنے کی مہارت رکھتے تھے۔ ان کا مندرجہ ذیل شعر آج بھی زباں زد خاص وعام ہے جس سے ان کے زور کلام پر واز تخیل اور صنایع پر قدرت کا ایک اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نار نمرود میں گر کر کسے پکارے خلیل — فرش گل پر ہیں مرے پاؤں کہ انگاروں پر[۸]

خلیل حسنین نعیم جن کے والد بیگم واجد علی شاہ کے اتالیق تھے۔ خلیل صاحب ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ خوب کہتے تھے۔ یہاں ان کی حمد کے چند شعر پیش کیے جاتے ہیں۔

ہے دل میں یاد تیری اور لب پہ نام تیرا — گو تو نہاں ہے پر ہے جلوہ تمام تیرا
ڈھونڈا کلیسۂ مندر ومسجد کہیں نہ تھا تو — آخر میں ہم نے پایا دل میں مقام تیرا
یہ چہچہا رہے ہیں طائر جو ہر چمن میں — جب غور سے سنا تو کلمہ کلام تیرا
ہے پر گنہ نعیم غفار تو ہے یارب — عصیاں ہیں فعل میرے بخشش ہے کام تیرا

بیسویں صدی کے نصف اول میں قاضی غلام شبیر، نذیر حسن، نذیر بخاری، اقبال حسین، میر حیدر حسین، نقش علی اور قاضی شفیق شفیق وغیرہ اسلامی شاعری کے دلدادہ گزرے ہیں۔ ان سبھی

شاعروں کا کلام سننے والے بیسویں صدی کے آخر تک نظر آتے ہیں۔ آزادی ہند کے قبل کا دور زاہد علی جیسے استاد شاعر کا دور ہے۔ استاد زاہدعلی قصیدہ ، نوحہ ، سلام اور رباعی کہنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ آزادی کے بعد کا دور انہیں کے شاگردوں کا دور ہے۔ زاہد سیتھلی کا ایک شعر ملاحظہ فرمائے۔

کیوں طور پر گئے جو سنیں لنترانیاں
موسیٰ تمہاری بات کا یہ ہی جواب ہے[۱۰]

مندرجہ بالا شعر میں تملیح کی صنعت کے ساتھ بر جستہ محاورے کا استعمال اور شکوہ الفاظ سوداؔ کی یاد دلاتا ہے ۔ ان کے ہم عصر شعرا میں حمید حسین حمید ایسے باکمال تاریخ گو شاعر تھے کہ ان کا شہرہ لکھنؤ میں بھی تھا۔ خود مفتی صاحب ان سے بات بات پر تاریخ سننا پسند کرتے تھے۔ حمد، نعت اور رباعی سے ایک خاص شغف تھا۔ ملا زاہدعلی کے شاگردوں میں احمد اصغر قلم، حفاظت حسین صریر، غیور حسین قمر ، افضال مہدی ثمر وغیرہ باکمال شاعر ہوئے ہیں۔ استاد زاہدعلی کی پاکستان ہجرت کے بعد نہال علی نہال نے ایک عرصہ تک اس دبستان کی سرپرستی کی جن کی ایک نظم بارہویں امام کی مدح میں بہت مشہور ہوئی۔

آپ نے خود کو حجابوں میں چھپا رکھا ہے
فیصلہ مرا قیامت پہ اٹھا رکھا ہے

لیکن یہ عہد احمد اصغر قلم زیدی الواسطی کے نام سے جانا جاتا ہے ۔ قلم زیدی برصغیر میں بخوبی پہچانے جاتے ہیں۔ لکھنؤ میں میں بھی ان کی شاعری کا چرچا عام رہا ہے۔ خصوصاً خاندان عبقات کے علماء اور ان سے وابستہ ذاکرین قلم زیدی کے کلام کو سننے کے مشتاق رہتے تھے ۔ سرفراز، الواعظ اور اصلاح میں ان کا کلام شائع ہو چکا ہے ۔ بدایوں سے نکلنے والے سہ ماہی ''لمحے لمحے'' نے ۲۰۰۱ء میں ''قلم سیتھلی نمبر شائع کیا جس میں ہندو پاک کے معتبر دانشوروں، محققوں اور ادیبوں نے قلم زیدی پر مقالے لکھ کر انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔ ان کی رباعیات کا ڈاکٹر افتخار رضوی نے انگریزی میں ترجمہ کیا جسے اسی سال ۲۰۰۹ء میں بوستان قلم'' نے شائع کیا ہے۔ اسی طرح قلم صاحب کی شہرت برصغیر ہی نہیں بلکہ دنیا کے دیگر ممالک تک پہنچ چکی ہے۔ ۵ ستمبر ۱۹۷۲ء مطابق ۲۵ رجب ۱۳۹۲ھ کو ان کے سفر خلد کے ساتھ جانشین قلم ، جناب محبوب حیدر رضوی نے ادارہ بوستان قلم کی بنیاد رکھی جس میں اس وقت تقریباً ۴۵ شعرا سیتھلی ، بیرون سیتھلی اور بیرون ہند کناڈا

وغیرہ میں بھی مقیم رہ کر شمع ادب کو روشن کئے ہوئے ہیں۔ قلم سیتھلی نے حمد اور رباعی میں اپنی شاعری کا لوہا منوانے کے ساتھ مرثیہ نوحہ، سلام ، قصیدہ اور قطعہ غرض کہ ہر صنف سخن میں کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ یہاں ان کے کلام کا کچھ نمونہ پیش کیا جارہا ہے۔

رباعی:

اے میرے کریم مجھ پہ بھی رحمت کر — اے میرے رحیم مجھ پر بھی رحمت کر
دشمن پہ بھی ہے عام نوازش تیری — اے میرے نعیم مجھ پہ بھی رحمت کر[۱۱]

حمد:

خدا کی شان ہر شے سے عیاں ہے — وہ اندھے ہیں جو کہتے ہیں کہاں ہے
خلیل اللہ اس کا رحم دیکھو — ابھی آتش بداماں گلستاں ہے
کوئی نمرود کے لشکر سے پوچھے — کہ اس کا قہر کتنا بے اماں ہے[۱۲]

نعت

خالق سے مصطفیٰ کی ملاقات ہوگئی — پردہ رہا نظر کا مگر بات ہوگئی
کیا انبیاء کی بھی پرواز اڑ گئی — جبریل کو خبر نہ ہوئی بات ہوگئی
احمد وہاں گئے نہ جہاں کوئی جاسکا — یہ بات رشک اہل سموات ہوگئی[۱۳]

قصیدہ درمدح امام زمانہ ولی العصر عج

کون سے ماہ کا یہ ماہ تمام آتا ہے — دل پہ قابو نہیں مومن لب بام آتا ہے
تیرے ساغر میں قیامت کا ہے نشہ ساقی — ہوش میکش کو ترے روز قیام آتا ہے
دیکھ لو اپنی دعاؤں کا اثر آکے خلیل — یہ امام ابن امام ابن امام آتا ہے
موت کو ٹالے ہوئے زیست کو بہلائے ہوئے — منتظر بیٹھے ہیں کس وقت امام آتا ہے
گیارہ ساغر تو چڑھائے ہوئے بیٹھا ہے قلم — اب ذرا ہوش کی پی بارہواں جام آتا ہے[۱۴]

اسی دور میں دوسرا نام حفاظت حسین صریر سیتھلی کا ہے۔ جن کی وفات ۱۹/دسمبر ۱۹۸۶ء کو ثمر سیتھلی کے بعد مرثیہ کے ذریعہ سیتھل کو متعارف کرانے میں صریر سیتھلی کا اہم رول رہا ہے۔ انہوں نے تقریباً تہتّر (۷۳) مرثیہ لکھ کر جہاں اردو مرثیہ نگاری کے دامن کو مالامال کیا وہیں جنت فردوس

میں بھی اپنے لئے ایک مسکن کا انتظام کر لیا۔ گوکہ انہوں نے سلام، نوحے اور رباعیاں بھی لکھی ہیں لیکن ان کا خاص میدان مرثیہ ہی رہا یہاں ان کے ایک مرثیہ اتحاد سے چند بند رقم کئے جارہے ہیں جو باقیات صریر سے ماخوذ ہیں۔

فیضان اتحاد زمانے پہ عام ہے کیا کیجئے کلام نہ کوئی کلام ہے
تخلیق میں بشر کی عجب اہتمام ہے گویا ہے اتحاد کہ یہ میرا کام ہے
انسان کی حیات ہے کس نظم و ضبط سے
یہ زندگی ہے چار عناصر کے ربط سے

پھیلی ہے اتحاد کی دنیا میں روشنی دیکھو کہاں ملی ہے سند اتحاد کی
افراد متحد جو ہوئے انجمن بنی دنیا کو اتحاد سے ملتی ہے زندگی
ہر فرد مستحق ہوا دنیا سے داد کا
سکھلایا کربلا نے سبق اتحاد کا

انصار شہ میں تھا نہ ذرا نام کو نفاق سبط رسول پاک کی الفت میں تھے وہ طاق
کس درجہ ہم خیال تھے کتنا تھا اتفاق ہر ایک کو تھا موت سے ملنے کا اشتیاق
شہ رگ سے مل رہی تھی خبر زندہ باد کی
کٹ کٹ کے دی سروں نے صدا اتحاد کی

صریر سیتھلی اور قلم زیدی کے دور میں یوسف حسین یوسف، مطلوب حسین مطلوب، عاجز حسین عاجز، عابد حسین عابد، عبد الصمد اور نظیر احمد نذیر اسلامی ادب کے پروردہ رہے ہیں۔ اس وقت سیتھل کی فضا کو اسلامی ادب میں ڈھالنے والوں میں افضال مہدی ثمر، غیور حسین قمر (بزرگ شاعر ہیں) تو صولت حسین صولت، محبوب حیدر محبوب سیتھلی (جانشین قلم) شاہین رضا شاہین، غلام حیدر شہاب عراق رضا آدمی، اکمل حسین اکمل، محمود حسین فتانقوی، اشجع رضا انسان، نسیم حسین نسیم، قایم رضا قایم، حاجی بنیاد علی، ڈاکٹر رضا حیدر رضا، بلال علی بلال، بختاور حسین زایر، جعفر علی جعفر (شمع) تلمذ حیدر تلمذ، انور سیتھلی مسرت علی مسرت، افتخار حسین فراز، معین میاں، تنظیم حسین سحر، ابن حسن حسن، نفیس الرضا نفیس، مجاہد علی مجاہد، حلیم سیتھلی، قمر عباس قمر، حسام زیدی، اعزام زیدی، اور الہام زیدی وغیرہ ہیں۔

سیتھل کے اسلامی نثری ادب کی تاریخ میں ۱۹/اگست ۱۸۹۳ء مطابق ۲۶/محرم الحرام ۱۳۱۱ھ کو مطبع اثنا عشری لکھنؤ سے شائع ہونے والی اہم کتاب ''مراۃ الامات فی اثبات الخلافت ، ہے جس کے مصنف مولوی کاظم علی زیدی الواسطی السیتھلی والبریلی ہیں۔[۱۶] کتاب کی نثرنہایت سادہ اور شگفتہ ہے۔ قصبہ سیتھل کے اسلامی نثری ادب کو جن کتابوں نے دوسرے مقامات کے مقابلے میں ایک نئی پہچان دی ہے وہ ڈرامہ نگاری کی صنف ہے۔ ڈرامہ نگاری کا چلن یہاں بیسوی صدی کے اوایل میں ہی شروع جاتا ہے۔ جس میں پہلا ''ڈرامہ عید زہرا'' جناب خلیل حسین نعیم سیتھلی نے اپنے چند دوستوں کی مدد سے تحریر کیا۔ یہ ڈرامہ ۹/ربیع الاول کو اسٹیج بھی کیا جاتا ہے اس ڈرامے میں ۱۱ھ سے ۳۶ھ تک کے حالات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ دوسرا ڈرامہ محبوب حیدر محبوب سیتھلی نے'' قاتلان امام حسین'' تحریر کیا یہ ڈرامہ ۱۰/ ربیع الاوّل کو اسٹیج کیا جاتا ہے۔ اس میں ۴۰ھ سے ۶۴ھ تک حالات لکھے گئے ہیں ۔خصوصاً حضرت مختار کا انتقام اس ڈرامے کا اہم باب ہے ۔تیسرا ڈرامہ''اسلام کا باغی'' شاہین رضا زیدی شاہین نے لکھا ہے یہ ڈرامہ مندرجہ بالا دونوں ڈراموں کے درمیان کے وقت کو مکمل کرتا ہے۔ اور جنگ صفین سے مرگ معاویہ تک کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

غرض کہ اس مختصر سے مقالے میں سیتھل کے اسلامی ادب پر بحث کرنا ممکن نہیں ہے اس کے لئے تو کئی کتابیں درکار ہیں پھر بھی راقم نے کوشش کی ہے کہ سیتھل کے اسلامی ادب کا تعارف کرا سکے۔

مأخذ:

1.Barelly Gazetteer volume XIII 1911Page 264.65
a2.lsaFky dk ,sfrgkfld egrRo ys[d t;izdk'k 1907 izIB 5-6
۳۔سیتھل کا ادبی ماحول پرواز ادب پٹیالہ پنجاب نومبر، دسمبر ۱۹۹۳ ص ۹۹
۴۔گلدستہ ثمر مطبوعہ ۱۸۹۵ء۔ ۱۳۱۳ھ ص ۴
۵۔ایضاً ص ۶۱
۶۔ایضاً ص ۵۶
۷۔سیتھل کا ادبی ماحول۔ پرواز ادب پٹیالہ، پنجاب نومبر دسمبر ۱۹۹۹۳ ص ۹۶

۸۔ایضاً نومبر دسمبر ۱۹۹۹۳ ص ۹۷
۹۔ایضاً نومبر دسمبر ۱۹۹۹۳ ص ۹۸
۱۰۔ایضاً نومبر دسمبر ۱۹۹۹۳ ص ۹۸
۱۱۔سہ ماہی لمحے لمحے بدایوں۔قلم سیتھل نمبر ۲۰۰۱ء ص ۴۵
۱۲۔ایضاً ص ۲۷
۱۳۔ایضاً ص۲۶۸
۱۴۔ایضاً ص ۲۸۵
۱۵۔باقیات صریر سیتھلی بریلی الیکٹرک پریس ۱۹۸۶ ص ۱۰۔۱۱
۱۶۔مراۃ الامات فی اثبات الخلافت مطبوعہ مطبع اثنا عشری ۱۳۱۱ھ ص ۱

فکر اقبالؒ میں کربلا کی اہمیت

ڈاکٹر غلام شبیر رانا، مصطفیٰ آباد، جھنگ شہر

اردو شاعری میں واقعہ کربلا (۱۰ محرم ۶۱ ہجری) کو حریت فکر کے ایک ایسے استعارے کی حیثیت حاصل ہے جو تاابد اذہان کی تطہیر وتنویر کا اہتمام کرے گا۔

غریب وسادہ ورنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسینؑ ، ابتداء ہے اسماعیلؑ

حریت فکر ایک جبلی جذبہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جبر کا ہر انداز مسترد کرتے ہوئے حق وصداقت کا علم بلند رکھنا ۔حریت فکر کے مجاہد ہمیشہ ظالم وسفاک ،موذی اور مکار استبدادی قوتوں سے ٹکرانا اپنا مطمح نظر قرار دیتے ہیں۔ بقول سید سلیمان ندوی:

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں
وہ ایک قطرۂ خوں جو رگ گلو میں ہے

تاریخ اسلام میں حضرت امام حسینؓ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کی فقید المثال قربانی ہر دور میں دلوں کو ولولۂ تازہ عطا کرتی رہے گی۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے حریت فکر وعمل کے اس عظیم واقعے کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا۔

شاہ است حسینؑ ، بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ ، دین پناہ است حسینؑ
سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

اردو شاعری میں واقعہ کربلا کی اہمیت تاریخ ادب کا ایک درخشاں باب ہے۔ ہر عہد میں اردو شعرانے اس واقعہ کو لائق تقلید سمجھتے ہوئے اس کے وسیلے سے قومی بیداری کو یقینی بنا دیا۔ واقعہ کربلا در اصل نظام کو درست رکھنے کی ایک کامیاب کوشش تھی۔ اس سے عوامی شعور و آگہی کو مثبت انداز میں پروان چڑھانے کی طرف توجہ دی گئی۔ علامہ اقبال کی شاعری میں واقعہ کربلا کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ارض پاکستان جو علامہ اقبال کی شاعری کا جغرافیائی ظہور ہے، یہاں حریت فکر

کے مجاہد کلام اقبالؒ کو بانگ درا کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔

واقعہ کربلا نے ثابت کردیا کہ حریت فکر زندہ قوموں کی پہچان ہے۔ جب تک حریت فکر کے مجاہد موجود ہیں، اسلامی تہذیب وثقافت ، مذہب کی ابد آشنا اقدار اور قومی آزادی پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ حریت فکر کے مجاہد ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جبر واستبداد کے پھنکارتے ہوئے ناگوں کو اپنی جان کا نذرانہ دے کر بھسم کرنے پر قادر ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے واقعہ کربلا کو حریت فکر وعمل کی ایسی تابندہ مثال کے طور پر پیش کیا ہے جو سفاک ظلمتوں میں ستارۂ سحر ثابت ہوگی۔

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؓ و یزید — این دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوت شبیری است — باطل آخر داغِ حسرت میری است
برزمین کربلا بارید و رفت — لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد — موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہرحق در خاک وخون غلطیدہ است — پس بنائے لا الہ گردیدہ است
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت — سطرِ عنوان نجات ما نوشت
رمز قرآن از حسینؓ آموختیم — ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

حضرت امام حسینؓ نے حریت فکر کی خاطر اپنا پورا خاندان قربان کردیا مگر ظلم وجبر کی اطاعت سے انکار کردیا۔ تضادات سے بھرے ہوئے نظام سے ٹکرا کر انہوں نے قیامت تک استبدادی قوتوں کے مکر کا پردہ فاش کردیا۔ علامہ اقبال نے واقعہ کربلا کو تاریخ اسلام کے ایک عہد آفرین باب سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت امام حسینؓ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں نے جو عظیم الشان قربانی دی اس نے حریت فکر کے مجاہدوں کو زیر شمشیر ستم بھی کلمۂ حق کہنے کا حوصلہ عطا کیا:

در نوائے زندگی سوز از حسینؓ
اہل حق حریت آموز از حسینؓ

علامہ اقبالؒ نے حضرت امام حسینؓ کے جرأت مندانہ کردار، حق وصداقت پر مبنی موقف اور حریت فکر کے اعلیٰ معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے خواتین کو یہ نصیحت کی کہ وہ بھی حضرت فاطمہ زہرا (س) کی سیرت کو پیش نظر رکھیں تاکہ ان کی آغوش تربیت سے حضرت امام حسینؓ جیسے حریت فکر کے مجاہد پروان چڑھ سکیں۔

فطرت تو جذبہ ھا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہراؑ مبند
تاحسینؑ شاخ تو بار آورد
موسم پیشین بگلزار آورد

علامہ اقبالؒ نے واقعہ کربلا کے حوالے سے تاریخی حقائق کو صحیح تناظر میں پیش کیا ہے۔ تاریخ کے بغور مطالعہ سے حقائق کی گرہ کشائی ممکن ہے ۔ جب تمام حقائق سے آگہی نصیب ہوتی ہے۔ تو اذہان کی تطہیر وتنویر کا اہتمام ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی تاریخی شعور کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ تاریخی شعور کے اعجاز سے ہرقسم کی عصبیت کا قلع قمع کرنے میں مدد ملت سکتی ہے۔ انہوں نے واقعہ کربلا کو ملی یکجہتی کی ایک روایت کا درجہ دیا اور واضح کردیا کہ واقعہ کربلا اقتدار کی کشمکش ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ یہ اصولوں کی سربلندی کی جدوجہد تھی ۔ نواسۂ رسولؐ کی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے برملا کہا ہے :

مدعایش سلطنت بودے اگر خود نکردے با چنین سامان سفر
دشمنان چون ریگ صحرا لا تعد دوستان او بہ یزدان ہم عدد
سر ابراہیم ؑ واسمٰعیلؑ بود یعنی آن اجمال را تفصیل بود
عزم او چون کوہساران استوار پائدار وتند سیر و کامگار
تیغ بہر عزت دین است وبس مقصد او حفظ آئین است وبس
ما سواللہ را مسلمان بندہ نیست پیش فرعونی سرش افگندہ نیست
خون او تفسیر این اسرار کرد ملت خوابیدہ را بیدار کرد
تیغ لا چون از میان بیرون کشید از رگ ارباب باطل خون کشید

علامہ اقبالؒ نے واقعہ کربلا کو اسلامی تہذیب وثقافت کے دوام وبقا کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے تاریخ اسلام کے اس عہد آفرین واقعہ کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ نئی نسل کو اسلامی تہذیب وثقافت کی عظیم الشان میراث کی منتقلی کو یقینی بنایا جاسکے۔ اب ملت اسلامیہ کی نئی نسل کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حریت فکر وعمل اور جرأت اظہار کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کا ارتقا اقبال کو حد درجہ عزیز تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ نئی نسل عصری آگہی

سے متمتع ہو، مسائل عصر کی تمازت کو محسوس کرے اور ہر قسم کے خطرات کا جرأت مندی سے مقابلہ کرے۔ انہیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ آج بھی آگ ہے، اولاد ابراہیمؑ ہے اور اس کے سامنے نمرود کی ظالمانہ حکومت ہے۔ اس چیلنج کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کی بقا کیلئے یہ امر ناگزیر ہے کہ لادینی قوتوں کی بھڑکائی ہوئی عصبیت کی آگ میں کود کر ایمان ابراہیمؑ کی یاد تازہ کردی جائے ۔ واقعۂ کربلا حق وصداقت کی بالادستی کا جو منشور پیش کرتا ہے اس کی ابتدا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل نے کی تھی اور حضرت امام حسینؑ نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

امتے در حق پرستی کاملے امتے محبوب ہر صاحب دلے
حق برون آورد این تیغ اصیل از نیام آرزوہائے خلیلؑ
تا صداقت زندہ گردد از دمش غیر حق سوزد برق پیہمش

حضرت امام حسینؑ نے اموی حکومت کے ان اقدامات کو ماننے سے انکار کردیا جو دین مصطفیٰ سے متصادم تھے اور ملوکیت نے عوام پر عرصۂ حیات تنگ کردیا تھا۔ واقعہ کربلا میں اس عہد کے حالات ، واقعات اور افکار کی تمام کیفیات جلوہ گر ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے تاریخ کے ان تمام واقعات کو ایک ثبوت کے طور پر پیش کیا اور واضح کردیا کہ نواسۂ رسولؐ نے دریائے فرات کے کنارے جو قربانی دی وہ وقت کا اہم ترین تقاضہ تھا کیونکہ ملوکیت نے زندگی کی اقدار عالیہ کو شدید ضعف پہنچایا اور مذہب کے ابد آشنا اصولوں سے انحراف کیا جانے لگا حالانکہ یہی اصول زندگی کا آئین ہیں۔

ہست دین مصطفیٰؐ دین حیات شرع او تفسیر آئین حیات
گر زمینی ، آسمان سازد ترا آنچہ او می خواہد آن سازد ترا

علامہ اقبال کو تاریخ اسلام کے اس درخشاں باب سے گہری دلی وابستگی ہے۔ واقعہ کربلا کا ایک ایک نقش ان کے ذہن پر ثبت ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ آج کے دور میں بھی کاروان حسینؑ جو صعوبتوں کے سفر میں ہے اس کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز ہونا چاہئے۔ ظلم و استبداد کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنا وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔ وہ واقعہ کربلا کے حوالے سے تاریخ کا مطالعہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ ذہن وشعور کو ایک ولولۂ تازہ عطا کرسکیں۔ انہوں نے تاریخی حقائق کو اپنے فکر وفن کی اساس بنا کر ایک اہم قومی خدمت کا فریضہ انجام دیا۔ اسلامی تہذیب وتمدن کی بقا کے لئے حضرت امام حسینؑ نے جو قربانی دی اس کے معجزنما اثرات سے قیامت تک اسلامی تہذیب وتمدن کے تحفظ کو

یقینی بنادیا گیا۔ اب یہ نئی نسل کا فرض ہے کہ حریت فکر کی اس شمع کو سفاک ظلمتوں اور تند وتیز طوفانوں میں فروزاں رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں ۔ حریت فکر کا یہ تاریخی واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے انسانی آزادی اور شعور کی سربلندی سے عبارت ہے۔ یہ واقعہ پوری نوع انسانی کے لئے آزادی کا منشور ہے۔

علامہ اقبالؒ نے واقعۂ کربلا کے حوالے سے اپنی شاعری کو احساس وادراک کی بے پناہ صلاحیتوں سے مالامال کردیا ہے۔ حریت فکر کے جذبات قاری کے شعور میں رچ بس جاتے ہیں۔ اس طرح نہ صرف اذہان کی تطہیر وتنویر کا اہتمام ہوتا ہے بلکہ دلوں کو مرکز ومہروفا کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے واقعہ کربلا کو حریت فکر کی ایسی ابد آشنا مثال کے طور پر پیش کیا ہے جس سے ایام گذشتہ کی کتاب کے اوراق سامنے آجاتے ہیں اور قاری زمانۂ حال کے بارے میں مثبت انداز فکر اپنا کر مستقبل کیلئے لائحہ عمل مرتب کرسکتا ہے۔ عصری آگہی کی یہ دلکش کیفیت کلام اقبال کا امتیازی وصف ہے۔ واقعۂ کربلا دراصل ایک مردحر کی عظیم الشان قربانی ہے۔ مردحر کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے:

مرد حر محکم ز ورد لا تخف مابمیدان سر بجیب ، او سر بکف
مرد حر از لا الہ روشن ضمیر می نہ گردد بندۂ سلطان ومیر
ماگدایان کوچہ گرد و فاقہ مست فقر او از لا الہ تیغے بدست

علامہ اقبال نے واقعہ کربلا کو حریت فکر کے ایسے استعارے کے طور پر پیش کیا ہے جس کے معجز نما اثر سے معاشرتی زندگی میں انقلاب برپا ہوسکتا ہے ۔ زندگی کی حیات آفریں اقدار اور درخشاں روایات کو تب وتاب جاودانہ نصیب ہوسکتی ہے۔ علامہ اقبال کربلا کو اسلام کی تہذیبی میراث تصور کرتے ہیں۔ اس کے وسیلے سے وہ روحانی اقدار کا فروغ چاہتے ہیں۔

آنکہ بخشد بے یقینان را یقین آنکہ لرزد از سجود او زمین
آنکہ زیر تیغ گوید لا الہ آنکہ از خونش بروید لا الہ

واقعہ کربلا کو علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں زندگی کی حقیقی معنویت کا مظہر بنادیا ہے۔ وہ سجدۂ شبیری کو اسلام کا عہد آفرین واقعہ قرار دیتے ہوئے قربانی کے اس واقعہ کو عظیم قرار دیتے ہیں۔ تاریخ ہر دور میں شہدائے کربلا اور ان کی قربانیوں کی تعظیم کرے گی۔

خان بہادر سید اولاد حیدر فوقؔ بلگرامی

حیات اور خدمات

پروفیسر سید جعفر رضا بلگرامی
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

بلگرام صوبہ یوپی کے ضلع ہردوئی کا ایک پرانہ قصبہ ہے۔ عہد قدیم میں یہاں ٹھٹھیرے آباد تھے جن کو قنوج کے حملہ آور راجپوتوں نے نکال دیا۔ ۴۰۹ھ یعنی ۱۰۱۸ء میں سلطان محمد غزنوی کے حملوں کے زمانہ میں، قاضی محمد یوسف صاحب نے بلگرام فتح کیا۔ لیکن یہ فتح دیر پا ثابت نہ ہوسکی۔ غزنوی سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی اس قصبہ پر ہندو راجاؤں کا دوبارہ قبضہ ہوگیا۔ ۶۱۴ھ یعنی ۱۲۱۷ء میں التمش کے عہد حکومت میں سید محمد صغریٰ نے ایک مضبوط شاہی دستہ لے کر راجہ سری کو شکست دی اور شہر پر قبضہ کرلیا۔

خاندان: ''بلگرام میں سید محمد صغریٰ کی آمد کے متعلق بڑا مشہور واقعہ ہے۔ سید ابو الفرح واسطی اپنے دونوں بیٹوں، سید محمد کبریٰ اور سید محمد صغریٰ کے ہمراہ عہد التمش میں، ترک وطن کرکے' عراق سے دلی آئے۔ گرمی کا زمانہ ہے دوپہر کا وقت بھوک پیاس سے نڈھال، اپنے شفیق بزرگ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ملنے مہرولی پہونچے۔ دربان نے منع کیا کہ اس وقت میاں آرام کررہے ہیں، کسی سے نہیں مل سکتے۔ ابو الفرح واسطی نے ڈانٹا کہ تمہارا کام اطلاع دینا ہے، فیصلہ سنانا نہیں۔ جاؤ اور جاکر کہو میں آیاہوں۔ اس ردو قدح کی آواز جیسے ہی حضرت بختیار کاکی کے کانوں تک پہونچی بے اختیار یہ کہتے ہوئے ننگے پاؤں دوڑے کہ مجھے تو دلی میں بوئے وطن آرہی ہے'' اور آکر سید ابو الفرح واسطی کو گلے لگالیا۔ حضرت بختیار کاکی کے ہی توسط سے ابو الفرح کو التمش نے اپنی بیٹی رضیہ سلطان کی تعلیم کی غرض سے دہلی میں روک لیا اور ان کے بیٹوں کو مضافات میں تبلیغ کے لئے بھیج دیا۔

اس سلسلے میں سید محمد صغریٰ بلگرام پہونچے اور حضرت بختیار کاکی کے ایما پر ہی بلگرام فتح کیا اور وہیں آباد ہوگئے۔ ان کی حیثیت محض فاتح کی نہ تھی۔ وہ شاہ ولایت کی بھی حیثیت رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں ان کو اولیت کا درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ ۷ نومبر ۱۹۹۲ کے ہندوستان ٹائمس میگزین میں میجر بالا دوبے

نے صوفیوں میں موسیقی کی روایت پر جو مضمون لکھا ہے اس میں دہلی کے قطب الدین بختیار کاکی کے بعد ہی بلگرام کے سید محمد صغریٰ کا ذکر کیا ہے۔

بلگرام کے زیدی ابو الواسطی سادات کا برائے راست نسلی تعلق سید محمد صغریٰ سے ہے۔ اسی خاندان کے ایک چشم و چراغ سید اولاد حیدر فوق زیدی الواسطی بلگرامی تھے۔ ان کے والد چھ بھائی تھے۔ جن میں سے ۴ بھائی بلگرام میں رہے اور ۲ کی شادیاں بہار کے قصبہ کواتھ میں ہوگئیں تھے۔ نواب نور الحسن صاحب عامل شاہ آباد، بہار کو گورنر نے ان کی کارگزاریوں کے صلے میں ۱۷۶۲ میں ۱۵۲ گاؤں بغیر مالگذاری کے عطا کیے تھے ۔ نواب نور الحسن صاحب کی دو پوتیوں کے ساتھ ۲ بھائیوں کی شادیاں ہوئی تھیں ۔ چونکہ کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے یہ دونوں داماد وہیں قصبہ کواتھ میں آباد ہوگئے اور ۱۵۲ گاؤں کے وارث ونواب قرار پائے ۔ ان دونوں میں چھوٹے بھائی حیدر رضا کے بیٹے سید اولاد حیدر فوق بلگرامی تھے جو ۱۸۸۰ میں پیدا ہوئے تھے ۔ یہ راقم الحروف کے نانا تھے ۔ جو بھائی بلگرام میں رہ گئے تھے ان میں سید آل رضا کے بیٹے میرے والد تھے۔ میرے نانا سید اولاد حیدر اور میرے دادا سید آل رضا سگے چچازاد بھائی تھے اور خسر و داماد بھی تھے فوق صاحب نے بلگرام سے وسیلہ تاحیات قائم رکھا۔ وہ سال میں تقریباً ۲ یا ۳ ماہ تک بلگرام میں ضرور قیام کرتے تھے۔

تعلیم: آرہ ضلع کے اسکول سے میٹرک پاس کیا۔ ۱۸۹۴ء میں علی گڑھ اورینٹل کالج میں داخلہ لیا لیکن اسی سال پلیگ کی وبا پھیل گئی ۔تعلیم ترک ہوگئی پھر انہوں نے اپنے آپ کو تصنیف وتالیف کے کام کے لئے تا حیات وقف کر دیا۔

کارنامے: سید اولاد حیدر فوق بلگرامی چہاردہ معصومین کی سوانح حیات کے مصنف تھے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں درج ہے کہ یہ ہندوستان میں اُردو زبان کے پہلے اسلامی مصنف ہیں جنہوں نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا۔ بالخصوص اہل تشیع میں ان کا شمار صف اوّل کے مصنّفین میں ہوتا ہے ان کتابوں کی مکمل فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔	اسوہ الرسول	۵ جلدیں	سوانح حیات رسول اللہ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم
۲۔	السیدہ	۱ جلد	سوانح حیات جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا
۳۔	سراج المبین	۲ جلدیں	سوانح حیات حضرت علی علیہ السلام
۴۔	سروچمن	۱ جلد	سوانح حیات امام حسن علیہ السلام

۵۔	ذبح عظیم	۱ جلد	سوانح حیات امام حسین علیہ السلام
۶۔	صحیفۃ العابدین	۱ جلد	سوانح حیات امام زین العابدینؑ
۷۔	ماثر الباقریہ	۱ جلد	سوانح حیات امام محمد باقرؑ
۸۔	آثار جعفریہ	۱ جلد	سوانح حیات امام جعفر صادق
۹۔	علوم کاظمیہ	۱ جلد	سوانح حیات امام موسیٰ کاظمؑ
۱۰۔	تحفۃ رضویہ	۱ جلد	سوانح حیات امام موسیٰ رضاؑ
۱۱۔	تحفۃ المتقین	۱ جلد	سوانح حیات امام محمد نقیؑ
۱۲۔	سیرۃ النقی	۱ جلد	سوانح حیات امام علی نقیؑ
۱۳۔	العسکری	۱ جلد	سوانح حیات امام حسن عسکریؑ
۱۴۔	درمقصود	۱ جلد	سوانح حیات امام مہدیؑ

ان چہار دہ معصومینؑ کی سوانح حیات کے علاوہ ذکر الطیارہ کے نام سے جعفر طیار کی بھی سوانح حیات لکھی۔ فوقؔ صاحب کی اسوۃ الرسول کی اہمیت کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے ۔

علامہ شبلی کی سیرت النبی پر خودسنی علماء معترض تھے۔ وہ سب مولانا آزاد کے پاس پہونچے۔ ان لوگوں نے اپنے اعتراضات کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا سے درخواست کی کہ وہ اس کا جواب لکھیں۔ مولانا اپنی سیاسی سرگرمیوں کے نتیجے میں اپنی عدیم الفرصتی کے باعث معذرت خواہ ہوئے لیکن ان لوگوں کو ہدایت کی کہ آپ مسودہ تیار کریں میں بھی نظر ثانی کرلوں گا۔ کچھ دنوں کے بعد جب یہی علماء پھر مولانا آزاد سے ملنے گئے تو کہا کہ اب مسودہ تیار کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے کیونکہ سید اولاد حیدر فوقؔ بلگرامی کی کتاب اسوہ الرسول آچکی ہے جس میں ان تمام کمزوریوں کی تنقید کردی گئی ہے جو سیرت النبی کے سلسلے میں ہم لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہورہی تھیں۔

یہ واقعہ اس زمانے کے تمام مذہبی رسالوں میں درج ہے ۔ خود راقم الحروف کی نظر سے ایک پرانے مذہبی رسالہ میں یہ واقعہ گزرا ہے مجھے یہاں تک یاد ہے کہ اس میں ''اولاد حیدر'' کے بجائے اولاد حسین'' چھپ گیا تھا ۔ میں نے اپنے قلم سے نام کی تصحیح کی، حاشیہ پر لکھا کہ یہ میرے نانا ہیں اور نیچے دستخط کردئے۔ کوئی صاحب خاص طور سے اس واقعہ کو پڑھوانے کے لئے میرے پاس یہ رسالہ دہلی پبلک لائبریری سے لے کر آئے تھے۔

اس طرح ایک دوسرا واقعہ بھی قابل ذکر ہے ۔فوقؔ صاحب ہر سال فیض آباد کی سالانہ مجلسوں میں شریک ہوتے تھے ۔ ایک سال ایک صاحب جو عربی میں پی ایچ ڈی کررہے تھے ان سے ملے اور ایک کتاب دیتے ہوئے کہا کہ یہ قسطنطنیہ کے ایک متعصب کی کتاب ہے جس میں حضرت علیؑ کی شان میں گستاخیاں کی گئی ہیں ۔ میں چاہتاہوں کہ آپ اس کے جواب میں کتاب لکھیں۔ چنانچہ فوق صاحب نے اس کتاب کا مطالعہ کرکے اپنی ایک جوابی کتاب المجالس والاضداد'' کے نام سے لکھی جو اس وقت ہندو پاک میں ناپید ہے ۔ جو وادیہ کے پرنسپل محترم شمیم الحسن صاحب ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ کاش یہ کتاب دستیاب ہوجاتی تو حضرت علیؑ کے خلاف وقتاً فوقتاً اٹھنے والے فتنوں کا سد باب ہوجاتا۔ میرے ماموں جان کے پاس اس کتاب کا ایک کرم خوردہ نسخہ موجود ہے لیکن اس سے کوئی استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔

فوق صاحب کے'' واقعات کربلا کے اسباب وقوع'' اور'قرآن ومجید اور اقتصادیات کی تعلیم تاکیداً کے نام سے دور رسالہ بھی شائع ہوئے۔ انہوں نے آخری عمر میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی شروع کیا تھا جو بیس پاروں تک ہی ہوسکا کیونکہ ان کی عمر نے وفانہ کی سیاسی بحران کی وجہ سے یہ بیس پارے بھی نہ چھپ سکے یا چھپے اور منظر عام پر نہ آسکے اور تقسیم کے بحران میں تلف ہوگئے۔ راقم الحروف کے پاس چند صفحات کا چھپاہوا دیباچہ موجود ہے جس میں مولانا اشرف تھانوی ، ماجد دریا وادی اور مولانا علی نقی صاحب کا ذکر ہے ۔ اس ترجمہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان آیات پر تفصیلی تبصرہ کیا گیا تھا جو ائمہ معصومین کے تعلق سے ان میں دو قسمیں قرار دی گئی تھیں۔ ایک قسم ان آیات کی تھی جو سنی وشیعہ میں مشترکہ طور پر تسلیم کی گئی تھیں۔ ان آیات کو لال رنگ سے رنگ دیا گیا تھا۔ دوسری قسم ان آیات کی تھی جو صرف شیعہ اسناد کی رو سے اہلبیت سے متعلق ہیں۔ ان آیات کو ہرے رنگ سے رنگ دیا گیا تھا۔

ان مذہبی کتابوں کے علاوہ انہوں نے ایک کتاب تاریخ صوبہ بہار واڑیسہ کے نام سے لکھی جواب نایاب ہے۔ اس کتاب کی ایک جلد میرے چھوٹے بھائی کے پاس موجود ہے ۔

وہ ایک مستند شاعر بھی تھے ، فوق تخلص کرتے تھے ۔ میلاد مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ فیض آباد کی موتی مسجد میں ہر سال ۱۳ رجب محفل میلاد منعقد ہوتی تھی۔ جس میں وہ ضرور شرکت کرتے تھے ۔ یہ میلاد مصرعہ طرح پر ہوتا تھا۔ ایک سال مصرعہ طرح ہٹ کر جن شعراء سے فی البدیع کہنے کی فرمائش کی گئی ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔ یہ جیسے ہی ممبر پر پہونچے ان سے فی البدیع رباعی سنانے کی فرمائش کی گئی ۔ انہوں نے یہ رباعی سنائی۔

بیٹھے رہو، درہائے صدف برسیں گے
ایک سو نہیں ہر چار طرف برسیں گے
موتی مسجد میں مدحت حیدر کی
موتی تو نہیں درنجف برسیں گے۔

بعد میں انہیں کے دست قلم سے لکھی ہوئی یہ فی البدیح رباعی موتی مسجد پر آویزاں کردی گئی تھی۔ ان کی دو میلاد کی کتابیں ۔ چودہ ساغر" اور گلدستہ مومنین" مقبول عام ہیں اور شمالی ہندوستان کے ہر گھر میں موجود ہیں بالخصوص عورتیں انہیں جلدوں سے اب تک میلاد پڑھتی ہیں۔ انہوں نے مرثیے بھی کہے جو خاندان ہاشمی سے ہٹ کر زیادہ تر اصحاب حسینی پر ہیں۔لیکن افسوس کہ یہ مرثیے شائع نہ ہوسکے۔ ان کے دست قلم سے چند مرثیے اب تک ماموں جان کے پاس موجود ہیں۔ ایک بحر طویل بھی کہی جواب تک ۷ محرم کو بلگرام میں پڑھی جاتی ہے۔

ع اللہ واکبر کیسا اثر ہے ۔بیکس کا ماتم شام وسحر ہے۔

اس کے علاوہ سیکڑوں نوحے کہے جس نے فرمائش کی اسی کو کہہ کر دے دیا۔ یہ نوحے بھی شائع نہیں ہوئے لیکن ان کا قلمی نسخہ میری ماموں زاد بہن کے پاس موجود ہے۔ ان کے چند مقبول نوحے جو بچپن سے سنتا چلا آرہا ہوں یاد رہ گئے۔

۱۔ منہ چوم کے ماں نے کہا پھر آئیو اصغر — اکبر کی طرح رن میں نہ رہ جائیو اصغر
۲۔ شب سے زندان میں بچی کو یہ ضد لگی — شہ کا سینہ نہیں تو سکینہ نہیں
۳۔ شمع حریم قبلتین خیرالنسا کے دل کے چین — ہائے حسین حسین وائے حسین وائے حسین
۴۔ زینب سے دم رخصت فرمایا خدا حافظ — بھائی تو چلا مرنے بہنوں کا خدا حافظ
۵۔ اے فوق چلے ہم تو رہتی ہوئی دنیا سے — احباب جو مل جائیں کہہ دینا خدا حافظ[۲]

یہ ان کا آخری نوحہ تھا جو انہوں نے اپنے بلگرام کے قیام کے زمانہ میں فرمائش پر کہہ کر دیا تھا اس نوحے کے متعلق اس کے مقطع کے پیش نظر ان کے احباب نے اعلان کردیا تھا کہ بلگرام میں یہ ان کا آخری کا قیام ہے۔ اب یہ واپس لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی سال ان کا کواتھ (صوبہ بہار) میں انتقال ہوگیا۔

ان مذہبی کارناموں کے علاوہ کچھ سماجی خدمات بھی ان کی ذات سے وابستہ رہی ہیں۔ وہ ایک

عرصہ تک اپنے قصبہ کواتھ کے اسکول کے مینجنگ کمیٹی کے چیرمین رہے۔ ڈسٹرک بورڈ شاہ آباد کے قیام سے ۱۹۳۵ء تک سرکاری نامزدممبر رہے ۔ ۱۹۱۷ سے ۱۹۳۵ تک فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کے عہدے پر فائض رہے۔۱۹۱۱ء میں دلی دربار کے کے بعد جب جارج ہفتم کلکتہ جارہے تھے تو آرہ اسٹیشن پر استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین کی حیثیت سے جارج ہفتم کا استقبال کیا تھا۔مسٹر لاری (LAWREI) کمشنر پٹنہ نے ان سے فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اپنے وطن انگلینڈ واپس جاکر فوق صاحب کو فارسی ہی میں خط لکھتے تھے جو بھی بہار میں گورنر مقرر ہوتا تھا وہ شیر شاہ کا مقبرہ دیکھتے ضرور جاتا تھا ۔ یہی ان کے گائیڈ متعین ہوتے تھے۔ وہ ایک اچھے آرٹسٹ بھی تھے۔ شیر شاہ کے مقبرہ کا خاکہ تیار کرتے تھے۔ اس میں لکھی ہوئی سورہ یسٰین کا انگریزی میں ترجمہ کرتے تھے ۔ پھر وزٹ کے آخر میں یہ تیارکردہ مقبرہ کا نقشہ مع انگریزی ترجمہ کے گورنر کو بطور تحفہ پیش کرتے تھے۔

۱۹۱۹ء میں لارڈ چیمسفورڈ ، گورنرجنرل نے ان کی مذہبی ، ادبی اور سماجی خدمات کے صلہ میں ''خان بہادر'' کا خطاب عطا کیا۔ اس سلسلے میں ان کو ایک تلوار ایک تمغہ اور کورنر جنرل کی طرف سے ایک سرٹیفیکٹ دیا گیا۔ اس سرٹیفیکیٹ کے آخری جملے یہ تھے۔

I DO HEREBY CONFER UPON YOU THE TITLE OF KHAN BAHADUR AS PERSONAL DISTINC TIONLORD CHELMS FORD.

وفات:۱۲ اکتوبر ۱۹۴۲ بمطابق ۱۹۴۲ء ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۶۱ ھ بروز جمعہ بوقت صبح ۷ بجے ۷۲ سال کی عمر میں سید اولاد حیدر فوق بلگرامی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ہر سال نجم الحسن صاحب کراروی رمضان میں نماز پڑھانے کواتھ آتے تھے اور پورے ماہ فوق صاحب کے یہاں قیام کرتے تھے ۔ ۱۹۴۲ء کا پرآشوب زمانہ تھا۔ رسل ورسائل مفقود تھے ۔ اس لئے وہ نہیں آسکے۔ فوقؔ صاحب اپنی بیماری کے زمانہ میں روزانہ دریافت کرتے تھے کہ مولانا پہونچے یا نہیں۔ اب اس کو اتفاق کہئے یا معجزہ کہ سفر کی نہ جانے کیا کیا صعوبتیں اٹھاتے ہوئے مولانا ۱۹ رمضان کی شام کو اچانک کواتھ پہونچ گئے جس کی صبح کو فوقؔ صاحب کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی ۔کواتھ کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

بلگرام کے سید شریف الحسن رازؔ بلگرامی نے ان کی وفات پر ایک قطع کہا تھا جس کے آخری مصرعہ سے عیسوی سن تاریخ وفات نکلتی ہے ۔ یہ قطع تاریخ وفات ان کی قبر کے پتھر پر آویزاں ہے۔ میرے یہاں جو ان کی تصویر ہے اس کے نیچے بھی یہ قطعہ لکھا ہوا ہے۔

جس کا کلک واسطی تھا ترجمان اہلبیت
جس نے روشن کردیا نام و نشان اہلبیت
جعفری ملت میں جو تھا اوّلین اہل قلم
سوگیا وہ کہتے کہتے داستان اہلبیت

۱۹۴۲ء

حوالے:

۱۔ یہ کتابچہ میرے چھوٹے بھائی سید اطہر رضا بلگرامی کے پاس موجود ہے۔
۲۔ فوقؔ صاحب کے کہے ہوئے مرثیے میلاد، نوحے رباعیوں کی قلمی جلدیں عکسی صورت میں چھوٹے بھائی کے پاس بھی موجود ہیں۔

''اسلامی ادبیات کے فروغ میں امروہا کی خدمات''

ڈاکٹر سید احسن اختر سروش
لیکچرر۔آئی۔ایم۔آئی۔سی۔امروہا

تاریخی اعتبار سے شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور ان کی مستقل سکونت کے نقوش سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد سے ملتے ہیں۔ جہاں تک امروہا میں مسلمانوں کی آمد اور مستقل سکونت کا تعلق ہے اس سلسلے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کا یہ قول ہماری رہنمائی کے لئے کافی معلوم ہوتا ہے۔

''امروہہ میں مسلمانوں کی آبادی کی ابتدا عموماً سلطنت دہلی کے قیام سے سمجھی جاتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ راجپوت راجاؤں کے زمانے میں یہاں مسلمان بس گئے تھے۔''[۱]

پروفیسر خلیق احمد نظامی کے قول کی روشنی میں امروہا میں مسلمانوں کی آبادی کی قدامت کم از کم نو سو برس ہے۔لیکن اس وقت اس شہر میں مسلمانوں کی کتنی آبادی تھی یہ معلوم نہیں۔ البتہ یہ امر مسلمہ ہے کہ سلطنت دہلی کے قیام کے بعد یہاں مسلمان قابل ذکر تعداد میں اقامت پذیر ہو چکے تھے۔اس بات کی تائید ابن بطوطہ کے تاریخی سفر نامہ میں درج اس عبارت سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

"ثم وصلنا الیٰ امروھه "وھی بلدة صغیرة حسنة فخر ج عما لها للقالی وجاء وقا ضیها الشریف امیر علی والشیخ الزاویتها و اضافاتی مضافیها حسنه" ۔ [۲]

ترجمہ: پھر ہم امروہا پہنچے وہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے یہاں کے حکام میرے استقبال کے لئے آئے یہاں کے قاضی اور شیخ الزاویہ بھی آئے انھوں نے میری خوب ضیافت کی۔

مغلیہ دور حکومت میں امروہا اسلامی دُنیا میں انفرادیت کا حامل ہو چکا تھا اس دور میں بڑی تعداد میں علماء و مشائخ اس مقدس سرزمین کو اپنا مستقر بنا چکے تھے ان میں اکبر کے قاضی القضاۃ مولانا سید محمد میر عدل ، سید مبارک، سید محمد باقر مولانا سید میر علی، سید عبدالجلیل ، سید عبدالغفار، سید عبدالہادی، سید عبدالخالق ، سید عبدالوالی خاں ، دیوان سید محمود ، سید اشرف دانشمند وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ مغلیہ دور حکومت میں اس شہر کو علمی اعتبار سے عالم اسلام میں امتیازی

حیثیت حاصل ہو چکی تھی اور یہاں سے وابستہ علماء وفضلاء سے دُنیائے انسانیت فیضیاب ہو رہی تھی یہی سبب ہے کہ جب شمالی ہندوستان میں اردو کا چراغ روشن ہوا تو اسکو روشن اور جلا بخشنے کا سہرا بھی اسی شہر کے ہونہار سپوت کے ہی سر ہے جسے دُنیائے ادب اسمٰعیل امروہوی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اسمٰعیل امروہوی سرزمین امروہا کا وہ عظیم سپوت ہے جس نے وقت وحالات کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس زبان کو اپنی فنی وفکری اظہار کے لئے منتخب کیا جسے عوامی زبان ہونے کا شرف حاصل ہو چکا تھا چنانچہ اسمٰعیل امروہوی نے دو مثنویاں بعنوان ''وفات نامہ بی بی فاطمہؑ'' اور معجزہ انارؑ'' لکھ کر باقاعدہ اردو شاعری کا آغاز کیا۔ ہمارے اس دعوہ کی تائید مولوی عبدالحق کی حسب ذیل عبارت سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

''شمالی ہند میں اب تک جو پرانی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں ان میں سب سے پرانی کتاب جو مجھے ملی ہے وہ ''وفات نامہ بی بی فاطمہ'' ہے ۔ اسکے مصنف کوئی اسمٰعیل ہیں جو امروہہ کے ہیں۔''[۳]

مذکورہ عبارت سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اردو شاعری کا آغاز نہ صرف امروہا سے ہوا بلکہ یہ آغاز مذہبی انداز میں ہوا۔ حقیقتاً یہ مرثیہ ہے جسے مثنوی کی ہیئت میں بیان کیا گیا ہے۔ اسمٰعیل امروہوی نے یہ مثنوی ۱۱۰۵ھ میں کہی ہے اس مثنوی کا سال تصنیف اور مہینہ موصوف نے مثنوی میں ہی نظم کر دیا ہے چنانچہ انکا یہ اہتمام خصوصی ملاحظہ ہو۔

مہینہ رجب المرجب تھا نہی تاریخ پچیسویں ماہ تھا
اتھے سال ہجری تھی نبی کے عیان گیارہ سو اور پانچ تھے بوجھ جان
جو دن چار شنبہ بوقت ظہر قصہ پورا کیتا بہت فکر کر[۴]

اسمٰعیل امروہوی کے علاوہ میر سعادت علی امروہوی کہ جنہیں اُستاد میرؔ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یوں تو امروہہ کے مرثیہ خواں حضرات کی بیاضوں میں کچھ مراثی ایسے بھی ملتے ہیں جسمیں سعادت تخلص ملتا ہے لیکن تحقیقی اعتبار سے یہ محقق نہیں ہو سکا ہے۔

اسکے علاوہ شاہ عالم محزوںؔ کا ایک مرثیہ دستیاب ہو سکا ہے اور غلام حسین حسینی کے دو مرثیے محمد زماں زماںؔ جنہیں عام طور پر غزل گو سمجھا گیا ہے۔ لیکن انکا ایک مرثیہ جو مربعہ کی ہیئت میں

ہے ''نوادرات مرثیہ نگاری''۵ جلد اول میں ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی (کراچی) نے شائع کیا ہے۔ ان کے علاوہ نجیب الدین صفدر، جعفر نذر جعفری، امیر حسن امیر، اعظم علی اعظم، حافظ محمد اسمٰعیل جیسے قادر الکلام شعرا کے مراثی موجود ہیں۔

انیسویں صدی میں جب مرثیے کی صنف ارتقائی اعتبار سے نقطہء عروج کو پہنچ چکی تھی اور اس صنف کا ارتقائی سفر انیس و دبیر جیسے اپنے وقت کے قادر الکلام اور یکتائے روزگار فنکاروں کی سرپرستی میں طے ہو رہا تھا۔ اس وقت امروہا میں بھی اس صنف کو وہ بلندیاں حاصل ہو رہی تھیں جنکے سبب یہ صنف دوسری اصناف شاعری سے آنکھ سے آنکھ ملاکر مد مقابل میں کھڑی ہو سکے۔ چنانچہ اس عہد میں کرۂ ارض کے اس ادنا خطے یعنی امروہا میں شمیم و ضیا جیسے عظیم فنکار اپنی تمام تر فکری جولانیوں کو صنف مرثیہ کی خدمات میں بروئے کار لا رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عہد زریں میں اس صنف کے شعراء کی تعداد لکھنو کے بعد اس شہر سے وابستہ تھی۔

جواد حسین شمیم کو مرثیہ کی دنیا میں ''فرزدق ہند'' کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ انکا یہ خطاب ''فرزدق ہند'' ہی ان کی اعجاز بیانی اور شعر گوئی پر دسترس کامل کا بین ثبوت ہے۔ شمیم نے تشبیہات و استعارات کی دنیا میں انیس و دبیر جیسے فنکاروں پر سبقت لیکر صنف مرثیہ میں اپنی فنکاری کا لوہا منوایا ہے۔ انکے مراثی کا پہلا مجموعہ ''ریاض الشمیم'' کے عنوان سے ۹۰-۱۸۸۹ء اور دوسرا ''ریاض شمیم'' ۱۹۲۵ء کے آس پاس شائع ہوا ہے۔

جہاں تک حسن ضیاء کے مرثیوں کا سوال ہے تو انکے مراثی کو مجموعہ کی شکل میں شائع نہیں کیا گیا۔ اسلئے انکی صحیح تعداد کا تعین نہیں ہوسکتا۔ البتہ عظیم امروہوی نے ''مرثیہ نگاران امروہہ'' میں ضیاء کے مرثیوں کی جو فہرست دی ہے اسمیں ۱۹ مرثیے ہیں۔ اسکے علاوہ مومن حسین صفی، مولانا اولاد حسن سلیم، کے بھی مراثی مرثیہ خواں حضرات کے بستوں میں موجود ہیں۔

۲۰ویں صدی کے مرثیہ گو شعرا میں شمیم امروہوی کے پوتے مولانا قائم رضا سلیم کی شخصیت اردو مرثیے کی دُنیا میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل رہی ہے۔ سلیم کے والد برجیس بھی مرثیے کے ایک عظیم شاعر تھے۔ سلیم امروہوی کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شعری ذوق انہیں بچپن سے تھا۔ انکے مراثی کی تین جلدیں کراچی سے جبکہ ایک جلد ہندوستان سے شائع ہوئی ہے۔ مجموعی طور پر انکے مراثی کی تعداد ۲۹۹/ ۶ تک جاتی ہے۔

نسیم کی کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو انہیں دوسرے فنکاروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ کوئی بھی اہم تاریخی اور نظریاتی موضوع ایسا نہیں ہے جس پر انھوں نے قلم نہ اُٹھایا ہو۔ نسیم نے اپنے مراثی میں عموماً جن موضوعات کو زیر بحث لانے کی کوشش کی ہے ان میں قرآنی آیات و احادیث کی تشریح ، فضائل علیؑ قرآن حدیث کی روشنی میں، سیاست علویہ، اصلاح رسوم ،تجدید احیائے روح اسلامی، فلسفہ مسرت وغم، جائزہ نفس ،تطہیر نفس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نسیم نے سورہ ''والنجم'' کی ایک مرثیے کے ۳۹ بندوں میں تفسیر کی ہے اسکے علاوہ ایک مقام پر سورہ "**الم نشرح**" کی تفسیر بھی انتہائی جامع پیرایہ بیان میں کی گئی ہے۔ جس سے انکا نہ صرف قرآن پر مکمل عبور کا پتہ چلتا ہے بلکہ انکی عمیق نظری کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ نسیم نے شخصی مراثی بھی کہے۔ ان کے شخصی مرثیوں کی تعداد کم و بیش ۹ ہے لیکن ان میں تین نامکمل ہیں۔ بقول ڈاکٹر سید محمد سیادت نقوی ۔

''نسیم امروہوی کے شخصی مرثیوں کی تعداد یوں تو نو بتائی جاتی ہے۔ جن میں تین مرثیے بقول ڈاکٹر ہلال نقوی نا تمام صورت میں ہیں۔ چھ مرثیے مرحوم نے مکمل کر دئے تھے۔ جنھیں ہلال صاحب ''نسیم امروہوی کے شخصی مرثیے'' کے عنوان سے عنقریب منظر عام پر لانے والے ہیں''۔ے

انکے چھ شخصی مرثیوں کی فہرست اس طرح ہے۔

۱۔ مرثیہ ناصر الملت ۱۹۴۳ء، ۲۔ آیۃ اللہ محسن الحکیم طبا طبائی ۱۹۷۰ء

۳۔ علامہ رشید ترابی ۱۹۷۴ء ۴۔ سید آلِ رضا ۱۹۷۸ء

۵۔ مرثیہ جوشؔ ۱۹۸۲ء ۶۔ مرثیہ ڈاکٹر یاور عباس ۱۹۸۵ء

بیسویں صدی میں نسیم امرہوی کی رکھی ہوئی مضبوط بنیادوں پر دوسرے امروہوی شعرا نے مرثیہ کی ایسی عمدہ عمارت تعمیر کی جسکے تذکرہ کے بغیر اردو مرثیہ کی تاریخ نامکمل کہی جائے گی۔ ان شعرامیں صادقینؔ نقوی، سردارؔ نقوی، ڈاکٹر ہلالؔ نقوی، ڈاکٹر عظیمؔ امروہوی، ڈاکٹر ناشرؔ نقوی ، کے نام قابل ذکر ہیں۔

نسیم امروہوی کے ہمعصر اپنے وقت کے ممتاز مصور صادقینؔ امروہوی نے رباعی کی بحر ۸ میں مرثیہ کہکر جدت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ اردو مرثیہ گو شعرا میں یہ فخر صرف اور صرف امروہا کے اس فنکار کو حاصل ہے جس نے مرثیہ کی عام بحروں سے بغاوت کرتے ہوئے رباعی کی بحر کو اس

صنف کے لئے منتخب کیا ہے۔

سردارؔ نقوی کے مراثی کے مجموعے جو اب تک منظر عام پر آ چکے ہیں ان میں ''گریہ فرات'' اور ''پرسہ'' قابل ذکر ہیں ۔ اسکے علاوہ نثر میں انکی کتاب ''کربلا شناشی'' بھی زیور طباعت سے آراستہ ہوکر نذر خاص و عام ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ ہلالؔ نقوی کے مراثی کے وہ مجموعے جو اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ انمیں اذان مقتل اور مشعل و مقتل قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر عظیمؔ امروہوی کے مراثی مختلف عنوانات سے منظر عام پر آ چکے ہیں ان میں ''حسینؑ اور زندگی'' ۱۹۷۵ء ''مرثیہ عظیم'' ۱۹۸۲ء پاکستان ، ''اتحاد اور حسینؑ'' ۲۰۰۸ء قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ انکا ایک شخصی مرثیہ '' آفتاب انقلاب'' جو حال ہی میں طبع ہوا ہے۔ یہ مرثیہ بانی انقلاب اسلامی ایران امام خمینیؒ کے سلسلے میں ہے۔ جز اسکے انکی ایک کتاب ''مرثیہ نگاران امروہہ'' کے نام سے چھپ چکی ہے اس میں امروہا کے مرثیہ گوشعرا کا تذکرہ ہے۔ قرآن اور حسینؑ کے عنوان سے عظیمؔ امروہوی کی ایک اور کتاب شائع ہوئی ہے جس میں ان کے مقدمہ کے ساتھ تین مختلف مرثیہ نگاروں نسیمؔ، عظیمؔ اور ناشرؔ کے مرثیے شامل ہیں۔

ناشرؔ نقوی کے مراثی کے وہ مجموعے جو اب تک طبع ہو چکے ہیں ۔ انکے نام اس طرح ہیں۔ ''تشنگی'' ۱۹۷۹ء، ''وسیلہ'' ۱۹۸۲ء، '' آفاقیت'' ۱۹۸۴ء، ''لالہ زار صبح'' ۱۹۸۷ء، '' دیدہ وری'' ۲۰۰۵ء۔

قسیم امروہوی کے مراثی کا ایک مجموعہ '' نماز سخن'' چھپ چکا ہے۔ قسیم کے علاوہ امروہہ کے ایک اور شاعر شمیمؔ امروہوی کا ایک مرثیہ انتساب فضہ'' کے عنوان سے شائع ہوکر نذر خاص و عام ہوا ہے۔

امروہا کے ان مذکورہ مرثیہ نگاروں کے علاوہ شان حیدر بیباکؔ کے دو مرثیے ''علم'' اور ''صبر'' اور خلاق حیدر ندیمؔ کا مرثیہ ''شبیرؑ اور انقلاب'' زیر طباعت ہیں۔

مرثیے کے ساتھ سلام کی صنف کو بھی امروہا میں عروج حاصل ہوا ہے۔ نہ صرف مرثیہ گو شعرا نے اسے اپنے فکر وفن کی آماجگاہ قرار دیا ہے بلکہ دوسری اصناف کے بھی اہل فن نے اس میں طبع آزمائی کرنا ضروری سمجھا ہے۔ امروہا میں جن فنکاروں نے اس صنف کو بلندیاں عطا کی ہیں ان میں مصحفیؔ ، نذرالحسن تپشؔ ، اتقا حسن یکتاؔ، سید جواد حسین شمیمؔ ، برجیس حسین برجیسؔ، اولاد حسن سلیمؔ، فرقیؔ، حسن ضیاءؔ، اظفر حسین منتظرؔ، علامہ شفیق حسن ایلیاؔ ، ممتاز حسن، نسیم حسن ہلالؔ، محمد عبادت کلیمؔ اور مصور

حسین نجم کے نام قابل ذکر ہیں۔

علی جواد زیدی نے العلم دوماہی، بمبئی کے مرثیہ اور سلام نمبر (جون ۱۹۹۳ء) میں امروہا کے جن شعرا کے سلام شائع کئے ہیں انمیں مصحفی، نذرالحسن تپش، اتقا حسن یکتا، جواد حسین شمیم، برجیس حسین برجیس، مولوی صفی مرتضی اور عظیم امروہوی کے سلام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے شعرا کے سلام دوسرے مجلوں اور جریدوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

قصیدہ کی صنف میں بھی امروہوی شعرا نے طبع آزمائی کرنا باعث فخر سمجھا ہے۔ علی جواد زیدی نے مولانا سید عبادت کلیم کا ایک قصیدہ جو مولائے کائنات کی مدح میں ہے کو اپنی کتاب ''قصیدہ نگارانِ اتر پردیش'' میں جگہ دی ہے۔ نوحے کی صنف کو بھی امروہا میں فروغ حاصل ہوا ہے۔ یوں تو یہاں سیکڑوں شعرا نے غمِ حسینؑ میں اپنے تاثرات کو نوحے کی شکل میں بیان کیا ہے۔ لیکن جن شعرا کے نوحے مجموعے کی شکل میں منظر عام پر آ چکے ہیں ان میں حیات امروہوی کا مجموعہ ''نذرانۂ حیات'' اور شمیم امروہوی کا ''یاحسینؑ'' شامل ہے۔

مرثیہ کے علاوہ نعت اور منقبت کے کئی مجموعے اس سرزمین سے تعلق رکھنے والے شعرا کے شائع ہو چکے ہیں ان میں ماسٹر عبدالرؤف کے مجموعوں کی فہرست اسطرح پیش کی جاتی ہے۔

''لخلخۂ محامد'' پہلا ایڈیشن ۱۹۴۰ء۔ ''لخلخۂ محامد'' دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۴ء

''لخلخۂ محامد'' تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء۔ اس کے علاوہ انکا دوسرا مجموعہ بعنوان

''کوثر رحمت'' کے تین ایڈیشن ۱۹۵۵ء-۱۹۵۷ء- ۱۹۹۹ شائع ہوئے ہیں۔

ماسٹر عبدالرؤف صاحب نے ایک محفل نعت کی بنیاد آج سے تقریباً ۸۵ برس پیشتر رکھی تھی وہ آج بھی انکے اخلاف کے ذریعہ بڑے خلوص و اہتمام کے ساتھ ہر جمعہ کو منعقد ہوتی ہے۔

ماسٹر عبدالرؤف کے فرزند حامد حسین حامد امروہوی کے کئی نعت کے مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ ان میں ''مدحت کے پھول''، ''خیابان ارم''، ''جوئبار بخشش'' وغیرہ راقم الحروف کو مل سکے ہیں۔

اس کے علاوہ ساجد حسین ساجد کے تین مجموعے بعنوان ''راز بخشش'' ۱۹۹۰ء'' آرزوئے بخشش'' ۲۰۰۵ء اور'' گہر بخشش'' ۲۰۰۸ء زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر احمد حسین سیفی کے نعت کا مجموعہ ''نکہتیں'' ۲۰۰۳ء میں چھپ کر منظر عام پر آ چکا ہے۔ افسر بیگ کی نعت کا مجموعہ'' سرمایہ'' ۲۰۰۴ء میں چھپا۔

دورِ حاضر میں مولانا سید محمد عبادت کلیم کی نعت اور منقبت کا مجموعہ بعنوان'' تجلیات'' جسے راقم الحروف نے ترتیب دیا ہے۔ چھپنے کے لئے آمادہ ہے۔ اس کے علاوہ نعت و منقبت کے وہ شعرا جنکی نعتیں اور منقبتیں ملک اور بیرونِ ملک کے رسالوں اور مجلوں میں چھپتی رہتی ہیں انمیں ڈاکٹر سید محمد شفاعت فہیم ،طرب ضیائی، شانِ حیدر بیباک، رضا امروہوی، مسرور جوہر، ڈاکٹر لاڈلے رہبر اور جمشید امروہوی کے نام قابل ذکر ہیں۔

مرثیہ ، نعت اور منقبتوں کے مجموعوں کے علاوہ بھی اسلامی ادبیات میں یہاں منظوم ترجمہ کے ذریعہ گراں قدر اضافے کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے اہم کڑی مولانا اولاد حسن سلیم کی ذات گرامی ہے۔ جنہوں نے میراث کی مشکل ترین و ادق بحثوں کو طلباء کے آسانی سے ذہن نشین کرنے کے لئے'' فقہ الفرائض'' کے عنوان سے ۱۳۰۷ھ میں شائع کیا اسکے علاوہ انھوں نے تقسیم میراث کے قاعدوں کو رباعی کی ہیئت میں نظم کیا جسے راقم نے ترتیب دے دیا ہے۔ جو انشاء اللہ کتابی شکل میں جلد منظر عام پر آئے گے۔

مولانا اولاد حسن سلیم کی رباعی کہنے پر مشاقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے شاعری کی اس صنف کو منظوم ترجمے کے لئے انتخاب کیا ہے جس کے لئے اپنے وقت کا منفرد فنکار جوش جسے اردو ادب میں معتبر رباعی گو سمجھا گیا ہے یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ ....

'' رباعی ایک بہت بڑی بلا اور جان لیوا صنف کلام ہے یہ کم بخت چالیس برس سے پیشتر کسی بڑے سے بڑے شاعر کے بس میں آنے والی چیز نہیں جب تک کسی شاعر کو بے پناہ مشاقی اور نہایت دیدہ وری کی بدولت دریا کو کوزے میں بھر لینے کا کام نہیں آتا اس کے قابو میں نہیں آتی ۔قلیل الفاظ کی وساطت سے کثیر معانی کا احاطہ کرکے صرف چار مصرعوں میں تمام تجربات ، مشاہدات ، تاثرات، نظریات اور افکار کو سمیٹ لینا ایک ننھے سے قطرے میں قلزم کو مقید کر لینا ہر شاعر کے بس کا روگ نہیں۔'' ۹

بلا شک و تردید رباعی شاعری کی سب سے مشکل ترین صنف ہے یہی سبب ہے کہ اردو ادب میں نا خدائے سخن کہے جانے والے میر کے بارے میں ڈاکٹر تقی عابدی اسطرح رقمطراز ہیں ۔

'' میر تقی میر متوفی ۱۸۱۰ء کی رباعیوں کی تعداد سوا سو سے زیادہ نہیں''۔ ۱۰

مولانا اولاد حسن سلیم نے میراث کے موضوع پر چودہ سو سے زیادہ رباعیات لکھ کر نہ

صرف پوری طرح اپنے دینی فریضہ کی ادائیگی کی ہے بلکہ اردو رباعی کے سرمایہ میں بیش قیمت اضافہ کیا ہے۔

نظم کے علاوہ نثری دُنیا میں بھی امروہا میں کم و بیش تمام اسلامی علوم کا ارتقا ہوا ہے۔ چنانچہ تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ انمیں مولانا اعجاز حسن مرحوم کی ''تاریخ اصحاب'' ''مولانا ظفر حسن کی مختصر تاریخ'' ۱۹۵۶ قابل ذکر ہیں۔

واقعات کربلا پر امروہا میں جو کتابیں تالیف ہوئی ہیں ان کے مولفین کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے تحقیق و تلاش کی زحمتوں کے بعد اپنی تحقیق کو کتابی شکل دی ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صرف اور صرف انہیں روایات کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے جو عقل کی کسوٹی پر کھری اُترتی ہیں۔ چنانچہ یہاں سے شائع ہونے والی کتابوں میں مولانا سید شاکر حسین کی ''مجاہد اعظم'' مولانا مبین الدین صاحب کی ''شہید معظم'' مولانا ظفر حسن کی ''واقعات کربلا کا پس منظر'' ۱۹۵۵ء، ''واقعہ کربلا پر تحقیقی نظر ۱۹۵۵ء، مولانا سید محمد عبادت کی ''مقام شبیری'' جو ۱۹۸۴ء میں کراچی، پاکستان سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مولانا نے تحقیقی اعتبار سے جو اہتمام کیا ہے اس سلسلے میں سید قمر رضی نے یوں اظہار خیال کیا ہے۔

''وہ روایت کے ساتھ ساتھ درایت کی ضرورت اور اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے منافقین اور مخالفین کی طرف سے واقعہ کربلا پر اسکے جزئیات سے متعلق شبہات کو منطقی استدلال سے دور کرنے کی سعی کی ہے۔ انھوں نے اس عظیم سانحہ کا جائزہ آئین اسلامی کی روشنی اور اسی کے تحفظ کے لئے حسینؑ نے اپنی قربانی پیش کی ہے۔ مولانا نے اس کتاب میں حتی الوسع ایسے ہی واقعات کو پیش کیا ہے۔ جو تاریخی اور عقلی اعتبار سے محکم اور حتمی ہوں۔ نیز انہوں نے اختلافی مباحث سے بھی گریز کیا ہے۔''[۱۱]

مولانا ظفر حسن صاحب کے تحقیقی مقالات جو یکے بعد دیگرے منظر عام پر آتے رہے ہیں ان میں تحقیق مسئلہ فقہ ۱۹۵۴ء تحقیق مسئلہ تحریف قرآن ۱۹۵۴ء تحقیق مسئلہ عقد اُمّ کلثومؑ ۱۹۵۴ء تحقیق ایمان ابو طالب ۱۹۵۴ء، مسئلہ خلافت ۱۹۵۴ء تحقیق مسئلہ بیعت یزید، تحقیق لفظ آلِ بیت و اہلبیت، سکینہؑ بنتِ الحسینؑ ۱۹۵۵ء تحقیق حدیث قرطاس، تحقیق مسئلہ متعہ، تحقیق فدک، تحقیق مسئلہ خمس و ذوی القربیٰ ۱۹۵۴ء اسکے علاوہ مولانا محمد شاکر کی تصنیف ''جعفرتواب'' منظر عام پر آئی۔ جس میں جعفر کو

بے قصور ثابت کیا گیا ہے۔

امروہا میں سوانح نگاری اور سیرت پر بھی بہت سی عظیم کتب تصنیف ہوئی ہیں۔ ان میں مولانا ظفر حسن کی ''سوانح ائمہ علیہم السلام'' اور حالات انبیاء و ائمہ معہ تنقید وتبصرہ ۱۹۷۱ء کے علاوہ مولانا مبین الدین فاروقی کی'' افضل المرسلین' اور پروفیسر نثار احمد فاروقی کی ''سیرتِ نبوی کے اولین مولفین''، خاص طور پر اہمیت کی حامل ہیں۔

ہندوستان میں اکثر مقامات پر مختار نامے پڑھے جاتے ہیں۔ مولانا ظفر حسن نے بھی مختارنامہ لکھا جو ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا ہے۔ امام حسنؑ مجتبیٰ پر مولانا کوثر مجتبیٰ نے ''ذکر الحسن''، لکھی جو کراچی پاکستان میں چھپی ۔

وجود امامؑ زمانہ کے اثبات میں مولانا سید محمد مجتہد نے ''ملاقات امامؑ''، لکھی جو عوام میں مقبولیت کی حامل ہوئی۔ اس کے علاوہ عقیدہ رجعت پر مولانا محمد عبادت صاحب نے ''عقیدہ رجعت'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جو جونپور سے شائع ہوئی۔ بدا کے موضوع پر مولانا ظفر حسن مرحوم نے تحقیق مسئلہ بداتحریر فرمائی۔

ایک دور وہ تھا جب برصغیر میں مناظروں کا بڑا چرچا تھا اس لئے اس دور میں اہل تشیع اور اہلسنت کی طرف سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ جنمیں اپنے اپنے نقطہ نظر کو صحیح اور حق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امروہا میں بھی اس موضوع پر فنکاروں نے قلم اُٹھایا، ان میں مولانا اعجاز حسن، مولانا نسیم حسن، اور ابوالفاروق مولانا محمد عسکری صاحب قابل ذکر ہیں۔ مولانا ابوالفاروق محمد عسکری نے'' تاریخ امروہہ'' (محمود احمد عباسی) کے جواب میں سرمۂ چشمۂ عباسی المعروف بہ آفتاب صداقت کے علاوہ القول'' الجمیل فی توراۃ والانجیل'' کے عنوان سے کتاب لکھی جس میں موجودہ توریت اور انجیل کو تحریف شدہ ثابت کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۳۵ء میں مدرسہ الواعظین سے شائع ہوئی۔ جز اسکے مولانا انتظار حسین کی تلاش حق اور ستون صداقت منظر عام پر آئیں۔

اسکے علاوہ مولانا مشہود حسن حسنی نے صحیح ترمذی کی شرح دروس مدنیہ (دوجلد) کے عنوان سے کی ہے ۔

مولانا نسیم احمد فریدی نے جو حاجی مرتضیٰ حسین صاحب کے شاگرد تھے مولوی سید احمد حسن کے مکتوبات بعنوان'' مکتوباتِ سید احمد حسن محدث'' کو کتابی شکل میں پیش کیا ہے اور ڈاکٹر نثار احمد

فاروقی نے ''صوفیائے کرام اور قومی یکجہتی'' کے عنوان سے کتاب لکھی ہے۔

قرآن کی تفسیر و ترجمے کے میدان میں بھی امروہا کے اہل فن نے اپنی فکری جولانیوں کو بروئے کار لاکر نہ صرف دین اسلام کی خدمات میں اہم کردار ادا کیا ہے بلکہ اردو زبان کے نثری مواد میں گرانقدر اضافہ کیا ہے ۔ چنانچہ ان فنکاروں میں مولانا ظفر حسن کی شخصیت مخصوص اہمیت کی حامل رہی ہے۔ مرحوم نے جہاں ہر علم وفن میں اپنی فکری کاوشوں کے جو ہر دکھائے ہیں۔ وہیں ''تفسیر القرآن'' لکھ کر نمایاں کام انجام دیا ہے۔ یہ تفسیر پانچ جلدوں پر مشتمل ہے ۔ جسے شمیم بک ڈپو ناظم آباد کراچی سے شائع کیا گیا ہے۔ مولانا موصوف نے اپنی اس تفسیر میں ''تفسیر صافی ''تفسیر مجمع البیان، لوامع التنزیل ،تفسیر ابن عباس، تفسیر کبیر رازی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر کشاف، تفسیر تفہیم القرآن اصول کافی اور امولانا فرمان علی صاحب کے ترجمے سے مدد لی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے قرآن کا ترجمہ معہ حاشیہ کیا ہے جو ۱۹۶۴ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا ہے۔

اس کے علاوہ مولانا زیرک حسین صاحب نے قرآن کا ترجمہ وتفسیر کی۔ یہ ترجمہ وتفسیر بیسویں صدی کے اوائل میں منظر عام پر آیا ۔ اس ترجمہ کی زبان اور اسلوب بیان انتہائی سادہ وسہل ہے۔ اسکے علاوہ مولانا موصوف نے اس وقت جبکہ کتابوں کی طباعت انتہائی مشکل کام تھا ایک مطبع'' ریاض ریاضی'' قائم کرکے مذہب حق کی نشر و اشاعت کو آسان بنانے کی کامیاب کوشش ہے ۔مولانا سید محمد صادق تقوی نے ۱۹۶۵ء میں قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر لکھی ۔

قرآن مجید کے بعد عالم اسلام میں سب سے محترم سمجھی جانے والی کتاب یعنی نہج البلاغہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر علماء امروہا نے بھی عوام الناس میں امیرالمومنینؑ کے ارشادات کو عام کرنے کے لئے اس کتاب کی شرح اور ترجمہ کا اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں جو سب سے پہلی کتاب منظر عام پر آئی وہ مولانا سید اولاد حسن سلیم کی تصنیف الاشاعہ فی شرح نہج البلاغہ اسکے بعد مولانا سید احمد حسین کی شرح نہج البلاغہ (نامکمل) اور سید محمود حسن قیصر کی کتاب رجال نہج البلاغہ مطبوعہ ایران کلچر ہاؤس ۱۹۹۹ء کلام علی کا عربی علما وشعرا پر اثر مطبوعہ احباب پبلیکیشن لکھنؤ۔ جامعین کلام امیر المومنینؑ ،مطبوعہ احباب پبلیکیشن لکھنؤ۔ان کی ایک اور تصنیف اسلامی علوم کے ہندی مصادر انجمن سادات امروہا دہلی کے زیر اہتمام ۱۹۹۹ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی ۔

تصوف کے موضوع پر بھی اس مردم خیز سرزمین سے کتابیں منظر عام پر آتی رہی ہیں ان

میں مولانا نسیم الدین فریدی کی وصایہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (جسے ادارہ الفرقان لکھنؤ نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا) بتصرہ حضرت خواجہ باقی اللہ معہ صاحبزادگان و خلیفہ (ادارہ الفرقان سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی) اس کے علاوہ انکی ایک اور کتاب سلسلہ چشتیہ ونقشبندیہ کا اولیاء اللہ اور نثار احمد فاروقی کی نقد ملفوظات قابل ذکر ہیں۔

امروہا میں علم فقہ ،علم اصول، علم منطق ،علم فلسفہ، علم عقائد ،علم تفسیر اور علم تجوید و غیرہ تمام علوم کی نشر و اشاعت پر توجہ خاص دی جاتی رہی ہے۔ چنانچہ علم فقہ میں مولانا مسرور حسن کی ''مختار المسائل'' اور مولانا سید محمد کی ''وسائل ''الشریعۃ'' جبکہ علم اصول میں مولانا یوسف حسین نے مُعالم الاصول کا ترجمہ کرکے علم اصول کی مشکل بحثوں کو آسان بنانے کی کوشش کی ہے ۔علم تجوید میں مولانا سید محمد ابو طالب نے قواعد تجوید، علم منطق میں مولانا سید مطاہر حسین فرقانی کی ''رہبر منطق'' اور حاجی مرتضٰی حسین کی ''مصطلحات منطق و فلسفہ'' قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ راقم نے علوم قرآنی پر تلاش و کوشش کرتے ہوئے چند مضامین لکھے ہیں۔ جن میں ''عربی زبان و ادب پر قرآن کے اثرات'' ستمبر ۲۰۰۸ء میں روزنامہ صحافت دہلی میں شائع ہوا۔

علم الانساب جسے عربوں کی وراثت سمجھا گیا ہے اس پر بھی امروہا میں خاص توجہ دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شجرات سے متعلق جتنی کتابیں سید حسین شرف الدین شاہ ولایت نقوی واسطی علیہ الرحمہ سے مخصوص اس شہر میں لکھی گئی ہیں اتنی بڑی تعداد میں برصغیر ہند و پاک کے کسی دوسرے خطہ میں نہیں لکھی گئیں۔ علم الانساب اور تاریخ سادات سے متعلق جو کتابیں منظر عام پر آئی ہیں ان میں تاریخ اصغری (اصغر حسین) ، تاریخ واسطیہ (رحیم اللہ) تاریخ سادات امروہہ (نہا ل احمد جج)،انوار قم (سید صغیر حسن)، تاریخ سادات امروہہ (مولوی بشیر حسین)، فیضان سادات (سید فیضان علی) گلزار سادات (سید امان حسن) ، نذر سادات (نذر سبطین) اور سادات زیدیہ (شاکر حسین زیدی) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اسکے علاوہ مولوی سید محمد عبادت کلیم کی ''من و خانوادہ من'' سید قیصر مبین کی ''حضرت شاہ ولایت امروہہ اور انکے اخلاف نامی کتابیں'' زیر طباعت ہیں۔

تذکرہ نگاری کے میدان میں جو کتابیں منظر عام پر آئی ہیں ان میں تذکرہ شعراء امروہہ (نقوش نقوی کراچی) تذکرۂ علماء امروہہ (مولانا شہوار حسین) اور تذکرہ علماء امروہہ (مصباح

صدیقی) وغیرہ مخصوص اہمیت کی حامل ہیں۔

عدالت کے موضوع پر ابھی تک کوئی کتاب ہندوستان میں نہیں آئی تھی۔ اس موضوع کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مولانا سید محمد سیادت نقوی امام جمعہ امروہا نے عدالت کے موضوع پر ایک جامع کتاب بعنوان ''اسلامی نظریہ عدالت نہج البلاغہ کی روشنی میں'' تصنیف کی ۔ جو ۲۰۰۴ء میں طبع ہوئی۔

اسکے علاوہ مولانا موصوف کی ایک اور کتاب بعنوان'' اسلام کمیونزم اور اشتراکیت میں تصور ملکیت'' ۲۰۰۱ء میں مرکز جہانی اہلبیت قم سے شائع ہوئی۔اس کتاب میں اسلامی اقتصادیات کے پیش نظر تصور ملکیت کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے اور اسلامی تصور ملکیت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے ۔

امروہا میں تصنیفات و تالیفات کے علاوہ اہم کتابوں کے ترجمے بھی کئے گئے ہیں۔ انکی فہرست اس طرح ہے ۔

ترجمہ'' کتاب الطہارۃ من لایحضرہ الفقیہ''مترجم مولانا سید اعجاز حسن ۔ترجمہ'' شرح باب حاوی عشر مترجم مولانا حاجی مرتضٰی حسین ۔ترجمہ چہل حدیث مترجم مولانا حاجی مرتضٰی حسین ،ترجمہ چہل سورہ ہائے توریت۔ مترجم مولانا حاجی مرتضٰی حسین ۔ترجمہ نہج البلاغہ- مولانا خورشید حسین نجم الزائر- مولانا خورشید حسین ۔ترجمہ جوامع الکلم- مولانا خورشید حسین ۱۲ترجمہ نہج البلاغہ- مولانا سید محمد صادق ۔مجموع الفضائل ترجمہ شہر آشوب ۱۹۶۳ء مولانا ظفر حسن الشافی ترجمہ اصول کافی (دو جلدیں) ۱۹۶۴ مولانا ظفر حسن۔ الشافی ترجمہ فروغ کافی (دوجلدیں) ۱۹۶۴ء مولانا ظفر حسن ترجمہ صحیفہ کاملہ۔ مترجم مولانا قائم رضا نسیم امروہوی۔مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی- مولانا نسیم احمد فریدی تاریخ طبری کے مآخذ (ڈاکٹر جوادعلی)- ترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی۔

اس مختصر اور محدود مضمون میں ادبیات اسلامی کے فروغ میں امروہا کے ان اہلِ فن حضرات کی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے خاص طور پر جنکی تصنیفات و تالیفات اردو زبان میں ہیں۔حالانکہ اس فریضہ کی پوری طرح ادائے گی اور تحقیقی فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بھی طویل مدت اور سخت محنت درکار ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ امروہہ میں ادبیات اسلامی پر عربی ، فارسی اور اردو میں کثیر تعداد میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان سب کا بطور کامل احاطہ کرنا ناممکن تو ہے ہی اگر صرف ایک ہی زبان میں لکھی گئیں کتابوں کی مکمل فہرست تیار کر لی جائے تو بھی یہ کام جوئے شیر لانے کے

مترادف ہوگا ۔ ہم یہاں چند دیگر کتابوں کے اضافے کے ساتھ اپنی بات کو اختتام پذیر کر رہے ہیں۔

سوالات امام الدین شمس العلوم مولانا سید محمد سیادت اوّل ،

طریق الصلواۃ ۔ مولانا سید اعجاز حسن

مرقع کربلا ۔ مولانا سید اعجاز حسن

القراءۃ والکتابہ ۔ مولانا سید اعجاز حسن

معراج العباد ۔ مولانا سید اعجاز حسن

المحاسن ۔ نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن

النبوہ والخلافہ ۔ نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن

التوحید ۔ نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن

تفسیر یوسفی ۔ یوسُف الملت مولانا یوسُف حسین

اسکے علاوہ یوسُف حسین نے ''کفایہ الاصول'' پر عربی میں حاشیہ لگایا۔

دورِ حاضر میں ڈاکٹر سید حسنین اختر کی کتاب بعنوان ''دراسۃ فی منثورات الامام علیؑ'' جو انکی پی۔ایچ۔ڈی۔ کا موضوع ہے ۱۹۹۸ء میں دہلی سے شائع ہوئی اور موصوف کی اسی موضوع پر ایک اور کتاب انگریزی زبان میں ۲۰۰۴ء An Introduction to Nahj-ul-Blagha میں زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئی ۔

حواشی :

(۱) پیش لفظ تذکرۂ بدرِ چشتؒ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۔ صفحہ ۱۳

(۲) تحفہ النظائر فی غرائب الامصار

(۳) سہ ماہی رسالہ ''اردو'' کراچی شمارہ اپریل ۱۹۵۱

(۴) اردو کی دو قدیم مثنویاں - ترتیب وتحقیق نائب حسین نقوی صفحہ ۵۱

(۵) عظیم امروہوی نے مرثیہ نگاران امروہہ میں انکا ذکر نہیں کیا ۔ ہمارے کتب خانے میں ایک قلمی بیاض میں انکا مرثیہ موجود ہے۔ مرثیہ مربع ہے ۔

(۶) نسیم امروہوی ایک تعارف از ڈاکٹر سید محمد سیادت نقوی صفحہ ۲۳۶

(۷) نسیم امروہوی ایک تعارف از ڈاکٹر سید محمد سیادت نقوی صفحہ ۲۴

(۸) ''رثائی ادب'' سہ ماہی کراچی جولائی ، اگست ، ستمبر ۱۹۹۶ء
(۹) قطرہ وقلزم صفحہ ۱-۲
(۱۰) رباعیات دبیر- ڈاکٹر تقی عابدی صفحہ ۵۷
(۱۱) سخنہائے گفتنی ۔ مقام شبیریؑ مصنف مولانا سید محمد عبادت نقوی
(۱۲) مطلع انوار- مرتضیٰ حسین فاضل صفحہ ۲۱۵

ابواب المصائب مرزا دبیر کا نثری شاہکار

ڈاکٹر سید تقی عابدی

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ انیسویں صدی کی اس شاہکار تصنیف کو سہل نگاری کے غلاف میں لپیٹ کر پہلے خود دبیر کے گھر والوں نے اور بعد میں غیروں نے اپنے ذاتی کتب خانوں کی الماریوں کے طاق نسیان میں رکھ چھوڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے عوام تو ایک طرف خواص اور رثائی ادب کے ماہرین بھی بے بہرہ رہے۔ ابواب المصائب کی تصنیف تقریباً (۱۸۰) سال قبل عمل میں آئی اور طویل مدت کے دوران مطبع یوسفی سے اس کی اشاعت کے بعد بھی کم از کم سو سال گزر چکے ہیں۔ ایک سو اسی سال کی طویل مدت کے دوران درجنوں عمدہ تحقیقی نثری کتابیں اردو نثر کے ارتقا پر لکھی گئیں لیکن اکثر کتابوں میں اس کا تذکرہ تجزیہ تو دور کی بات ٹھہری اس کا نام تک نظر نہیں آتا۔ اردو نثر کی تاریخ اور اس کے ارتقا کی چشم دیدہ گواہ صرف چند تصانیف اور تالیفات ہیں جن کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے چنانچہ نثری ادب پر ایسے قحط الکتاب کے دور میں اس عمدہ نثری تصنیف سے چشم پوشی شریعت ادب میں گناہ نہیں تو اور کیا ہوسکتی ہے جب کہ اغلب دیگر تصانیف اور تذکروں میں کئی ضعیف اور مجہول کتابوں کے ذکر سے درجنوں اوراق سیاہ کئے گئے ہیں۔ ہم قبل اس کے کہ ان کتابوں کے حوالے پیش کریں جن میں ابواب المصائب کا جزوی طور پر ذکر کیا گیا ہے پہلے ان کتابوں کے نام پیش کرتے ہیں جن میں ابواب المصائب کا ذکر مضمون کی نوعیت سے ضروری تھا لیکن ان تحقیقی تحریروں میں اس کا نام تک نہیں جیسے۔

۱۔ تاریخ اردو ادب۔ جلد اول جلد دوم	ڈاکٹر جمیل جالبی
۲۔ اردو کی نثری داستانیں	ڈاکٹر گیان چند جین
۳۔ اردو نثر کا فنی ارتقا	ڈاکٹر فرمان فتح پوری
۴۔ اردو ادب کی تحریکیں	ڈاکٹر انور سدید
۵۔ تاریخ اردو ادب	رام بابو سکسینہ
۶۔ مختصر تاریخ اردو ادب	ڈاکٹر اعجاز حسین
۷۔ اردو نثر کا ارتقا	ڈاکٹر عابدہ بیگم

۸۔ارباب نثر اردو	سید محمد
۹۔اردو اسالیب نثر	امیر اللہ شاہین
۱۰۔موازنہ انیسؔ ودبیرؔ	مولانا شبلی نعمانی
۱۱۔المیز ان	چودھری سید نظیر الحسن فوق
۱۲۔شبع مثانی	سرفراز حسین خبیرؔ لکھنوی
۱۳۔اردو مرثیہ میں مرزا دبیر کا مقام	ڈاکٹر مظفر حسن ملک
۱۴۔مرزا دبیر اور ان کی مرثیہ نگاری	ڈاکٹر نفیس فاطمہ

یہ بھی تعجب کا مقام ہے کہ مرزا دبیر کی پہلی سوانح شمس الضحیٰ جو فارسی میں ہے اور جس کا ترجمہ راقم نے تقریباً مکمل کرلیا ہے اس کتاب کے ذکر سے خالی ہے۔ جن چند گنتی کی کتابوں میں ابواب المصائب کا ذکر موجود ہے ان کو ہم یہاں من وعن لکھتے ہیں۔

۱۔ حیات دبیرؔ کے مصنف افضل حسین صاحب ثابت لکھتے ہیں ۔'' ایک اردو نثر کی کتاب مصائب میں مطبع یوسفی میں چھپی ہے جس کا نام ابواب المصائب' ہے۔ جناب مرزا اوجؔ صاحب قبلہ سے برسبیل تذکرہ معلوم ہوا کہ اس کا اصل مسودہ مرزا صاحب کے کتب خانہ میں موجودہ ہے۔ میرے کرم فرما سید صغیر حسین صاحب شمسؔ مالک مطبع یوسفی دہلی ومنیجر اخبار اثنا عشری دہلی کی شعاع توجہ ومہربانی سے یہ کتاب مجھے پہنچی۔ دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیر الدین حیدر بادشاہ دوم اودھ کے عہد میں یہ کتاب مرزا صاحب نے تصنیف کی۔ حضرت یوسفؑ کے واقعات جابجا لکھ کر حالات امام حسینؑ کا پیوند لگایا ہے۔ اب سے اسی (80) پچاسی (85) سال پہلے کی تصنیف ہوتے ہوئے بھی اس کی زبان سلیس ہے عبارت میں اس زمانہ کی روش کے مطابق فارسی وعربی کے الفاظ بہت ہیں مگر عبارت کو خواہ مخواہ مقفیٰ نہیں بنایا ہے اس لئے دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔''

۲۔شاعر اعظم مرزا سلامت علی دبیرؔ اور باقیات دبیرؔ میں ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری لکھتے ہیں ''راقم الحروف کو دبیر کی ایک نثری تصنیف موسوم بہ ابواب المصائب دستیاب ہوئی۔ یہ کتاب نایاب ہے اور اب عنقا کا حکم رکھتی ہے۔ ابواب المصائب مرزا دبیرؔ نے عین جوانی کے عالم میں بعمر ۲۷ سال ۱۲۴۵ ہجری میں تصنیف فرمائی ۔ ابواب المصائب رجب علی بیگ سرور متوفی ۱۲۸۴ ہجری کے فسانہ عجائب سال تصنیف ۱۲۴۰ ہجری کے بعد دبستان لکھنوی کی دوسری نثری تصنیف ہے۔ اس کی

زبان سادہ اور سہل ہے اور اس میں فسانہ عجائب جیسی پر تصنع مقفیٰ اور مسجع عبارت نہیں ہے۔'' پھر اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کتاب کی تفصیل درج کی ہے اور دیباچہ اس کا نقل کیا ہے۔

۳۔ نادرات مرزا دبیر میں ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں ۔

''ایک مختصر کتاب حدیث کی ابواب المصائب' کے نام سے بھی مرزا صاحب کی تصنیف ہے جو ۱۱۴۵ ہجری مطابق ۱۷۳۲ء میں مکمل ہوئی اس میں سورۂ یوسف بیان کر کے جابجا مصائب اہلبیتؑ سے ربط دیا گیا ہے تا کہ مجالس میں مآل کار کے پہلو نکل سکیں۔''[۱]

''۴۔ مرزا سلامت علی دبیر'' میں ڈاکٹر محمد زمان آزردہ لکھتے ہیں ۔''دبیر نے اردو نثر میں ایک مستقل تصنیف 'ابواب المصائب' یادگار چھوڑی ہے جو کئی اعتبار سے اردو نثر کی تاریخ میں اہمیت کی مالک ہے اور لکھنؤ کے نثری دبستان کے مطالعہ میں ناگزیر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زیر نظر کتاب اردو نثر کے محققوں اور ناقدوں کی نظروں سے اوجھل تھی۔ کیوں کہ اردو نثر کی تاریخ کے اولین دور کے بیان میں ابواب المصائب کا ذکر نہیں ملتا۔'' اس کے بعد ڈاکٹر موصوف نے تفصیل سے ابواب المصائب کا خلاصہ درج کیا ہے۔

۵۔''پیام عمل'' دبیر نمبر ۱۹۷۷ء کے مضمون ''اردو ادب کے توسیع میں دبیر کا حصہ'' میں ڈاکٹر حسین فاروقی لکھتے ہیں۔ دبیر نے نثر میں ''ابواب المصائب'' کے نام سے ذاکری کی ایک کتاب تصنیف کی تا کہ یہ فریضہ نظم کی طرح نثر میں بھی ادا کریں۔ یہ کتاب مرزا صاحب نے عہدہ شاہ نصیر الدین حیدر میں تصنیف کی تھی اور اس کی تاریخ بھی خود ہی نکالی ہے۔ ع مصحف طاق چشم اہل عزا است' یہ کتاب (۱۷۸) صفحات پر شائع ہوئی تھی اور اردو نثر کی ابتدائی کتابوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب ذاکری کے اس طریقے سے تعلق رکھتی ہے جسے نثر خوانی کہتے ہیں۔ اس لئے اس میں جگہ جگہ اشعار بھی نثر کے ساتھ چسپاں کئے گئے ہیں جو نثر خوانی کا دستور ہے۔ کتاب کی زبان عالمانہ اور رواں ہے۔ ادب کی چاشنی کافی ہے اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانے کی تصنیف ہے جس عہد میں کتاب فسانۂ عجائب لکھی گئی تھی تو اس بات کی داد دینی پڑتی ہے کہ مرزا صاحب نے صاف اور شستہ زبان استعمال کر کے اس زمانے کے رنگ کے برخلاف نثر میں بھی اپنی ایجاد پسندی کا سکہ قائم رکھا ہے۔ ابواب المصائب سورہ یوسفؑ کی عام تفسیر ہے جس میں جگہ جگہ ربط مصائب دے کر اسے رقت آفرین بنا دیا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ نثر ہمیشہ نظم کے سایہ میں پروان چڑھتی ہے یعنی دنیا کے

تقریباً ہر ادب میں پہلے نظم وجود میں آتی ہے اور نظم ترقی کرتی ہے۔ پھر اس کی آغوش میں نثر پلتی و پھلتی ہے اور آہستہ آہستہ اپنی شناخت الگ بنالیتی ہے۔ چنانچہ جب اردو نظم کی آغوش میں اردو نثر جوان ہوئی تو وہ پہلے پہل شاعرانہ انداز میں لکھی گئی گوکہ یہ رنگین نثر مسجع ومقفیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ شاعرانہ صنعتوں سے مالا مال تھی اور یہی اردو نثر کا ابتدائی اسلوب تھا جو آج بھی ہمیں کربل کتھا سوداؔ کے دیباچوں ، قدیم قصوں کہانیوں اور فسانہ عجائب میں نظر آتا ہے۔ جعفر زٹلی متوفی ۱۷۱۳ء عالگیر کے دورکا وہ مزاحیہ شاعر ہے جس نے اپنی فارسی نثروں میں اردو کہاوتیں ، محاورے اور جملے استعمال کئے۔ اگرچہ اس سے قبل کئی مورخین مصنفین اور مؤلفین کے دکنی زبان میں رسالے خطوط اور دوسری نثری تحریروں کے نمونے موجود ہیں جن کا تذکرہ اس تحریر میں طوالت کے باعث نہیں کیا گیا ہے۔ برکت اللہ عشقی متوفی ۱۷۲۹ء نے اگرچہ تصوف کے رسالے فارسی نثر میں لکھے لیکن اس میں اُردو کے محاورات اور کہاوتوں کی توضیح اور تشریح کی۔ اسی طرح مرزا جان طپش دہلوی متوفی ۱۸۱۳ء نے بھی اردو اصطلاحات اور روز مرہ ہونے والے محاوروں کو جمع کرکے اس کی تشریح فارسی میں کی یہ وہ زمانہ تھا جب شعرا اردو دیوان کا دیباچہ بھی فارسی نثر میں لکھا کرتے تھے چنانچہ عبدالولی عزلتؔ متوفی ۱۷۵۷ء پہلے اردو کے شاعر ہیں جنہوں نے اپنے دیوان کا مقدمہ اردو میں لکھا۔ محمد باقر آغا ویلوری متوفی ۱۸۰۵ء نے اپنی کئی منظوم اور نثری تصنیفات کے دیباچے اردو میں لکھے۔ اسی طرح محمد رفیع سوداؔ نے بھی اپنی مثنوی ''سبیل ہدایت'' کا دیباچہ اردو میں لکھا یہ وہ زمانہ تھا جب اردو نظم تحریروں کی ضرورت روز بہ روز بڑھ رہی تھی۔ اسی لئے کربل کتھا کے مولف فضل علی فضلی کو اس کتاب کی وجہ تالیف میں یہ کہنا پڑا۔'' فارسی'' روضۃ الشہداؑ '' کے معانی مذکورہ خواتین کی سمجھ میں نہ آتے تھے۔

شاہ مراد انصاریؔ متوفی ۱۷۶۱ء نے تفسیر پارہ عم کی وجہ یہ لکھی کہ'' لاکھوں کروڑوں مسلمان جو ہندی زبان بولتے ہیں عربی فارسی سے کچھ واقف نہیں۔'' آغا ویلوری نے'' محبوب القلوب'' اس لئے لکھی'' تاکہ فارسی نہ جاننے والوں کے کام آوے۔'' ریاض الجناں' اس لئے اردو میں لکھی'' تاکہ اور لوگ جو عربی فارسی پڑھ نہیں سکتے ہیں اس سے بہرہ پاویں۔''

ایک طرف اردو نثر کی ضرورت اور دوسری طرف اس کی کم مائیگی اور کمزور ادبی حالت نے اس کے اسلوب کو دوراہے پر کھڑا کردیا اگر چہ اس زمانے میں اردو نظم اپنی پختگی کے ساتھ ساتھ اور

علمی اور عروضی سانچوں میں ڈھل چکی تھی ۔ چنانچہ اغلب نثر نگاروں نے اردو نثر کے لئے فارسی کا وہ اسلوب اختیار کیا جس میں مسجع مقفیٰ جملے علم بیان کی تشبیہات اور استعارات اور صنعتوں سے سنوارے جاتے ہیں اور جملوں کی ساخت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فارسی جملہ کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا گیا ہے جس سے پڑھنے اور سنے والے کو دقت اور سمجھنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔اٹھارویں صدی کی اغلب تالیفات اور ترجمے اور انیسویں صدی کے اوائل کی بیشتر تصانیف بجز وہ نثری کتابیں جو فورٹ ولیم کالج سے شائع ہوئیں اسی اسلوب کی مثال ہیں۔ دوسرا اسلوب جو سادہ عام فہم سلیس الفاظ میں چھوٹے چھوٹے جملوں میں لکھا جاتا رہا جس میں صنعتوں سے گریز ، مسجع ومقفیٰ عبارتوں سے اجتناب اور علم بیان کے محاسن سے حتی الامکان دوری اختیار کی گئی عوام میں پسندیدہ نظر سے دیکھا جانے لگا۔ سونے پہ سہاگہ فورٹ ولیم کالج کی تصانیف نے اس اسلوب کو ترقی دی اور یہ اسلوب شاعرانہ رنگی اسلوب کے مقابل سادہ منشیانہ اسلوب بن کر ظاہر ہوا چنانچہ تفسیر مراد یہ، آغا کے نثری دیباچے نوآئینہ ہندی ، قصہ مہر افروز ودلبر ، قصہ احوال روہیلہ داستان ''عجائب القصص'' خاص اہمیت کی حامل ہے جس میں سادگی سلاست روانی اور بول چال کی زبان شامل ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کی تشہیر سے قبل ہی اردو نثر کا دامن اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ اس میں طویل داستانیں عوام کی زبان میں لکھی جاسکیں۔ اس مختصر جائزہ کی روشنی میں جب ہم ''ابواب المصائب'' کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ فراموش شدہ اردو نثری شاہکار اردو نثری ارتقا کا ایک سنگ میل ہے جسے اس زمانے کی نثر اور اس کی روز مرہ تبدیلیاں جس میں اس کی ارتقا کے سفر کی روداد نقش ہے جو تاریخ ادب کے لئے ایک تحقیقی اور مستند دستاویز ہے۔ ہم یہاں طولانی بحث سے بچنے کے لئے صرف چند نکات لازم اور ان کے تحت چند مثالوں کو پیش کریں گے۔

۱۔ ''ابواب المصائب'' میں اوپر بیان کردہ دونوں اسالیب نظر آتے ہیں یعنی فارسی نثر سے متاثر مقبول اور مروجہ اردو اسلوب عام طور پر دیباچہ وجہ تالیف اور ابواب کی پہل فصلوں یعنی مقدموں میں نظر آتا ہے لیکن یہ اسلوب پوری کتاب میں دس فیصد سے بھی کم ہے۔ اس اسلوب میں تشبیہات، استعارات، فارسی تراکیب مسجع مقفیٰ عبارتوں کی نمائش صرف اس حد تک کی گئی ہے کہ وہ شاعرانہ نثر نہ بن سکے اور جملوں میں روانی اور شگفتگی کے ساتھ تعقید اور گنجلک جیسی خرابیاں پیدا نہ ہوسکیں۔ اس نثر کو اس دور کی شاہکار تصنیف ''فسانہ عجائب'' سے کچھ نسبت دی جاسکتی ہے لیکن بہر حال رجب علی

بیگ سرور کی تصنیف منفرد ہے جیسا کہ محمد یحییٰ کہتے ہیں۔'' فسانہ عجائب اپنے خاص رنگ میں بہترین تصنیف ہے جس کی عبارت مقفیٰ و مسجع ہے یہ رنگینی اور قافیہ پیمائی فارسی تحریروں میں پائی جاتی ہے لیکن اردو میں اس انداز تحریر کی آپ ہی موجد ہے۔'' ہمیں اس آخری فقرے سے اختلاف ہے اس لئے کہ سرور سے پہلے قافیہ پیمائی مقفیٰ و مسجع تحریریں کئی اور اردو تصانیف میں عمدہ ترین شکلوں میں نظر آتی ہیں لیکن جو چیزیں فسانہ عجائب کو عجائبات میں شمار کرواتی ہے وہ ان کی دوقسم کی تحریریں ہیں جس کے بارے میں ڈاکٹر نیر مسعود نے بہت صحیح لکھا ہے۔'' فسانہ عجائب کی زبان کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک قسم تو وہی ہے جس کا سرور ، نے دعویٰ کیا ہے یعنی سلیس اور بامحاورہ زبان مجموعی حیثیت سے یہی فسانہ عجائب کی اصل زبان ہے۔ مگر دوسری طرف وہ پیچیدہ اور گراں بار زبان بھی ہے جسے سمجھنے کے لئے خواہ قاری کو فرنگی محل کی گلیوں کی خاک نہ چھاننا پڑے لیکن دماغ پر اچھا خاصا زور ضرور ڈالنا پڑتا ہے۔''

فسانہ عجائب کی مثال ہم دبیر ہی کے تعارف کے جملہ سے دیتے ہیں۔ رجب علی بیگ سرور لکھتے ہیں۔'' مرثیہ گو بے نظیر میاں دلگیر ، صاف باطن ، نیک ضمیر، خلیق ، فصیح ، مرد مسکین مکروہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا اللہ کے کرم سے ناظم خوب دبیر مرغوب سکندر' بصورت گدابار احسان اہل ودل کا نہ اٹھایا۔ عرصۂ قلیل میں مرثیہ وسلام کا دیوان کثیر فرمایا۔''

اب ہم'' ابواب المصائب'' سے کچھ جملے بطور مثال پیش کرکے اپنے مطلب کو واضح کرتے ہیں۔'' حقا کہ آباواجداد اس بادشاہ سلیمان جادہ ادربان سکندری ایوان یوسف عہد نوشیروان عصر ابوالنصر قطب الدین بادشاہ غازی نصیر الدین حیدر خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے بانی خیرو حسنات تھے۔ چنانچہ نہر آصفی بنا ہوئی جناب نواب آصف الدولہ مرحوم قریب نجف اشرف کے مثل چشمہ کوثر جاری ہے۔ ازیں قبیل ہر ایک کی ذات بابرکات سے بنیاد فیض یادگار افاق ہے۔ الحمد اللہ کہ ہمارے بادشاہ عصر خلد اللہ ملکہ وسلطہ کو جناب احدیت نے فخر سلاطین سلف اور رشک بادشاہان عصر پیدا کیا کہ ازل سے آج تک کسی نے بنائے تعزیہ داری تا اربعین نہ کی تھی الا اس بادشاہ خلائق پناہ نے یہ رسم حسنات مقرر فرمائی اور اسی طرح سے ہزار ہا امور حسنات اور آثار برکات ذات مجمع حسنات سے بنیاد پذیر ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں۔''

لیکن جو اسلوب تقریباً تمام تر کتاب میں نمایاں ہے وہ سادہ سلیس عام روز مرہ اور عوامی

بول چال کی زبان میں چھوٹے چھوٹے جملوں میں پیش کیا گیا ہے جس میں علم بیان کی صنعتوں یا فارسی تراکیب کا ہجوم نظر نہیں آتا اس میں نہ شاعرانہ رنگینی ہے اور نا بے ربط ہندی الفاظ کی بدمزگی بلکہ اس اسلوب کو مرزا دبیر کا منفرد اسلوب کہہ سکتے ہیں جو تقریباً دو سو سال پرانا ہونے کے باوجود آج پڑھنے والے کے لئے غیر مانوس یا بوجھل نہیں۔ ہم یہاں بطور مثال چند جملے پیش کرتے ہیں۔

'' ابن عباسؓ نے ام سلمہؓ سے کہا کہ کیوں کر آپ نے جانا کہ حسینؓ شہید ہوئے ام سلمہؓ نے فرمایا کہ اس وقت خواب میں رسالتؐ پناہ کو دیکھا میں نے گیسوئے کشادہ گریبان چاک افسردہ دل حزیں واندوہ گین عرض کی میں نے اے رسولؐ خداذوالجلال یہ کیا حال ہے کہ تم سے مشاہدہ کرتی ہوں میں حضرت نے رو کر فرمایا اے ام سلمہ فرزند میرا حسینؓ مع اقربا شہید ہوا اور میں اس وقت با ارواح انبیائے مرسلینؑ واصفیائے مقربین وملائکہ آسمان وزمین اس کی زیارت کو گیا تھا اس وقت اس کے دفن سے فارغ ہوا ہوں۔''

جب ہم ابواب المصائب کو اس سے ایک صدی قبل کی کتاب '' کربل کتھا '' جو طرز بیان اور موضوع بیان سے بہت قریب ہے تو ہمیں ابواب المصائب کی برتری، شگفتگی ، سلاست ، روانی نثر اور قواعد کی پختگی کا احساس ہوتا ہے۔

ا۔ کربل کتھا میں مصنف نے الفاظ کے ہجوں اور املا میں خاص معیار قائم نہ رکھا کیوں کہ اس دور میں اردو لکھنے کا رواج بہت کم تھا چنانچہ کتاب کا مطالعہ کرتے وقت املا کی غلطیاں جابہ جا نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر توبہ کو توباہ، سات کو ثات، ڈھارس کو ڈھارث ، وہ کو ووغیرہ غلطی لیکن ابواب المصائب میں ایسی کوئی غلطی نہیں ملتی البتہ ملا کر پیش کے بجائے '' ؤ'' اور نون غنہ میں نقطہ دینا فراوان نظر آتا ہے جسے ہم تو کو '' ہمتو'' اس کواوس اور ماں کو مان لکھا گیا ہے۔

ب۔ کربل کتھا میں فضلیؔ نے فارسی عربی اور ہندی لفظوں کو ملا کر ترکیبیں بنائی ہیں جو قابل قبول نہیں۔ جیسے غم ودکھ ، گورو گڑھا، چھوڑے وچلے وغیرہ میں واو عاطفہ کا استعمال۔ ہندی اور فارسی عربی الفاظ میں اضافت کا استعمال جیسے صاحب بھید ، صحن گھر اور رسم گھوڑے وغیرہ۔ '' ابواب المصائب'' میں ایسی کوئی عبارت نظر نہیں آتی۔ بحر حال ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دبیر شاعر اعظم تھے اور فضلیؔ معمولی شاعر اور ان دونوں کی تحریروں میں ایک صدی کا فاصلہ بھی تھا۔

ج۔ کربل کتھا میں جمع الجمع کی فراوانی ہے یعنی اصحابوں ، اقروباؤں، شہداوں، احادیثوں، جیسے الفاظ بھرے پڑے ہیں اور ''ابواب المصائب'' میں جمع الجمع شاذونادر نظر آتے ہیں اگر چہ دبیر کے زمانے کی دوسری تحریروں میں یہ مثالیں ملتی ہیں۔

د۔علم صرف کے قاعدہ کے مطابق جب فعل مونث ہوتو جمع کا صیغہ صرف دوسرے جز پر ہوتا ہے مثلاً ''گاتی ہے'' کی جمع گاتی ہیں'' صحیح ہے لیکن کربل کتھا میں جمع کا صیغہ دونوں جز پر ہوا ہے جیسے گاتیں ہیں۔ ایسی غلطیاں ابواب المصائب میں نظرنہیں آتیں۔ یہ مرزادبیر کی عجزوانکساری اور افتادطبع ہے کہ اس عظیم تخلیقی شاہکار کو صرف ایک ہفتہ کی مدت میں تصنیف کرکے اس کتاب کے اختتام پر کہتے ہیں۔

''الحمد اللہ رب العالمین کہ اعانت عنایت پروردگار اور تائید ائمہ اطہارعلیہم السلام سے ان سطور لطافت کنجور کی تحریر سے انفراغ حاصل ہوا اب التماس ابجد خواں لوح بے سوادی اور ہیچ مدان دبستان بے استعدادی کا خدمت ارباب فصاحت واصحاب بلاغت میں یہ ہے اگر چہ یہ مجموعہ پریشان مثل میرے نامہ عصیان کے صرف قبول سے معراُومبرا ہے مگر چشم داشت دقیقہ شناسان معنی اس کے لمعات انوار انظار سے یہ ہے کہ عین عطا کو ملا حظہ خط میں کارفرمائیں ۔ بخدائے لایزلال کہ شدت حواس اور تردد بے قیاس میں بہ تعجیل تمام بہ عجلت مالا کلام مدت یک ہفتہ میں اس خود غلط نے یہ اوراق سفیدہ سیاہ کئے ہیں اور اس زمانے میں بھی اکثر اکتساب ثواب مجالس عزا میں اور تحصیل سعادت ملازمت احبا میں حاضر اور موجود رہا ہے۔''

جب کہ دوسرے پیش رو مؤلفوں مصنفوں نے اپنے ترجمے اور تالیفات میں فخر و مباہات سے کام لیا۔فضل علی فضلی کربل کتھا میں لکھتے ہیں۔''بیش ازیں کوئی اس صنعت کا مخترع اوراب تک ترجمہ فارسی بہ عبارت ہندی نہیں ہوئے متمع۔''تفسیر مرادیہ'' کے مفسر مراد اللہ انصاری نے لکھا'' کہیں بزرگ نے' کسی عالم فاضل نے ہندی زبان میں کئی کتاب دین کے علم میں نہ لکھی۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم میں اس عاجز بندے کے دل میں ڈالا توفیق بخشی سورۂ فاتحہ اورعم کے سپارے کی تفسیر اس ہندی زبان میں لکھنا شروع کیا۔'' ہم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ دونوں دعوے صحیح نہیں۔ جدید تحقیقات سے واقف حضرات اس امر سے واقف ہیں کیوں کہ یہ بحث ہمارے مضمون سے تعلق نہیں رکھتی اس لئے اس کو یہیں ختم کرتے ہیں۔

ان تمام مطالب کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابواب المصائب ایک عظیم نثری کتاب ہے جس سے اس زمانے کی زبان کا ارتقا سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ چنانچہ ایسی گراں بہا کتاب کو صرف اس وجہ سے نظر انداز کرنا کہ اس کا تعلق رثائی ادب سے ہے ادب کے ساتھ بے ادبی تصور کیا جاسکتا ہے۔

حوالہ:

۱۔تاریخ ۱۱۴۵ھ مطابق ۱۷۳۲ء درست نہیں بلکہ اصل تاریخ ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء ہے۔

قصبہ جلالی میں اسلامی ادبی میراث کا مختصر خاکہ

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی،
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

عہد وسطیٰ میں جلالی ایک اہم علمی مرکز رہا ہے اور ایک عرصہ دراز تک جلالی نے اس میدان میں اہم علمی کارنامے انجام دئے ہیں۔ قصبہ جلالی ضلع علی گڑھ ،صوبہ اتر پردیش میں علی گڑھ سے ۱۹ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ قدیم ہندوستان میں تاریخ نگاری کی کوئی روایت نہیں ملتی اس لئے قدیم ہندوستان سے متعلق جلالی کے بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد ہندوستان میں فارسی فن تاریخ نگاری کا احیاء ہوا۔ یہ تاریخیں فارسی زبان میں لکھی گئیں۔ جلالی کے بارے میں سب سے پہلے ذکر ہمیں عہد سلطنت کے ماخذ منہاج السراج کی طبقات ناصری میں ملتا ہے۔ اس کے بعد ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی، ابن بطوطہ کے سفر نامہ رحلہ، عصامی کی فتوح السلاطین اور عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ملتا ہے ۔پھر مغل عہد کے فارسی ماخذوں گلبدن بیگم کے ہمایوں نامہ علامہ ابو الفضل کی آئین اکبری اور دوسرے تاریخی ماخذوں میں جلالی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کا نام جلالی کیسے پڑا اس پر بہت سے لوگوں مثلاً پروفیسر جمال صدیقی ، پروفیسر کمال الدین حسین[۱] وغیرہ نے لکھا ہے لیکن اس کے جلالی نام پڑنے کی بات آج تک صاف نہیں ہوسکی۔

برنی کے مطابق سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۸۷۔۱۲۶۶) نے جلالی میں ایک قلعہ تعمیر کیا[۲]۔ اس قلعہ میں موجود ایک جامع مسجد پر بلبن کا کتبہ آج بھی موجود ہے اور سنہ تعمیر ۶۶۵ ہجری کتبہ پر لکھا ہوا ہے[۳]۔ قلعہ تو منہدم ہوگیا لیکن اس کے آثار آج بھی باقی ہیں بہرحال ہمایوں کے دور سے مسجد کی تولیت سادات ہمدانی کو ملی اور انہوں نے اس خانہ خدا میں غیر معمولی دلچسپی لی جس کے نتیجے میں مسجد کی شان وشوکت میں اضافہ ہوگیا جبکہ مہرولی دہلی میں واقع بلبن کا مقبرہ آرکیا لوجیکل سروے آف انڈیا کی تحویل میں ہوتے ہوئے بھی شکستہ ہو چکا ہے۔ اس مسجد پر دوسرے کتبات مغل بادشاہ اکبر اور محمد شاہ کے عہد کے ہیں۔ سادات میں سید احمد حسین، سید مہدی علی اور سید خورشید علی کے کتبات ہیں جو سادات ہمدانی کی دلچسپی کا ثبوت ہیں۔ سادات جلالی کا کوئی وقف نامہ شاید ہی ایسا ہو جس میں کچھ جگہ جامع مسجد کے لئے مختص نہ کی گئی۔

مغل بادشاہ ہمایوں کے آخری دور میں میر سید علی ہمدانی کے نبیرگان میں سے میر کمال الدین حسین ہمدانی جلالی تشریف لائے ۴ اور جلالی کو تبلیغ اسلام کے لئے کبرویہ سلسلہ کا مرکز بنایا۔ سلطنت دور میں جلالی صرف ایک فوجی چھاؤنی رہا اسی لئے جلالی میں ثقافت وتہذیب اسلامی کا احیاء نہ ہوسکا۔ لیکن جلالی میں ثقافت وتہذیب اسلامی کا احیاء میر کمال الدین ہمدانی کے آنے کے بعد ہوا۔ ان کے جد نے کشمیر کو ایران صغیر میں بدل دیا اور میر کمال الدین نے جلالی میں وہ کارنامہ انجام دیا کہ قصبہ جلالی کا مثل ونظیر دوسرے قصبات میں نہ تھا۔ کتاب خانہ مساجد کی تعمیر امام باڑہ جلالی کا پلان جلالی کا فن تعمیر دور دور تک تک دیکھنے کو نہیں ملتا۔ ۵

میر کمال الدین ہمدانی اور ان کے ورثاء نے جلالی میں تبلیغ اسلام کی اور عزاداری امام حسینؑ کی بنیاد ڈالی۔ نواب شجا الدولہ ،اودھ نے ۱۷۷۴ء میں جلالی میں عزاداری محرم کی اور پھر نواب آصف الدولہ نے ۱۷۸۷ء میں۔ سید شاہ خیرات علی ہمدانی کے امام باڑے میں ہورہی عزاداری سے متعلق پانچ گاؤں برائے نذرو نیاز ائمہ معصومین علیہم السلام وقف کئے۔ الماس علی کا پروانہ موجود ہے اور اس معافی سے متعلق دستاویزات اترپردیش اسٹیٹ آرکائیوز ،لکھنؤ میں موجود ہیں اور اس کے نقول مصنف مضمون کے پاس موجود ہیں ۔ اسی بنیاد پر آج بھی اس امام باڑے کو حکومت ہند سے سرکاری مدد ملتی ہے۔

جلالی نے علماء اور حکماء پیدا کئے جنہوں نے جلالی میں علم وثقافت کا احیاء کیا۔ ان میں سے حکیم سید بہاء الدین حسین علم جفر میں مہارت رکھتے تھے۔ حکم واجد علی خان اپنی کتاب ''مطلع العلوم'' میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ غفران مآب میر بہاء الدین حسین مغفور جو کہ قصبہ جلالی کے بزرگوں میں تھے ان کا علم جفر کا مطالعہ بہت وسیع وعمیق تھا۔ مولانا سید امیر علی کی سکونت جامع مسجد سادات کے قرب میں تھی۔ آپ نے دہ مجلس بزبان فارسی تحریر کی جس کا نسخہ کتاب خانہ ادارۂ ہمدانیہ میں محفوظ ہے۔ مولانا سید محسن علی اسیرؔ عربی وفارسی ادب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور شاعر اہل بیت تھے۔ علامہ مجلسی کی جلاء العیون کا فارسی زبان میں ترجمہ فرمایا اور محمد ربیع باذل کی حملہ حیدری کا اردو ترجمہ کیا جو نولکشور پریس لکھنؤ سے ۱۳۱۲ ہجری میں شائع ہوا۔ آپ فرماتے ہیں ۔

یا مرتضٰی علی تو بفریادرس مرا — روزی کہ ہیچ کس نبود دادرس مرا

آپ نے دہ مجلس اور دوازدہ مجلس کے نام سے تدوین کی جو عزاداری محرم میں مجالس کی

ابتداء میں پڑھی جاتی ہے ایک رسالہ ''خلاصہ نماز'' اپنے نواسے سید اولاد حسین کے لئے تالیف فرمایا۔ آپ نے ایک قرآن مجید کی کتابت کی جس کا نسخہ مولانا آزاد لائبریری ،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات میں محفوظ ہے۔ آپ نے عزاداری مولا علی سے متعلق ایک امام باڑہ تعمیر کیا اور تربت کے دفن کیلئے کربلا میں کچھ زمین وقف کی جو آج درگاہ مولا علی کے نام سے مشہور ہے۔ مولانا سید مکرم حسین مجتہد ۔تعلیم کے حصول کے لئے لکھنؤ تشریف لے گئے وہاں علوم منقولات ومعقولات کی تعلیم حاصل کی۔لکھنؤ میں مولانا مرزا محمد علی اور مولانا مرزا امجد علی اور دیگر مشاہیر لکھنؤ سے استفادہ فرمایا۔آپ رسالہ جمعۂ رسالہ طہارت رسالہ دربارہ نوروز کے مصنف ہیں۔مولانا میر آغا مجتہد اور مولانا مفتی محمد عباس نے آپ کو اجازہ اجتہاد عنایت فرمایا۔آپ علم ریاضی میں مہارت رکھتے تھے اور فارسی زبان میں شعر کہتے تھے۔ ہفت بند درمدح جناب امیر علیہ السلام آپ کا معرکۃ الاراء شاہکار ہے۔ آپ نے نسب نامہ سادات جلالیہ موسوم بہ خلاصہ الانساب تحریر فرمایا۔ جو ہندوستان میں لکھے گئے دوسرے شجروں سے بہت مختلف اور بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے کہ اس میں ان بزرگوں کا مکمل حال موجود ہے۔ والد مرحوم حکیم کمال الدین حسین کی کتاب مودۃ القربیٰ اور اشجار الکمال کا ماخذ خلاصۃ الانساب ہے اور اگر یہ سب نہ ہوتا تو مصنف مضمون بھی یہ مضمون نہیں لکھ سکتا تھا۔ خلاصۃ الانساب کو میں اپنے جد محترم کا اہم کارنامہ سمجھتا ہوں جس کی مثال ونظیر دیکھنے کو نہیں ملتی۔آپ کے پاس بڑا نادر کتب خانہ تھا جس کو آپ کے وارثین نے کتاب خانہ مدرسۃ الواعظین ،لکھنؤ کو دیدیا تا کہ علماء و طالب علم ان کتابوں سے مستفید ہوسکیں۔ آپ کی وفات ۱۳۵۰ ہجری میں ہوئی اور آپ کی تدفین امامباڑہ مظہر علی ، محلّہ گڑھی میں ہوئی۔آپ کی تاریخ وفات نواب جعفر علی خاں ساکن شمس آباد نے نظم فرمائی۔[۶]

جلالی وطن مجتہد نیک طینت — حکیم آل طہ سراپا لیاقت
زوارفناں آل ہشتم گرفتہ — مکرم حسین آن بحر کرامت[۷]

اس کے علاوہ جلالی نے دنیائے علم وادب کو علماء بھی دئے جن میں حکیم مولوی سید محمد حسن، مولوی سید شاکر علی حکیم سید احمد علی، مولانا سید آغا علی، مولانا سید مقبول حسین، مولانا سید ابوالقاسم ، مولوی سید نثار احمد،مولانا سید علی سجاد ، مولانا سید راحت، حسین مولانا سید مکرم حسین ، مولانا سید عنایت حسین، مولانا سید اصغر حسین مولوی سید معز الدین حسین محسنؔ اور مولانا سید علی عابدی وغیرہ ان کے علاوہ جلالی نے دنیائے طب کو حکماء بھی دئے۔جن میں حکیم سید محمد ریاض الدین حسین نے علاج

کے سلسلے میں بڑی شہرت حاصل کی۔آج ان کا مطب ان کے فرزند حکیم اعظم الدین حسین قائم کئے ہوئے ہیں۔

سید موسیٰ رضا نے ایک رسالہ ''شواہد الاسلام'' تالیف کیا۔ خان بہادر سید محمد عباس کلکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور آپ نے شیرزن کربلا اور بیت الاحزان وغیرہ کے تراجم فارسی سے اردو زبان میں فرمائے جوامامیہ مشن سے شائع ہوئے۔حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی ۳۳ کتابوں کے مصنف ہیں۔ اسلام طب، نسب نامہ، تاریخ سے متعلق کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں تشریع جعفری، اصول طب۔ اشجار الکمال، صاحب مودۃ القربیٰ اور تذکرہ اطبائے اودھ بڑی اہمیت کی حامل ہیں تین ایڈیشنز دہ مجلس کے شائع کئے۔حکیم سید محمد شجاع الدین حسین نے علم طب پر کتابیں لکھیں ان کا موضوع امراض اطفال اور امراض النساء رہا۔

جلالی نے بلند پایہ شاعر پیدا کئے۔ ایک شاعر کاتبؔ کے تخلص سے ملتے ہیں لیکن انکا نام معلوم نہ ہوسکا انہوں نے عاشورہ محرم سے متعلق الوداع لکھی۔ جب حسین رن کو چلے رو روکر کہا الوداع۔ یہ الوداع صبح عاشورہ نماز فجر کے بعد تمام اما م باڑوں میں پڑھی جاتی ہے۔ اور پھر امام باڑے میں علم بڑھائے دئے جاتے ہیں۔سید عسکری علی سوزؔ ۔ انہوں نے سلام مہندی تحریر کیا۔سید حمزہ علی ممتحنؔ نے سلام ہندی تحریر کیا۔ سید مہدی حسن مہدیؔ آپ نے سلام تحریر کئے۔منشی سید اسد رضا اسدؔ۔ نے ایک مکتب قائم کیا۔ جس میں فارسی اور اردو کی تعلیم دی جاتی تھی۔ انہوں نے مراثی اور سلام تحریر کئے۔ سید طالب حسین خاکؔ نے مراثی وسلام تحریر کئے سید ظل حسین فضاؔ جلالی کے مشہور مرثیہ گو شاعر گذرے ہیں آپ اوجؔ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ مراثی سلام اور رباعیات تحریر کیئے۔سید محمد حسین قمر جلالوی، شاعر تھے تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے۔آپ نے مراثی سلام رباعیات تحریر کیں ان کا زیادہ تر کلام شائع ہوچکا ہے۔جس شاعر کی وجہ سے جلالی کا نام برصغیر میں مشہور ہوا وہ قمر جلالوی کا نام گرامی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان میں آپ کے کافی شاگرد تھے۔سید سجاد حسین ہدفؔ جلالوی نے سلام ورباعیات اور سجع تحریر کئے۔ سید ظہیر محمد جدید نے رباعیاں اور سلام تحریر کئے۔ سید علی باقر باقرؔ نے مراثی سلام اور رباعیات تحریر کیں۔ سید افسر علی بقاؔ نے مراثی، سلام، قصائد اور رباعیاں تحریر کیں۔ سید شبر حسن سحرؔ نے مراثی، سلام، قصائد اور رباعیاں تحریر کیں۔ سید ظفر عباس ظفرؔ نے سلام، قصائد اور رباعیاں اور نوحے تحریر کئے۔ پیر محمد نمک جلالوی نے سلام، قصائد اور رباعیاں

تحریر کیں۔۸

سادات جلالی نے ۱۹۳۷ میں انجمن حیدریہ قائم کی اس کے اغراض ومقاصد میں اشاعت وتبلیغ مذہب اثناعشریہ۔ ترویج عزاداری امام حسین علیہ السلام۔ مستحقین کی تجہیز وتکفین کا انتظام نادار طلباء کی مدد۔ خوشحالی بڑھانے کی تدابیر۔ عبادت گاہوں اور قبرستانوں کی حفاظت ۔ سید قسمت علی نے اتحاد بین الفریقین کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے انتہائی کوشش کی اور جلالی اور ملکھنہ میں اتحاد سنی وشیعہ کے سلسلے میں جلسے منعقد کئے تاکہ مسلمانوں میں اتحاد قائم ہوسکے۔ سید قیصر حسین عابدی نے مدرسہ باب العلم کی بنیاد ڈالی۔ پہلے مدرسہ امام باڑہ چوک میں تھا اب اس کے لئے موصوف جگہ خرید کر جدید عمارت تعمیر کرارہے ہیں یہ مدرسہ آنے والے دور میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔۹

سادات جلالی نے مساجد، امام باڑے، سرائے اور کنوئیں کھدوائے۔ سادات کے تینوں محلوں یعنی گڑھی۔ جانا اور ابو الفضل میں چھوٹی مساجد ہیں۔ محلّہ امیر میں کیونکہ جامع مسجد موجود تھی تو اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ سید علی اکبر نے جلالی موڑ پر ایک مسجد تعمیر کی اور اس کے سہارے ایک سرای تعمیر کی اور کنواں کھدوایا تاکہ مسافروں کو راحت مل سکے۔ جلالی میں امام باڑے کثیر تعداد میں تعمیر ہوئے جس میں محرم، صفر، رجب اور رمضان سے متعلق عزاداری کا اہتمام ہوتا ہے۔ سادات جلالی نے ہائر سکنڈری اسکول کے قیام اور اسپتال کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ دو کربلا۔ چھوٹی اور بڑی اور درگاہ مولا علی تعمیر کی۔۱۰ مصنف مضمون نے بھی تاریخ جلالی، تاریخ عزاداری امام حسین میر سید علی ہمدانی کی کتاب ذخیرۃ الملوک اور مودۃ القربیٰ پر مضامین تحریر کئے۔ ہیں جو شائع ہوچکے ہیں۔ ۲۰۰۲ء میں ایک انٹرنیشنل سمینار بحیثیت صدر شعبہ تاریخ وثقافت، جامعہ ملیہ اسلام نئی دہلی، میر سید علی ہمدانی اور ان کی خدمات پر منعقد کیا جس میں خانہ فرہنگ، اسلامی جمہوریہ ایران کا تعاون شامل تھا۔ خانہ فرہنگ میں، ہندوستان میں عزاداری امام حسین پر ایک نیشنل سمینار کا انعقاد کیا جس کے مضامین شائع ہوچکے ہیں۔ خانہ فرہنگ کا یہ مجلّہ ایک تاریخی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک سمینار۔ حضرت علی سرچشمہ عرفان کے موضوع پر خانہ فرہنگ میں کیا اسکے مضامین شائع ہوچکے ہیں۔ میر انیسؔ کی دوسوویں سالگرہ پر ایک نیشنل سمینار جامعہ ملیہ اسلامیہ میں کیا۔ راہ اسلام کے خصوصی مجلّہ کو جس کا تعلق صوفیاء سے تھا ایڈٹ کیا جو شائع ہوچکا ہے۔ اور اس قت تک ۱۹ کتابیں اور ۹۵ مضامین شائع ہوچکے ہیں۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ سلطان التتمش نے ہندوستان میں سلطنت کو وسعت دی اور دو آبہ فتح ہوگیا اور سلطان غیاث الدین بلبن نے انتظامی طور پر اس کو مستحکم کیا لیکن سلطنت دور میں دو آبہ سلطنت کا تو حصہ بن گیا لیکن وہ صرف ایک چھاؤنی کی حیثیت سے ہی رہا۔ جیسا کہ دیو گیر یا دولت آباد۔ اسی لئے سلطان محمد بن تغلق نے علماء ومشائخ کو دولت آباد بھیجا کہ وہاں اسلامی تہذیب وثقافت کا احیاء ہوسکے۔ سلطنت ومغل عہد میں اسلامی تہذیب وثقافت کے احیاء میں مشائخ نے اہم کردار ادا کیا کیونکہ علماء کا دائرہ عمل اور تعلق خواص تک محدود تھا اور عوام سے ان کی دوری تھی، مشائخ نے اپنی خانقاہوں اور مدارس کے دروازے عوام وخواص دونوں کے لئے کھلے رکھے، جس کی وجہ سے عوام ان سے قریب ہوگئے۔ ان صوفیاء کی درگاہیں اس کی مثال ہیں۔ خواص سے زیادہ عوام ان درگاہوں پر جاتے ہیں۔ انہوں نے مولانا عبدالرحمٰن جامؔی کی اس ہدایت پر عمل کیا۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ در این راہ فلاں ابن فلاں چیزی نیست

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکم۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ من بطابه عمله لم يسوع به نسبه۔ جس شخص کا عمل اسے پیچھے ڈالدے اس کا نسب اسے بڑھا نہیں سکتا۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ دیکھو! اپنے سرداروں اور بڑوں کا اتباع کرنے سے ڈرو کہ جو اپنی جاہ وحشمت پر اکڑتے اور نسب کی بلندیوں پر غرہ کرتے ہوں۔ یہی عصبیت کی عمارت کی گہری بنیاد ہیں[۱۱]۔ اس طرح ترک نسب شان فقر اور نشان عشق ہے۔ میرے استاد محترم مولانا سید علی سجاد صاحب اکثر فرماتے تھے کہ ''پدرم سلطان بود۔'' میرا باپ سلطان تھا'' درست لیکن یہ تو بتاؤ تم خود کیا ہو۔ سید کے خصائص کو ایک شاعر نے حسب ذیل شعر میں اس کے معنی بتادیئے ہیں۔

سید کسی بود کہ ہویدا شود ازو
خلق محمدی کرم مرتضٰی علی

میر کمال الدین ہمدانی کے دور سے جلالی کو تہذیبی وثقافتی عروج حاصل ہوا۔ جلالی فوجی چھاونی سے علمی مرکز بن کر ابھرا۔ اسی لئے مغل بادشاہوں نے جامع مسجد جلالی کی تولیت سادات ہمدانی کے سپرد کی۔ سادات جلالی نے اس کے انتظام میں از حد دلچسپی لی جو اس وقت کی حالت سے عیاں ہے۔ ان کے پاس اہم کتابوں کے ذخائر تھے اور سادات کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں اسلام

سے متعلق کتابیں نہ ہوں۔ یہ سادات جلالی کی علمی روشنی کی دلیل ہے۔ لیکن تقسیم ہند نے جہاں دوسرے نقصانات پہونچائے ہیں جلالی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ان کی کتابوں کے ذخیرے کتب فروشوں نے خرید لئے یا موسم برسات میں مکانات کی زبوں حالی سے وہ کتابیں گل سڑ کر ختم ہوگئیں اور اگر وہ کتابیں ہوتیں تو بھی کیا ہوتا اس لئے کہ سادات جلالی ہی نہیں تمام مسلمانوں کی نئی نسل فارسی زبان سے نابلد ہے اور اسی زبان میں اسلامی تہذیب وثقافت کا سرمایہ موجود ہے۔ یہ حال صرف نئی ہندوستانی نسل کا ہی نہیں بلکہ پاکستان جس کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ اسلامی ملک ہے۔ اور ان کے قومی پرچم کا رنگ ہرا اور چاندوستارہ بنا ہوا ہے وہاں بھی مسلمانوں کی نئی نسل فارسی زبان سے نابلد ہے۔ تو صرف اسلامی ملک کہنے اور چاند ستارہ بنانے سے اسلامی سوجھ بوجھ تو نہیں پیدا ہوجائے گی اس کے لئے اس ادب کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ مولانا سید مکرم حسین مجتہد کا تمام علمی کام عربی وفارسی زبان میں ہے اور یہ کام وہ ۱۹ ویں صدی میں جلالی میں انجام دے رہے تھے لیکن بیسویں صدی کے نصف تک پہونچتے پہونچتے سب تباہ ہوگیا۔

حوالے:

۱۔ حکیم سید محمد کمال الدین حسین۔ سراج منیر۔ علی گڑھ ۱۹۷۷ء۔ ص۔ ۶

۲۔ ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی لاہور ۱۹۸۴ء۔ ص۔ ۴۳۵

۳۔ کتبات

۴۔ حکیم سید محمد کمال الدین حسین ۔ صاحب مودۃ القربیٰ ۔ علی گڑھ ۱۹۸۴ء۔ ص ۔ ۶۲

۵۔ Prof. S.M.Azizuddin Husain. Medieval Towns A Case Study of Amroha & Jalali Delhi,1992.P.18

۶۔ صاحب مودۃ القربیٰ ۔ ص۔ ۸۸۔ ۱۴۱

۷۔ حکیم سید محمد کمال الدین حسین۔ اشجار الکمال ۔ علی گڑھ ۱۴۲۲ھ۔ ص۔ ۳۷۔ ۴۷

۸۔ صاحب مودۃ القربیٰ ۔ ص۔ ۵۷۔ ۱۴۷

۹۔ ایضاً ۔ ص۔ ۱۱۵

۱۰۔ ایضاً ۔ ص۔ ۶۴

۱۱۔ مولا علی۔ نہج البلاغہ۔ بمبئی ۱۹۸۸ء۔ ص۔ ۵۱۹

''مطبع نول کشور'' کی اسلامی مطبوعات پر ایک نظر

ڈاکٹر سمیع احمد، نئی دہلی

'منشی نول کشور کے والد جمنا پرشاد بھارگو علی گڑھ کے قریب موضع ساسنی کے رئیس تھے۔ منشی نول کشور نے چھ سال کی عمر میں تعلیم شروع کی۔ بڑے ہی غیر معمولی ذہن کے مالک تھے۔ اس کا اندازہ ابتداء سے ہی ہونے لگا تھا۔ دس سال کی عمر میں ابتدائی درسی کتابیں پڑھ لیں تو آگرہ چلے گئے اور وہاں کالج میں داخلہ لیا۔ پندرہ برس کی عمر سے ہی مضمون نگاری شروع کردی۔

اس زمانے میں'' آگرہ سفیر' نام کا اخبار آگرہ سے نکلتا تھا۔ انہوں نے اپنی مضمون نگاری کا آغاز اسی اخبار سے کیا۔ سترہ سال کی عمر میں لاہور کے'' کوہ نور'' نامی ایک مشہور پریس کے مالک ہرسکھ رائے کے معاون ہوگئے ۔ چار برسوں تک تو ان کی معاونت کرتے رہے۔ لیکن پھر ان کے خیالات میں تبدیلی آنی شروع ہوگئی۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ وہ زندگی ہی بے کار ہے جس میں قوم وملک کی خدمت نہ ہو۔

چنانچہ انہوں نے اکیس برس کی عمر میں ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور ایک ذاتی پریس کھولنے کی فکر میں لگ گئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد وہ لکھنؤ آگئے اور کافی جدوجہد کے بعد کوٹھی غالب جنگ میں 'مطبع نولکشور' ۱۸۵۷ء میں قائم کیا۔ یہ عمارت لکھنؤ کے ایک رئیس غالب جنگ کی تھی جسے منشی نول کشور نے خرید لیا تھا۔ پریس قائم ہوا تو اس میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ عام طور پر علمی حلقہ کے لئے یہ بات باعث حیرت ہے کہ بہت کم عرصے میں منشی نول کشور نے اک عظیم الشان اور گراں قدر کتابی ذخیرہ طباعت واشاعت کی منزلوں سے گزار کر علمی دنیا کے سامنے پیش کردیا۔ حقیقت یہ ہے کہ منشی نول کشور کا طریق کار حیرت انگیز تھا۔ جو ان کی خداداد ذہانت اور طباعی کا نتیجہ تھی۔

پریس جب ترقی کی راہ پر گامزن ہوگیا تو منشی نول کشور نے قلمی نسخوں کی طرف توجہ کی۔ مطبع نولکشور نے عربی، فارسی اور اردو کی کتابیں جن کا تعلق اس وقت کے تقریباً سبھی علوم وفنون سے تھا انہیں چھاپ کر بڑا نام پیدا کیا۔ اس زمانے میں جو مقبولیت اور ترقی مطبع نولکشور کو حاصل ہوئی

شاید ہی کسی دوسرے مطبع کو حاصل تھی۔ مسلمان خاص طور پر منشی جی کے ممنون رہیں گے کہ ان کی بدولت مذہبی اور تہذیبی ذخائر جن کا بڑا حصہ قلمی کتب کی شکل میں تھا زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ضائع ہونے سے بچ گئے۔ اور بہت سی بیش بہا اور قابل قدر عربی وفارسی کتب کے ترجمے سے اردو کا دامن مالا مال ہوگیا۔ رام بابو سکسینہ کا قول یہاں رقم کرنا چاہوں گا۔

''اس مطبع نے اردو زبان کی بڑی خدمت کی اور اس کی ترقی پر بہت بڑا اثر ڈالا۔ نادر ونایاب اور قدیم کتابوں کی اشاعت مشہور کتب عربی وفارسی کے تراجم، جدید کتابوں کی عوامی مزاق کے مطابق تیاری، نیز اسکولی کتابوں کی تیاری سے ادب اردو پر بہت بڑا احسان کیا۔''[۱]

مطبع نولکشور کی مطبوعات کی فہرست پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق تقریباً سبھی علوم پر اس مطبع کے اہتمام سے صدہا کتابیں شائع ہوئیں۔ ان کتابوں کی اشاعت کی بدولت اس مطبع کی شہرت ہندوستان تک ہی محدود نہ تھی بلکہ دوسرے مسلم ممالک افغانستان، ایران، عراق، شام، حجاز، مصر، ترکی، جاوا، برما، سماترا، بخارا اور افریقی ملکوں تک بھی پہونچ گئی تھی۔

اس مطبع کی وجہ سے اہل علم کی جماعت تصنیف وتالیف کے کام میں لگ گئی۔ منشی نولکشور نے انہیں مقبول معاوضہ دیکر فکر معاش سے بے نیاز کردیا تھا نامور مصنّفین اور اصحاب فضل وکمال کی بڑی تعداد ہمیشہ اس مطبع سے وابستہ رہی ہیں۔ ناظر کا کوروری تحریر کرتے ہیں۔

''لکھنؤ میں مشہور ہے کہ جس قدر حفاظ، محدث، مورخ ادیب اس مطبع میں تھے ہندوستان کے کسی دوسرے مطبع کو نصیب نہ ہوئے۔''[۲]

مسلمانوں کے یہاں قرآن کریم جس انتہائی عظمت واہمیت کا حامل ہے اس کو دنیا جانتی ہے۔ قرآن مجید کے مختلف سائز کے نسخے معریٰ اور مترجم اس مطبع سے ارزاں قیمت پر شائع ہوئے۔ مشہور اردو مترجم مولوی نذیر احمد دہلوی کے ترجمے والی حمائل شریف کے بھی بعض ایڈیشن اس مطبع سے چھپے تھے۔ اس مطبع نے ایک کلاں تقطیع کا کلام مجید بہت جلی قلم سے شائع کیا تھا۔ جس میں دو اردو ترجموں کے ساتھ ایک فارسی ترجمہ بھی تھا۔ اور حاشیہ پر مولوی عبد الحق دہلوی کی مہشور تفسیر ''تفسیر حقانی'' درج تھی۔

قرآن مجید کے مختلف پارے اور قاعدہ بغدادی بھی بہت سستے داموں والے اس مطبع سے

شائع ہوتے رہے۔ وظائف وعملیات کی کتابیں بھی شائع ہوئیں۔ جن میں دلائل الخیرات ، جواہر القرآن اور کنز الحسین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ تجوید وقرأت پر چھوٹے لیکن اپنے فن کے جامع رسالے رموز القرآن وزینت القاری وغیرہ اس کے مطبوعات میں شامل ہیں۔

مطبع نول کشور نے تفسیر قرآن کے موضوع پر اردو کی ضخیم ترین تفسیر ''ہواہب الرحمٰن'' تیس حصوں میں (ہر حصہ ایک پارے کی تفسیر پر مشتمل ہے) مولانا امیر علی ملیح آبادی سابق صدر مدرس ندوۃ العلماء لکھنؤ سے مرتب کراکر شائع کی تھی۔ اگر یہ مطبع اسلامیات پر صرف یہی ایک کتاب شائع کرتا تو اس کے فخر کے لئے کافی تھا۔ تفسیر حد درجہ مستند حیثیت رکھتی ہے۔ شروع میں ایک طویل مقدمہ بھی مترجم کے قلم سے شامل ہے۔

یہاں پر میں منشی نول کشور کے اخلاقیات وعقیدت کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گا کہ جس کی نظیر مسلمانوں میں بھی خال خال ہی ملتی ہے۔ منشی نولکشور کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی حرمت اور تقدس کا جس قدر خیال رکھتے تھے اتنا مسلمان بھی نہیں رکھتے۔ ان کی تاکید تھی کہ پریس مین مشین مین، کاغذ لگانے والے، مصحح ہر ایک پاک وصاف اور باوضو ہو کر قرآن کی طباعت کا کام شروع کریں۔ وہ خود بھی غسل کرکے صاف ستھرے کپڑے زیب تن کرکے پاک وصاف مسند پر فروکش ہوتے اور ایک دھلی ہوئی سفید چادر اپنے زانوؤں پر ڈالتے۔ اس اہتمام کے بعد کلام مجید کی کتابت کی ہوئی کاپیاں اور پروف ملاحظہ فرماتے۔ اپنے سامنے مشین دھلواکر اس کے تمام سازوسامان پاک کراتے پھر اس مشین پر قرآن مجید چھپتا تھا۔ اولاً تو کوئی کاغذ زمین پر گرنے ہی نہیں دیتے۔ حتیٰ کہ بطور احتیاط مشین کے اردگرد فرش پر بھی دھلی ہوئی چادریں بچھوادیتے۔

عام خیال ہے کہ ان کے اس حسن عمل اور قرآن مجید کی طباعت میں غیر معمولی اہتمام کی وجہ سے ان کے کاروبار میں بڑی برکت اور حیرت انگیز ترقی ہوئی اور ان کے مطبع کے چھپے ہوئے قرآن مجید بہت مقبول ہوئے یہاں تک کہ دوسرے ملکوں میں بھی ان کی مانگ بہت تھی۔

اب مطبع نولکشور کی مطبوعات کے ذکر کو مزید آگے بڑھاؤں۔

ملاحسین واعظ کاشفی کی مشہور فارسی تفسیر ''تفسیر حسینی'' کا اردو ترجمہ تفسیر قادری کے نام سے خاصا ضخیم دو جلدوں میں اس مطبع نے شائع کیا۔ جس کے متعدد ایڈیشن بھی نکلے ۔ اس کے علاوہ اس مطبع نے ''مشارف الانوار'' کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا۔ اس مطبع نے فقہ اسلامی پر متعدد ضخیم اور مشہور

کتب کے اردو ترجمے شائع کرائے ہیں جن میں ہدایہ کا ترجمہ چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیر کے ترجمے دس جلدوں میں۔ فقہ حنفی کی مستند اور مشہور کتاب درمختار کا ترجمہ فتاویٰ ہندیہ کے نام سے چار جلدوں میں۔ فقہ کی مختصر درسی کتاب کنز الدقائق کا ترجمہ بھی اس مطبع سے شائع ہوا۔ علاوہ اس کے فقہی مسائل سے متعلق مختلف رسائل بھی اس مطبع نے شائع کئے ہیں۔ ان کی تعداد درجنوں میں ہیں۔ مثلاً ضمان الفردوس' صبح کا ستارہ ، مراہ الصلوٰۃ ، احکام العیدین ، رسالہ تجہیز وتکفین وغیرہ وغیرہ۔

امام غزالیؒ کی مشہور کتاب احیاء العلوم الدین جسے اسلامی انسائیکلو پیڈیا کہا جاسکتا ہے ۔ اس کا ترجمہ ''مزاق العارفین'' کے نام سے متعدد ضخیم جلدوں میں شائع ہوا۔ اور اسی کتاب کی فارسی ملخص کیمیائے سعادت کا اردو ترجمہ ''اکسیر ہدایت'' کے نام سے اس مطبع کے شاہکاروں میں شمار ہوتا ہے۔ حنفی فقہ کے ساتھ شیعی فقہ کی بھی متعدد مشہور کتابوں کے اردو ترجمے مطبع نے شائع کئے ہیں۔

تصوف واخلاق سے متعلق اس مطبع کے مطبوعات کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے مثلاً شیخ سہروردی کی عوام المعارف کا ترجمہ، اخلاق جلالی فارسی کا ترجمہ جامع الاخلاق کے نام سے اور مثنوی مولانا روم کی دو ضخیم شرحیں ، گلستان اور بوستان کی متعدد شرحیں شامل ہیں۔

میلاد نامے بھی اس مطبع نے بہت چھاپے جیسے کہ مولود غلام امام شہید ، مولوی سعدی ، خدا کی رحمت، تاریخ احمدی، اسی طرح واقعہ کربلا سے متعلق شہادت نامے، جنگ نامے نثر ونظم میں۔ مثلاً شہادت نامۂ آل حسینؓ (منظوم) ذکر الشہادین، تقریر الشہادین، جنگ نامہ کربلا وغیرہ۔

فرقہ امامیہ (شیعہ) کی مذہبی کتابوں میں جامع جعفری ، حلیۃ العرائس تحفۃ العوام ، ترجمہ صحیفہ رضا، نزہت المصائب ، چہاردہ مجلس ،مقصود نجات زاد المومنین اور بہت ساری کتابیں شامل ہیں۔ مرثیوں میں مراثی انیس اور مراثی مرزا دبیر کے مجموعے بھی اس ذیل میں قابل ذکر ہیں۔

یہ ذکر تو مطبع نول کشور کی ان کتب کا تھا جو اردو میں شائع ہوئیں۔ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں اس مطبع سے اسلامی علوم وفنون سے متعلق عربی وفارسی کی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ فارسی میں فن تفسیر میں'' تفسیر حسنی ، حدیث میں مشکوٰۃ کی شرح ، فقہ میں شرح وقایہ وقدوری کے تراجم ، تاریخ طبری وغیرہ۔

مکتوبات حضرت یحیٰ منیری ،فتوح حرمین از شیخ عبد القادر جیلانی وقائع حضرت معین الدین

اجمیریؒ ، خزینۃ الاصفا، روضہ الصفاء فتاویٰ برہنہ ، سوانح جامعی ، اخلاق جلالی ، اخلاق ناصری، اخلاق محسنی، بہارستان جامعی ، لطائف حیدری ، فارسی شرح، فرقہ شیعہ کی مذہبی اور تاریخی کتب وغیرہ اہمیت کی حامل ہیں۔ دیوان حافظ کی غزلیں مطبع نولشکور کے چھپے ہوئے نسخوں میں موجود ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مطبع نولکشور سے صرف دیوان حافظ نسخے ۱۸۶۲ء سے لے کر ۱۹۰۶ء تک بار بار شائع ہوتے رہے۔

اگر اسلامیات سے متعلق تینوں زبانوں یعنی اردو ، فارسی اور عربی میں مطبع کے گراں قدر مطبوعات کی میزان لگائی جائے تو ان کی تعداد ہزاروں تک پہونچ جائے گی ۔ یہاں تو ہم نے سرسری جائزہ ہی پیش کیا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ منشی نولشکور کا نام عربی ، فارسی اور اردو زبان وادب کے ساتھ جڑا ہوا ہے جب تک یہ زبانین زندہ رہیں گی منشی جی کا نام زندہ وتابندہ رہے گا۔ ناظر کاکوروی نے کیا خوب کہا ہے۔

''مسلمان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس گراں بہا احسان سے کبھی بھی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں کہ اسلامی درسیات اردو ادبیات اور دیگر مذہبی علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں منشی نول کشور سی۔آئی۔ ای کی جو درخشاں خدمات مسلم ہیں وہ بحیثیت مجموعی کوئی مسلمان (انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے) سرانجام نہ دے سکا۔[۳]

منشی نولشکور کی اشاعتی سرگرمیوں کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ ان کو فارسی زبان سے زیادہ دلچسپی تھی۔ اس لئے انہوں نے بیشتر کتابیں فارسی زبان میں مختلف علوم وفنون کی شائع کیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم بھی فارسی میں ہوئی اور جس ماحول میں انہوں نے تربیت پائی اس پر فارسی کا اثر غالب تھا۔ دراصل سلطنت مغلیہ کو ہندوستان میں فارسی زبان کا عہد زرّین کہا جاتا ہے۔ ایران کے علماء اور خوش فکر شاعر بھی اس عہد میں ہندوستان کا رخ کرتے تھے۔ خود ایران کے اہل علم کے لکھے ہوئے تذکرے اس کی شہادت دیتے ہیں۔ منشی جی کا زمانۂ طالب علمی بھی اسی ماحول میں گذرا۔ لہٰذا فارسی زبان سے منشی جی کو گہرا شغف تھا۔

مطبع نولکشور سے ہزاروں کتابوں کی اشاعت کے باوجود صحت الفاظ کا بھی پورا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ہر کتاب صاف اور صحیح چھپتی تھی اور اغلاط سے پاک ہوتی تھی۔ منشی جی صحیح طباعت پر بڑی توجہ دیتے تھے ان کی خواہش رہتی تھی کہ ان کے مطبع سے چھپنے والی ہر کتاب کے حروف پر اشکال میں

صفائی اور طباعت بھی دیدہ زیب ہو۔

مختصر یہ کہ منشی جی نے قلیل عرصے میں دنیا کو مختلف علوم وفنون کی نادر ونایاب کتب کا بہت بڑا علمی ذخیرہ پیش کردیا جو ایسا سمندر ہے کہ جس سے علم کے پیاسے رہتی دنیا تک مستفیض ہوتے رہیں گے۔

میں اپنے اس مضمون کا اختتام نشور واحدی کی نظم بعنوان ''سرمایۂ ایشیاء'' کے کچھ اشعار سے کروں گا۔ پیش خدمت ہے۔

مطبع نول کشور کا وہ ناز ایشیاء — گنجینۂ علوم میں اعجاز ایشیاء
قائم تھا اس سے علم ومعارف کا اک نظام — محتاج اس کے حسن طباعت کا ہر امام
شاعر کو اپنے شعر کا پیکر وہیں ملا — عالم کو اپنے علم کا محور وہیں ملا
وہ رسم خط جو باعث رشک فرنگ تھا — انگریز اس کو دیکھ کے ہر لمحہ دنگ تھا
اردو ہو فارسی ہو کہ نطق عرب ہو وہ — اس ایشیاء کی خاک کا کوئی ادب ہو وہ
ذوق نولکشور کا احسان سب پہ ہے — ہندوستان سے تاحد ایران سب پہ ہے

ایوان علم ایسا سجایا نہ جائے گا
تاریخ ایشیاء میں بھلا یا نہ جائے گا

حوالے:

۱۔(تاریخ ادب اردو حصہ نثر ص ۹۸۔۹۹) مطبوعہ منشی تج کمار لکھنؤ ۱۹۴۹ء)
۲۔(اردو کے ہندو ادیب ص ۱۸۴)
۳۔(اردو کے ہندو ادیب ص ۱۸۴)

اسلامی ادب کی ترویج و اشاعت میں سنبھل کی خدمات

ڈاکٹر سید کلیم اصغر
شعبہ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

یہ تاریخی شہر دارالسلطنت دہلی سے ۱۶۵ کلومیٹر دور مشرق میں، اور مرادآباد شہر سے ۳۵ کلومیٹر جنوب میں واقع ہے اور زمانے قدیم ہی سے علم ودانش کا مرکز رہا ہے۔ یہ شہر چھتیس پورہ، باون سرائے اور ستائیس محلوں کو اپنے دامن میں سمونے کے ساتھ ساتھ آثار قدیمہ کے لحاظ سے اپنی ایک الگ شناخت کا حامل ہے۔ طوطا مینا کی قبر، چکی کا پاٹ اور قلعہ یہاں کے تاریخی آثاروں میں ہیں سنبھل مذہبی اعتبار سے برادران ہنود کا ایک متبرک مقام رہا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق کلکی اوتار کا ظہور یہیں ہوگا اور برادران اسلام کے مطابق سید شاہ مدار اور سید سالار مسعود غازی سے اس شہر کو کچھ خاص نسبتیں ہیں۔ پرتھوری راج چوہان کے دور حکومت میں سنبھل کو دارالسلطنت ہونے کا فخر حاصل رہا اور سلاطین کے زمانے میں بھی اسے مرکزی حیثیت حاصل رہی۔

یوں تو سنبھل کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ایک روایت کے مطابق زمانۂ قدیم میں یہ شہر سنبھلا گرام کے نام سے جانا جاتا تھا۔ جو ست یگ میں ''بات'' دو اُپر یگ میں ''بیگل'' تر تیا یگ میں ''مہدگری'' کل یُگ (جو کہ موجودہ یگ ہے۔) سنبھل کے نام سے پہچانا جاتا ہے لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنبھل پرتھوی راج چوہان کے نانا راجہ ہجات کے عہد میں آباد ہوا تھا۔ ڈاکٹر سعادت علی صدیقی کے مطابق :

'' سنبھلا گرام وید میں لکھا ہے کہ جب راجہ ہجات، کوڑھ کے موذی مرض میں مبتلا ہوا تو اس علاقہ میں آکر غسل کیا اور صحت یاب ہوگیا اس وقت اس کی حیثیت بیابان کی سی تھی۔ راجہ نے واقف کار پنڈتوں سے اس خطے کا نام پوچھا تو انہوں نے جواب دیا سنبھلا گرام راجہ ہجات نے جو سرتھل کا باشندہ تھا، اسے بسانے کا فیصلہ کیا اور یہاں ایک قلعہ کی تعمیر کی۔ (۱)

جہاں تک سنبھل میں اسلامی آبادی کا تعلق ہے تو بقول مصنف تاریخ سنبھل ۳۴۵ھ میں

باقاعدہ اسلامی آبادی ہوئی۔ اس ضمن میں یہ واقعہ نقل کیا ہے:

''راجہ پرتھوی راج جو عیش پرست تھا۔ اس کا لڑکا سید پچاسہ کی لڑکی پر فریفتہ ہوکر اپنے محل سرائے میں زبردستی داخل کرنا چاہتا تھا۔ خود داری اور دینی حمیت اس کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ حق تعالیٰ نے سید سالار مسعود غازی، محمود غزنوی کے بھانجہ کو جبر و تعدی کو فرو کرنے کے لئے منتخب کیا۔ موصوف نے محض انسانی ہمدردی کے سبب راجہ سے جنگ کی سید سالار مسعود کو فتح ہوئی تب سرزمین سنبھل پر اسلامی پرچم لہرایا۔ ۴۴۵ھ میں باقاعدہ اسلامی آبادی ہوئی۔ انفرادی طور پر مسلمان پہلے سے تھے جیسا کہ خود سید پچاسہ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔'' (۲)

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس تاریخی اور ادبی شہر نے بڑی بڑی ہستیوں کو اپنے دامن رحمت سے فیضیاب کیا، اس سرزمین پر بڑے بڑے علما، شعرا اور ادباء نے پرورش پاکر ساری دنیا کو اپنے فیض کرم سے نوازا۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی کا نام شیخ حاتم تھا آج سنبھل میں جو محلّہ حاتم سرائے ہے انہیں کے نام سے منسوب ہے۔ اپنے زمانے کے جید عالم ہونے کی بناپر آپ نے ایک مدرسہ قائم کیا جو علم و دانش کا اہم ترین مرکز تھا کہ جس میں دور دراز سے لوگ آکر تعلیم حاصل کرتے تھے خلاصہ ''ایوان مقتل'' کے مصنف کے مطابق:

''حاتم سرائے میں بہ عہد سلاطین، ہمایوں، شیر شاہ، جلال الدین اکبر، جہانگیر صاحب قران، ایک عظیم الشان دارالعلوم تھا۔ جس میں دور دراز کے طلبہ علوم وفنون حاصل کرنے آتے تھے۔ یہ مدرسہ کئی صدیوں تک سرچشمہ علوم وفنون بنا رہا۔ ابوالفضل، عبدالقادر بدایونی، منشی عبدالرحمٰن اعظم پوری، شیخ عثمان، شاہ کامل، شیخ حمید الدین مفسر سنبھلی اسی دارالعلوم سے فیضیاب ہوئے۔'' (۳)

اس وقت بھی سنبھل اسلامی علوم کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس ذیل میں لاتعداد مدرسوں کی فہرست موجود ہے لیکن پانچ بڑے اور مشہور مدرسوں میں سنبھل کے علاوہ بھی دور دور سے تشنگان علوم اسلامی سیراب ہونے کو آتے ہیں۔

ہمایوں کے زمانے سنبھل فارسی ادب کا مرکز بن چکا تھا۔ اس سرزمین نے فارسی کے شاعر اور ادیب پیدا کئے جن میں میر حسین دوست حسینی سنبھلی صاحب تذکرہ حسینی اور سید کمال سنبھلی صاحب تاریخ اسراریہ کے نام سرفہرست ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی پہلی چنگ آزادی میں دیگر مواضعات کی طرح سنبھل بھی انگریزوں کی دست درازی کا مرکز بنا اور یہاں تک کہ مدرسوں اور

نجی لائبریریوں کو برباد کردیا گیا جو کچھ بچا رہا اسے ۱۹۴۷ء کے بٹوارے نے نیست و نابود کردیا لہذا،اب یہاں قدیمی نسخوں کو تلاش کرنا بے معنی رہ گیا۔ ہندوستان میں فارسی کے زوال کے ساتھ ساتھ اس زبان کی قائم مقام اردو زبان کے عروج کی کہانی شروع ہوئی اردو شاعری کے مشہور و معروف دبستان، دبستان داغ کی بنیاد بھی یہاں باغ سنبھلی نے ڈالی جن کے شاگرد خاص معجز سنبھلی نے اس دبستان میں چار چاند لگائے۔ آج سنبھل میں ان کے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ آپ ۱۹۱۰ء کو سنبھل کے محلّہ نوریوں سرائے میں پیدا ہوئے۔ معجز سنبھلی مرثیہ، سلام، نوحوں کی بنا پر دنیا میں مشہور ہوئے گوکہ ان کی قومی نظمیں اور غزلیں بھی منظر عام پر آچکی تھیں ۔ معجز سنبھلی پر ڈاکٹر طاہر رزاقی نے .Ph. D کی سند ان ہی کی حیات میں حاصل کی۔ معجز صاحب کا کلام عام فہم، اسلامی روایات کا پاسدار ،اور قرآن ، احادیث اور نہج البلاغہ کی تلمیحات پر ہے۔ ان کے نوحے برصغیر میں اشک ریزی کی علامت ہیں ۔ مثال میں ان کے ایک نوحے اور ، ایک سلام سے چند اشعار تحریر کیے جاتے ہیں:

دیکھ لو اٹھ کے حیدر کی پیاری چلی — خاتم انبیا کی دلاری چلی
لٹ کے جنگل سے باد بہاری چلی — بولو شبیر یہ غم کی ماری چلی
کربلا سے بہن کی سواری چلی

جارہی ہوں وطن کی اجازت ملی — غم یہی ہے کہ تم کو نہ تربت ملی
بیٹھ کر روؤں اتنی نہ فرصت ملی — بولو شبیر یہ غم کی ماری چلی
کربلا سے بہن کی سورای چلی(۴)

یہ کون کہتا ہے شبیرؑ جنگ ہار گئے — رخ حیات کے گیسو وہی سنوار گئے
جو لوگ آئے تھے لاکھوں کو لیکے میداں میں — وہ چار حرفوں کے انکار ہی سے ہار گئے
ہماری بزم عزا میں خلوص نیت سے — جو ایک بار گئے ہیں وہ بار بار گئے
وہ جن کے ذکر پہ پہرے لگائے جاتے تھے — انہیں کے ذکر ہر اک شہر ہر دیار گئے
وہ ایک چلو جو عباس نے لیا پانی — وہ ایک چلو بھی دریا کے منہ پہ مار گئے
وہ آبشار ہوں نہریں ہوں یا کہ دریا ہوں — یہ سب کے سب میری تشنہ لبی سے ہار گئے
چراغ ایسے بہتر جلا گئے شبیرؑ — ہوائے تند کے جھونکے بھی جن سے ہار گئے

رہے ہمیشہ جو قرآن و اہلبیت کے ساتھ — وہ لوگ اجر رسالت کا حق گزار گئے
ملے گا کوئی نہ میدان کربلا کے سوا — کہ طفل بھی رگ بیعت پہ تیر مارگئے
وہ کامیاب ہیں دونوں جہاں میں اے معجزؔ — جو عمر الفت شبیرؑ میں گزار گئے (۵)

معجزؔ سنبھلی کے اب تک چودہ شعری مجموعہ بالترتیب (۱) جذبات معجز (۲) افکار معجز (۳) غم عام (۴) موتی اور جواہر (۵) سفینہ آخرت (۶) تحفہ ربیع الاول (۷) صبح کربلا (۸) تصویر کربلا (۹) مصور کربلا (۱۰) معجز نما (۱۱) رہنمائے معجز (۱۲) آئینہ در آئینہ (۱۳) نظر کربلا (۱۴) تنویر کربلا شائع ہوچکے ہیں، انکے علاوہ ابھی کافی تعداد میں غیر مطبوعہ کلام آپ کے فرزند اکبر سید تہذیب الحیدر کے پاس موجود ہے کہ جو بہت ہی جلد کتابی شکل میں منظر عام پر آجائے گا۔

یوں تو معجزؔ سنبھلی کے شاگردوں میں جنہوں نے ادب اسلامی بالخصوص کربلا سے متعلق قلم اٹھایا ہے ایک خاصی تعداد ہے لیکن آپ کے شاگردوں میں ایک نہایت ہی معتبر نام اقبال قاسم کیفیؔ سنبھلی کا ہے۔ کیفیؔ ۱۹۶۰ء میں سنبھل کے محلّہ نوریوں سرائے میں پیدا ہوئے۔ کیفیؔ کا نام ادبی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ معجز صاحب کے خاص شاگردوں میں ہونے کے علاوہ جانشینی کا بھی شرف رکھتے ہیں۔ کیفیؔ سنبھلی نے یوں تو شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی، چاہے حمد یا نعت غزل کا میدان ہو یا نظم، لیکن آپ کا اصل موضوع کربلا ہے۔ اور اس سلسلے میں آپ نے نوحہ، سلام و بالخصوص مرثیے کافی تعداد میں لکھے۔ اور الحمد للہ روز بروز آپ کے مرثیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ نمونہ کے طور پر یہاں ایک سلام کے چند شعر اور دو مرثیوں سے ایک ایک بند پیش کیے جارہے ہیں۔

فرش عزا بچھاؤ سب اپنے مکان میں — مولا بھی آنے والے ہیں ہندوستان میں
پوچھے تو کوئی قصہ فتح یزید سے — یہ کس کا نام گونج رہا ہے اذان میں
حرؑ آرہا ہے لشکر کفار چھوڑ کر — اک آفتاب اور بڑھا آسمان میں
گہوارے کے خلاف ہے ہر حرملہ مگر — ٹوٹا ہوا بھی تیر نہیں اب کمان میں
ہر دور میں علیؑ کے گھرانے کے طفل بھی — تیغوں سے بولتے ہیں لہو کی زبان میں
روکے تو کوئی خطبۂ سجاد کا سفر — تلواریں بھی ہیں تیر بھی سب ہیں کمان میں
گو خاک پر حسین کا لاشہ پڑا رہا — آیا نہ کوئی فرق مگر آن بان میں

کیفی جو ہے فرزدق و دعبل کا سلسلہ شامل ہوا ہوں میں بھی اسی خاندان میں(۶)

☆

تھی ملک و مال کی یہ لڑائی کہیں بھلا تھا دین اور کفر کا در اصل معرکہ
کہتے ہیں سارے لوگ جسے جنگ کربلا تھا امتحان یہ ابوطالب کے خون کا
اس جنگ میں جو فتح نہ ہوتی حسینؑ کی
صورت نہ تھی کوئی ابو طالب کے چین کی(۷)

☆

انساں کے لئے صبر ہے خالق کی عنایت انسان کے لئے صبر ہے سامان مسرت
انساں کے لئے صبر ہے گنجینۂ حکمت قرآن ہے کہیں صبر کہیں نہج بلاغت
پیغمبر دیں کو نہ اماموں، کو نہ ولی کو!
انکار نہیں صبر کی عظمت سے کسی کی(۸)

اب تک کیفی سنبھلی کا جو کلام کتابی شکل میں منظر عام پر آیا ہے ان میں نذر اہلبیت (قطعات) (۲) کربلا (مرثیہ) (۳) زرد موسم (غزلیات (۴) اجر رسالت (سلام) (۵) مملکت صبر (مرثیہ) (۶) حرف پریشان (غزلیات) (۷) آب گریہ (سلام) ان کے علاوہ آپ کے وہ مراثی جو بہت جلد زیور طباعت سے آراستہ ہونے والے ہیں ان میں، معراج تشنگی، فاطمہ زہرا، بغض و حسد، اشرف المخلوق، للکار، کونو مع الصادقین، عزا خانہ، انس اور عرفان ذات شامل ہیں۔

سنبھل میں ادب اسلامی کو فروغ دینے والی دور حاضر کی شخصیات میں ایک نہایت ہی اہم نام ڈاکٹر نسیم الظفر نسیمؔ کا ہے۔ یوں تو آپ کا تعلق سیدنگلی کے باقری خاندان سے ہے لیکن سنبھل میں مستقل سکونت کے سبب آپ سنبھلی کہلاتے ہیں ۔ پیشہ سے آپ ڈاکٹر ہیں لیکن ڈاکٹری جیسے پیشے سے وابستہ رہنے کے بعد اپنے قلم اور زبان کے ذریعے خدمت دین انجام دیتے رہتے ہیں۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ قلم کے علاوہ تقریر کے ذریعہ بھی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ جب آپ تقریر کے میدان میں آتے ہیں تو اچھے اچھے خطیبوں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں اور تحریری میدان میں نظم ہو یا نثر اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ وقتاً فوقتاً رسائل اور اخبارات میں آپ کے دینی و مذہبی مضامین اپنی صلاحیت کو لوہا منواتے ہیں۔ ڈاکٹر نسیم ایک ایسے پیشہ سے وابستہ ہیں کہ جس میں نہ رات کو سکون ہے

اور نہ دن میں آرام اسی وجہ سے آپ کے اندر اس شکل میں شاعری کے سلسلے میں مستقل مزاجی جیسی کہ ہونی چاہئے نہیں پائی جاتی۔ نسیم الظفر نے شاعری کی تقریباً تمام اصناف سخن پر قلم اٹھایا اور ہر صنف میں کمال کر دکھایا۔ چاہے وہ غزل کا میدان ہو یا نعت، سلام ہو یا مرثیہ۔ آپ کے مراثی اور سلام کے مجموعہ بہت ہی جلد قارئین کی خدمت میں پیش ہونے والے ہیں۔ نمونے کے طور پر یہاں آپ کا ایک سلام نقل کیا جا رہا ہے۔

لے کے چلّو میں نم ہونٹ کرنے سے انکار ہم نے کیا — موج دریا تجھے تیرے ہی شہر میں خوار ہم نے کیا
ہو کے عباسؑ جس صبر و طاعت کا اظہار ہم نے کیا — تیرے لشکر نہیں ذہنیت پر تری وار ہم نے کیا
بھاگتے بھاگتے موت کی بھی جبیں پر عرق آ گیا — ہنستے ہنستے لہو کا سمندر جو اک پار ہم نے کیا
شہر در شہر قریہ بہ قریہ نکل آئے لاکھوں علم — کٹ گئے تھے جو بازو انہی کو علمدار ہم نے کیا
خوش تھے قاتل ہمیں اذن تیغ آزمائی ملا ہی نہیں — رن لرزنے لگے جب نگاہوں کو تلوار ہم نے کیا
اتنی ہمت بھی فوج عدو میں نہ تھی راستہ روک لے — جب ادا اک نہتے سپاہی کا کردار ہم نے کیا
جابران زمانہ ڈرانے ہمیں موت سے آئے تھے — ہم کو دیکھو کہ خود موت کو اپنا رہوار ہم نے کیا
نفسیات سن و سال حیرت سے منہ دیکھتی رہ گئی — گھٹنیوں چل کے شہ رگ پہ جب موت کی وار ہم نے کیا
تیغ و خنجر کی خاموش شرمندگی قابل دیدی تھی — اے نسیم اپنے آنسو کو جب جب بھی للکار ہم نے کیا(۹)

ڈاکٹر نسیم الظفر کے سلسلے میں ایک بات جو لائق تحریر ہے وہ یہ کہ شاعری کے میدان میں آپ نے کسی کو اپنا استاد نہیں بنایا ہاں معجز سنبھلی مرحوم سے قربت کے سبب لوگ آپ کو معجز صاحب کا شاگرد سمجھتے رہے۔ لیکن خود معجز صاحب نے بارہا اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ ان کے شاگرد نہیں ہیں۔

اب ہم دبستان داغ سے نکل کر ان قدیم و جدید شعرا کا مختصراً ذکر کریں گے جنہوں نے اسلامی ادب کے فروغ میں سنبھل کی ایک الگ شناخت کرائی۔ اس سلسلے میں پہلا نام ملیح سنبھلی کا ہے آپ ۱۸۶۶ء میں سنبھلی کی مردم خیز بستی حسین خاں سرائے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا پورا نام سید احمد حسن اور ملیح تخلص ہے۔ ملیح نے کل ۳۸ سال عمر پائی لیکن اس کم عمری میں آپ کو ہم عصر شعراء پر ہمیشہ سبقت رہی۔ ملیح کو فارسی اور اردو دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا اور آپ کو غالب کی طرح اپنے اردو کلام سے زیادہ فارسی کلام پر فخر تھا۔ ملیح نے تقریباً سبھی اصناف سخن میں اپنے جوہر دکھائے لیکن غزل اور سلام ان کی سب سے پسندیدہ اصناف سخن تھی۔ آپ کا کلام مطبوعہ شکل میں تو موجود نہیں ہے

لیکن آپ نے متعدد قلمی بیاضیں یادگار چھوڑی ہیں۔ جن کی تلاش جاری ہے اور کسی حد تک کامیابی بھی نصیب ہوئی ہے۔ انشاء اللہ آپ کا کلام بہت جلد چھپ کر کتابخانوں کی زینت بننے والا ہے۔ نمونے کے طور پر چند شعر منقبت اور سلام کے پیش خدمت ہیں۔

نہ کیونکر ہم ہوں قربان محمدؐ بڑے ہیں ہم پہ احسان محمدؐ
ملائک ہیں ثنا خوان محمدؐ فلک ہے زیر دامان محمدؐ
بڑی ہے عرش سے شان محمدؐ
سراسر ہے وہ شان حق کا جلوہ اسے دیکھا تو گویا حق کو دیکھا
اسی کی لو میں دل جلتا ہے میرا چراغ ماہ ہے پروانہ جس کا
وہ ہے شمع شبستان محمدؐ

☆

پیاسا شہید جو ہوا امت کے واسطے وہ دختر رسول کا دل ہے جگر بھی ہے
اکبر کا حسن دیکھ کے کہتے تھے اہل شام شرمندہ اس کے سامنے شمس و قمر بھی ہے
میں تو گناہگار ہوں پر ہے خدا کریم بخشش کی گو امید ہے لیکن خطر بھی ہے
اکسیر سے سوا نہ ہو کیوں خاک کربلا چشم گناہ گار کو کحل البصر بھی ہے
غلفت کی نیند سو چکے اب تو اٹھو ملیح
دن کم رہا ہے کچھ تمہیں اس کی خبر بھی ہے(۱۰)

سنبھل کے قدیم شعراء میں ایک نام محفوظ سنبھلی کا ہے۔ آپ ۱۸۸۱ء میں محلّہ چودھری سرائے میں پیدا ہوئے۔ محفوظ سنبھلی نے تمام ہی اصناف سخن میں شعر کہے اور آپ کے دو دیوان بھی شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ کا ایک مجموعہ کارزار کربلا کے عنوان سے شائع ہوا اس مجموعہ میں شروع کے ۴۰ صفحات پر'' شاہکار حمد و نعت کے عنوان سے نعتیں اور بعد کے ۲۴ صفحات پر'' کارزار کربلا'' کے عنوان سے سلام پیش کے گئے ہیں۔'' کار زار کربلا'' میں ۲۸ سلام ایک نعت پاک اور چند قطعات شامل کئے گئے ہیں۔ محفوظ سنبھلی کے سلام کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔ جس سے آپ کے استاد الشعراء ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

ظاہر ہوئی جہان پہ عظمت حسینؑ کی باطن میں یہ شکست ہے، نصرت حسینؑ کی

لے جائے گی بہشت میں الفت حسینؑ کی ہے جاگزین قلب محبت حسینؑ کی
محشر میں رنگ لائی رفاقت حسینؑ کی جنت ملی ہے حر کو بدولت حسینؑ کی
ذات خدائے پاک ہی کو اس کا علم ہے اک راز خاص ہے یہ شہادت حسین کی(۱۱)

اسی سلسلے کی ایک کڑی ظفر سنبھلی ہیں آپ بھی محلّہ چودھری سرائے میں ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے ۔ظفر سنبھلی نے بھی دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ خاص طور پر کربلا کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ یوں تو آپ کے دینی موضوعات پر کئی مجموعہ شائع ہوئے۔ مثلاً آفتاب اسلام، ثنائے مصطفےٰ لیکن ایک مجموعہ ''غمخوار حسین'' کے عنوان سے ہے جو کہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس میں ۱۹ سلام، ۲ نوحے اور ایک قصیدہ امام مہدی آخر الزماں کی شان میں ہے۔ ظفر نے سلام اور نوحوں کے علاوہ مرثیے بھی کہے ہیں۔ آپ کو کربلا سے ایک قلبی لگاؤ تھا جس کا ثبوت آپ کے نوحوں سے ملتا ہے۔

قصہ کرب و بلا ہائے سناؤں کیسے
اک حقیقت کو میں افسانہ بناؤں کیسے
کس طرح لوٹے ہیں شبیر کے خیمے رن میں
کس طرح ظلم و ستم ڈھائے ہیں مظلوموں پر
کس طرح عظمتیں لوٹی گئیں ناموسوں کی
کس طرح کھینچی گئی انکے سروں سے چادر
ان گنت ظلموں کو آخر میں گناؤں کیسے
قصہ کرب و بلا ہائے سناؤں کیسے
حق کی آواز دبانے کے لئے باطل نے
اہل ایمان پہ برسائے تھے رن میں جب تیر
دیکھ کر اپنوں کی ڈوبی ہوئی خوں میں لاشیں
اتنا کہہ کہہ کے بہت روئے تھے دل میں شبیر
ہائے تنہائی لاشوں کو اٹھاؤں کیسے
قصہ کرب و بلا ہائے سناؤں کیسے(۱۲)

ظفر سنبھلی کا آخری مجموعہ شب عاشور کے عنوان سے قصائد اور مراثی پر مشتمل ہے جو

۲۰۰۸ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔

جلال افسر کا شمار بھی ان خوش نصیب شعراء میں ہوتا ہے کہ جنہوں نے سنبھل میں ادب اسلامی کو فروغ دینے والی ہستیوں کی فہرست میں اپنا نام رقم کرایا آپ ۱۹۴۹ء میں سنبھل میں پیدا ہوئے۔ جلال افسر نے بھی شاعری کی دیگر اصناف کے ساتھ ساتھ سلام بھی لکھے اور آپ کا ایک مجموعہ سلام ''غم حسینؑ'' کے نام سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ بطور نمونہ یہاں آپ کا ایک سلام پیش ہے۔

ایثار سے زمیں کو زماں کر گئے حسین — کرب و بلا کو راحت جاں کر گئے حسین
سیراب کرکے دشت بہتّر (۷۲) کے خون سے — ریگ رواں کو رشک جناں کر گئے حسین
بیعت کا ان کے بعد نہ اٹھا کبھی سوال — رخصت کے وقت اتنا گراں کر گئے حسین
کیسے نہ ہوگا قرب خدا کا انہیں نصیب — قرباں جب اس کی راہ میں جاں کر گئے حسین
اسلام کی بقا و تحفظ کے واسطے — پیدا دلوں میں عزم جواں کر گئے حسین
بے دیں کی پیروی میں نہ پل بھر جییں گے ہم — افسر یہ دو جہاں پہ عیاں کر گئے حسین (۱۳)

سنبھل کے قدیم شعراء کی فہرست میں ایک اہم نام بہار حسین بہار کا ہے۔ آپ محلّہ دیپا سرائے میں پیدا ہوئے۔ بہار نہایت ہی ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آپ نے بھی جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی لیکن حمد، نعت اور سلام سے خاص لگاؤ تھا۔ بہار نے اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہے۔ اس عظیم شاعر کے پانچ مجموعہ شائع ہوئے۔ جن میں ایک دیوان بہار حسین ۱۸۹۶ء دیوان بہار نعت ۱۹۰۵ء، بہار شہادت المعروف بہ روضۃ الشہد اء ۱۳۱۶ھ، گلدستہ شہادت ۱۹۰۴ء اور بہار باغ اسلام ۱۹۰۵ء۔ پہلے مجموعہ میں اردو فارسی میں نعتیہ غزلیں، خمسے، ترجیع بند، منظومات، سلام، منقبت، رباعیات وغیرہ شامل ہیں۔ ''بہار شہادت'' اور گلدستہ شہادت میں اردو، فارسی نظم و نثر میں شہادت امام حسینؑ اور واقعات کربلا کا ذکر ہے اور بہار باغ اسلام میں پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نمونہ کے لئے یہاں آپ کے چند شعر نقل کئے جا رہے ہیں۔

اے قلم لا الہ الا اللہ اے رقم لا الہ الا اللہ
لشکر خاص دین برحق کا ہے علم لا الہ الا اللہ
دم آخر دہن سے نکلے دم بدم لا الہ الا اللہ
دونوں عالم بہار کہتے ہیں ہو پیہم لا الہ الا اللہ

سنبھل کے شعراء میں ایک اور نام جو کے ممتاز عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین شاعر بھی تھے وہ ہیں مفتی عبدالسلام۔ آپ کا تعلق خانوادہ اسرائیلی سے ہے اس خاندان کی دینی خدمات سنبھل کے لئے ناقابل فراموش ہیں۔ آپ عربی ، فارسی اردو تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ مفتی عبدالسلام کے دو مجموعہ بنام اصل النصائح ۱۳۰۵ھ اور مجمع بحرین ۱۳۱۰ء میں شائع ہوئے۔ ان دونوں مجموعہ میں میں حمد اور نعت کے بعد کچھ نصائح نظم کیے گئے ہیں۔ نمونہ کلام آپ کا یہ ہے۔

نہیں معبود کوئی جز خدا کل کا جو مولا ہے تکبر اس کو لائق ہے تواضع سب کی زیبا ہے
بیاں امکاں سے باہر غیر سے اس کی صفت کا ہے یہاں ہے عاجزی لازم یہ سب کی عجز کی جا ہے(۱۵)

ادب اسلامی کو فروغ دینے والے سنبھل کے علماء شعرا میں مولوی سراج الدین ابوذر وارثی کا نام بہت عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ آپ نے نظم اور نثر دونوں میں اپنے والد ماجد مفتی عبدالسلام کی طرح خدمات دین انجام دیں۔ آپ کے اجداد مغلیہ سلطنت کے زمانے میں مفتی شہر کے منصب سے سرفراز ہوئے۔ مفتی ابوذر وارثی کو اردو اور فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ مفتی صاحب نے متعدد تصانیف چھوڑی تھیں مگر افسوس آج دستیاب نہیں ہیں ۔ صرف ایک رسالہ کے علاوہ، تلاش بسیار کے بعد آپ کا کچھ غیر مطبوعہ کلام ہاتھ آیا، جو نمونہ کے طور پر پیش خدمت ہے۔

خدا ہے مصطفےٰؐ ہے مرتضیٰؑ ہے کسی دیگر سے مجھ کو کام کیا ہے
خدا خلاق و رب العالمین ہے شفیع روز محشر مصطفیٰؐ ہے
باذن داور بیچون سجان علیؑ مرتضیٰؑ مشکل کشا ہے
سگ دنیا جو بھونکے بھونکنے دو علی مرتضیٰؑ شیر خدا ہے
ائمہ یازدہ نور علیؑ ہیں ہر اک ان میں سے میرا پیشوا ہے
جناب سیدہؑ بنت پیمبرؐ رضا جو اس کا دائم کبریا ہے
ابوذر چپ رہو دشمن بہت ہیں عقیدہ صاف ظاہر برملا ہے(۱۶)

دور حاضر میں سنبھل میں ایسے ان گنت شعراء ہیں کہ ادب اسلامی کے فروغ میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو فریضہ دینی سمجھ کر انجام دے رہے ہیں ان خوش نصیب شعرا کی فہرست میں مراد حسین نقوی، نقوی سنبھلی ، ڈاکٹر طاہر رزاقی جو رباعی کہنے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ مشہور عروضی کو ڈکٹر زار عامی کی شاگردی کا شرف حاصل ہے، حسین افسر، شمشیر سنبھلی، طلعت سنبھلی، سلمان

نبی، پیکر سنبھلی ،امیر امام روفی اور تصویر سنبھلی وغیرہ کے نام فخر کے ساتھ لئے جاسکتے ہیں۔ ان شعراء میں سے بعض کے مجموعہ کلام چھپ چکے ہیں اور کچھ شعراء کے مجموعہ کلام بہت جلد چھپنے والے ہیں۔

نظم کے علاوہ نثر کے میدان میں بھی سنبھل اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے ۔ یہاں ہم مختصراً ان نثری کتابوں کا ذکر کریں گے جو فقط اسلامی ادب سے متعلق ہیں۔ اس سلسلے میں محمد اجمل شاہ اجمل کا نام سرفہرست ہے۔ آپ ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین شاعر بھی تھے آپ کا ایک مجموعہ ریاض الشہدا کے نام سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا جس میں واقعات کربلا کو نظم میں بیان کیا گیا ہے۔ نثر میں آپ کی متعدد کتابیں ہیں۔ جن میں ردّ سیف یمانی ، ۱۹۳۲ء فوٹو کا جواز ۱۹۵۰ء ، مذہب اسلام ۱۹۵۰ء اور فیصلہ حق و باطل ۱۹۴۰ء قابل ذکر ہیں۔

محمود اسرائیلی نے بھی ادب اسلامی پر قلم اٹھاتے ہوئے۔ پیغام اسلام ۱۹۲۶ء اور چہل حدیث ۱۹۴۶ء میں شائع کی۔

مولانا اسعد اسرائیلی کے ذریعہ ''دین اور دعوت'' اور شبہات حقائق لکھی گئی۔ سرزمین سنبھل ہی پر مولانا اسعد قاسمی کے ذریعہ امام مہدی لکھی گئی۔

مولانا منظور نعمانی نے متعدد کتابیں اسلامی موضوعات پر تصنیف کیں جن میں سے بعض کتابوں کے نام تحریر کیے جا رہے ہیں پیغام اسلام ۱۹۷۱ء اسلام کیا ہے؟ ۱۹۸۲ء، دین و شریعت ۱۹۹۵ء ۔مسئلہ حیات نبی کی حقیقت ۱۹۸۷ء عقیدہ علم غیب ۱۹۹۷ء ۔

ان کے علاوہ مفتی اشفاق حسین نعیمی نے اختیارات و شفاعت نبویؐ شائع کر کے سنبھل کے اسلامی سرمایہ میں گرانقدر اضافہ کیا۔

اس مختصر مضمون کو پایہ تکمیل تک پہونچانے سے قبل میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ سنبھل میں تفسیر کے موضوع پر بھی خاصہ کام ہوا ہے لیکن نہایت فخر کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی پہلی تفسیر اُردو زبان میں ، ''تفسیر مرادیہ'' کے نام سے شاہ مراداللہ انصار کے ذریعہ اس سرزمین پر ہی لکھی گئی اور یہ تفسیر (۲۴ محرم ۱۱۸۵ھ ۱۷۷۱ء) کو مکمل ہوئی۔ اس تفسیر کا نام ''خدائی نعمت'' مقرر ہوا کیونکہ خدا کی نعمت سے تکمیل تفسیر کے عدد نکلتے ہیں۔

مآخذ:

۱۔ چند ممتاز شعرائے سنبھل ، ڈاکٹر سعادت علی صدیقی تنویر پریس امین آباد، لکھنؤ ۱۹۸۴ء ص ۱۵

۲۔ تاریخ سنبھل، مولانا عبد المعید، ناشر مکتبہ طیبہ سنبھل ۲۰۰۲ء ص ۵۹
۳۔ خلاصہ ایوان مقتل مؤلف منشی سید عبدالصمد مرحوم، مطبوعہ ۱۹۶۶ء ص ۲۷
۴۔ صبح کربلا، معجز سنبھلی، ناشر مراد نقوی، سنبھل ۱۹۷۶ء ص ۱۹
۵۔ تنویر کربلا، معجز سنبھلی، مرتبین ڈاکٹر نسیم الظفر - کیفی سنبھلی، سنبھل ۲۰۰۵ء ص ۹۶-۹۷
۶۔ آب گریہ، کیفی سنبھلی، سنبھل ۲۰۰۷ء ص ۷۷، ۷۸
۷۔ کربلا، کیفی سنبھلی، سنبھلی ۱۹۹۳ء ص ۲۷
۸۔ مملکت صبر، کیفی سنبھلی، سنبھل ۱۹۹۷ء ص ۸
۹۔ غیر مطبوعہ ڈاکٹر نسیم الظفر کی شخصی بیاض سے
۱۰۔ چند ممتاز شعرائے سنبھل، ڈاکٹر سعادت علی صدیقی، تنویر پریس امین آباد لکھنؤ ۱۹۸۲ء ص ۱۷۱ سے ۱۷۵
۱۱۔ بیسویں صدی میں سنبھل کی ادبی خدمات، عزیز اللہ، پی۔ ایچ ڈی مقالہ ۲۰۰۷ء ص ۱۷۹
۱۲۔ ایضاً ص ۱۸۳
۱۳۔ غم حسین، جلال افسر ناشر انجمن فیضان ادب ۱۹۸۳ء ص ۱۲
۱۴۔ ادبی تنویریں، ڈاکٹر سعادت علی صدیقی مرتبہ سلمٰی خاتون، نامی پریس لکھنؤ ۱۹۹۶ء ص ۱۳۲ - ۱۳۳
۱۵۔ ایضاً ص ۱۸۶
۱۶۔ ایضاً ص ۲۰۶

معارفی کتاب

نبیؐ رحمت از: مولانا سید ابوالحسن ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی ہماری صدی کے ایک معروف اور مایۂ ناز عالم دین، مفکر اور مصنف ہیں۔ عربی انگریزی ، اردو میں آپ کی متعدد کتابیں نہ صرف برصغیر ہندوپاک میں مقبول ومعروف ہیں ، بلکہ ان سے یکساں طور پر عالم اسلام نے استفادہ کیا ہے اور کیا جارہا ہے ۔'' تاریخ دعوت وعزیمت'' آپ کی وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے جس میں ملت کے روحانی وارثوں کے نام اور کام کو اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ صحیفۂ قرطاس پر فعال نظر آتے ہیں۔آپ کی تصنیف ''نبی رحمت'' سیرت پیغمبر اسلامؐ پر ایک اہم علمی کارنامہ ہے۔ یہ اصلاً عربی میں لکھی گئی تھی جس کا بعد میں مولانا محمد الحسنی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اردو میں ہمیں صدہا کتابیں سیرت پیغمبر اسلام پر مل جاتی ہیں۔ نبی رحمت بے شک ایک ایسی کتاب ہے جو سیرت کی اردو کی کتابوں میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔

''نبی رحمت'' کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں چند ایسے ابواب قائم کئے ہیں اور ان کے تحت ایسی معلومات فراہم کی ہیں جن سے سیرت پر عام کتابیں خالی ہیں۔ مثلاً اس کتاب کا پہلا باب 'عہد جاہلیت'' ہے۔ اس میں مصنف نے چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کے تمام قدیم مذاہب اور اہل مذاہب کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ مزید برآں مشرقی رومی سلطنت ، ایرانی شاہنشاہیت، ہندوستان ،جزیرۃ العرب اور یورپ کی قوموں اور حلقوں کے احوال وکوائف پر ایک عمومی نظر ڈالی ہے اور اس دور کے عالمگیر فساد اور ہرنوعیت کے اندھیروں کو بیان کیا ہے۔

کتاب کا دوسرا باب'' جزیرۃ العرب'' ہے جس میں اس علاقے کے حدود، وہاں کے طبیعی حالات ،تمدنی ثقافتی مراکز اور لسانی وحدت کی تصویر کشی کی ہے۔ اس ضمن میں عربی مآخذ کے علاوہ دوسری اقوام کی تاریخ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ بعثت نبوی کے وقت شہر مکہ میں زندگی کی تنظیم ، عہدوں کی تقسیم، آمد و برآمد، اقتصادی حالت اوزان وپیمانے ادب وثقافت ،جنگی طاقت ، اخلاقی پہلو وغیرہ میں سے ہر ایک کا بیان سلیقے کے ساتھ کیا ہے۔ مکہ مکرمہ کی طرح عہد بعثت کے یثرب سے متعلق بھی تاریخی ، جغرافیائی اقتصادی ، دینی ، معاشرتی اور تمدنی ہر طرح کی بیش قیمت معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔

ان ابواب کے تحت مواد کی فراہمی میں مصنف نے غیر معمولی دیدہ وری اور بالغ نظری کا

ثبوت دیا ہے۔ ریزہ ریزہ معلومات اس طرح جمع کی ہیں گویا بقول خود مصنف چینونٹیوں کے منہ سے شکر کے دانے فراہم کیے ہیں۔

حضرت مولانا مکہ کی صنعتو اور ادب وثقافت سے بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اہل مکہ کی نظر میں صنعت وحرفت کی زیادہ اہمیت نہیں تھی ، بلکہ وہ اس کو حقارت سے دیکھتے تھے اور اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے تھے۔ عام طور پر صنعت وحرفت غلاموں یا غیرعربوں کے ساتھ مخصوص سمجھی جاتی تھی تاہم بعض صنعتیں جن کی انہیں سخت ضرورت تھی ، وہاں موجود تھیں روایت میں آتا ہے کہ حضرت جناب بن الارت فلوارین تیار کرتے،تعمیر ات وغیرہ میں رومی اور ایرانی مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا۔

ناخواندگی وہاں عام تھی ،لیکن کچھ پڑھنے والے لوگ موجود تھے۔ مکہ والے پورے جزیرۃ العرب میں ذوق ، لطافت طبع اور آرائش وتجمل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے... جہاں تک ان کی زبان کا تعلق ہے اس کو سند اور میزان کا درجہ حاصل تھا... تناسب اعضا ، جسمانی ساخت،حس وجمال نیز اعتدال وتوازن میں بھی وہ ممتاز تھے۔

کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف نے نہایت خوبی وخوبصورتی کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات پاک اور اسلام کے آغاز وارتقا کی تاریخ کو باہم آمیز کردیا ہے۔ بلاشبہ یہ حضرت مولانا کے سحر طراز قلم کا کرشمہ ہے کہ انہوں نے واقعات سیرت اور اسلام کی تاریخ کو ایک دوسرے میں منعکس کردیا ہے۔ سفر ہجرت کے موقع پر غارثورہ میں روپوشی اور مشرکین کے تعاقب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' ادھر مشرکین نے رسول ﷺ کا تعاقب کیا۔ یہ انسانیت کے طول طویل سفر کا سب سے نازک اور سب سے فیصلہ کن لمحہ تھا۔ یا تو ایک ایسی بدنصیبی سامنے تھی جس کی کوئی انتہا نہیں، یا ایک ایسی خوش نصیبی جس سے اقبال مندی کا آغاز ہورہا تھا جس کی کوئی حد نہ تھی۔

انسانیت نے بے چینی سے اپنی سانس روک لی تھی اور بے حس وحرکت ہوکر ان جاسوسوں اور تعاقب کرنے والوں کو دیکھ رہی تھی وہ اس وقت غار کے منہ پر کھڑے تھے اور صرف اتنی دیر باقی تھی کہ ان میں سے کوئی نیچے دیکھ لے۔ لیکن خدا کی قدرت ان کا ذہن ادھر نہ جاسکا کہ اندر کوئی ہوسکتا ہے۔''

کتاب کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اسے محض سیرت وسوانح کی ایک کتاب بنانے کے بجائے ایک کتاب دعوت بنا کر پیش کیا ہے۔ مولانا محترم نے کوشش کی ہے کہ سیرت پیغمبرؐ سے متعلق واقعات محض واقعات کی حیثیت سے نہ پیش کیے جائیں بلکہ دعوت کی وہ روح اور کشش جو صدور واقعات کے وقت ان میں موجود تھی، ممکنہ حد تک اسے برقرار رکھا جائے۔

کتاب کی چوتھی خصوصیت ، اس کا شذوز اسر تفردات سے خالی سفر ہونا ہے یعنی واقعات سیرت کو اسی نہج ، اسی رخ اور اسی انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ جیسے کہ وہ محدثین اور ارباب سیر کے درمیان رائج ومتداول ہیں۔

کتاب کی پانچویں خصوصیت اس کا توازن واعتدال ہے جو کئی سطحوں پر جلوہ گر ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ کتاب نہ حد درجہ مختصر ہے کہ قاری تسلی وتشفی نہ ہو اور تشنگی کا احساس باقی رہے نہ اس قدر مفصل ہے کہ پڑھنے والا گھبرا جائے بلکہ درمیان کی راہ اختیار کی گئی ہے۔

کتاب کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مصنف کے تاریخی شعور ،علم وتحقیق کے قافلے کی ہمرکابی اور عصری حسیت کی آئینہ دار ہے ۔مطلب یہ ہے کہ اس میں ایک طرف اس کی اساس قرآن پاک، احادیث اور سیرت وتاریخ کی قدیم بنیادی کتابوں پر رکھی ہے اور دوسری جانب تاریخ ، جغرافیائی اثرات وغیرہ سے متعلق جدید مشرقی ومغربی مآخذ سے بھی پورا استفادہ کیا گیا ہے۔

اس کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سیرت کے مباحث سے متعلق بعض اہم تحقیقات پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً ہرقل کے نام پیغمبر اسلام کے مکتوب گرامی میں ایک جملہ ہے۔ ''فان تولیت فعلیکم اتم الریسین ''(اگر تم نے نہ مانا تو اریسین کا گناہ تمہارے اوپر ہوگا۔) اس جملے میں ''مریسین یا اریسین کے اصل مفہوم کی تعیین کے سلسلے میں علمائے حدیث ولغت کے درمیان خاصا اختلاف رہا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے لکھا ہے کہ : ہمارے نزدیک ترجیح اس قول کو ہے کہ اریسین سے مراد اریوس مصری (۳۳۶۔۲۸۰۔AR145) کے پیرو ہیں جو ایک ایسے مستقل مسیحی فرقے کا بانی تھا جس نے مسیحی عقاید اور اصلاح کے شعبے میں ایک خاص کر دار ادا کیا۔ کتاب 'نبی رحمت'' کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں سیرت نبوی سے متعلق الگ الگ واقعات کو اپنی ترتیب اور پیشکش کے ذریعے وحدت کی لڑی میں پرودیا ہے۔ چنانچہ ایک واقعے کے بعد دوسرا واقعہ پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہی اس کے ذکر کا صحیح موقع ومحل ہے۔

کتاب کی نویں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ اور خود واقعات سیرت سے آپ کا سراپا رحمت ورافت اور شفقت وکرم ہونا محسوس ہونے لگتا ہے۔

اس کتاب کی استنادی حیثیت کے بارے میں عرض کردیا جائے کہ مصنف نے اس میں صحیحین اور دوسری کتب احادیث کے علاوہ بطور خاص سیرت ابن ہشام اور زاد المعاد پر بھروسہ کیا ہے۔

یہ بھی عرض کردینا مناسب ہے کہ اگر حضرت مولانا ندوی مرحوم نے یہ کتاب خود اردو میں لکھی ہوتی تو زبان وبیان کے لحاظ سے بھی یہ اردو کتب سیرت کے درمیان ایک امتیازی شان کی حامل ہوتی ، ہر چند کہ اس کا اردو ترجمہ شگفتہ اور رواں دواں ہی سہی۔

سیرت النبی از: علامہ شبلی نعمانی

علامہ شبلی کو بجا طور پر بیسویں صدی عیسوی کی مایہ ناز شخصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ کثیر الجہات کے مالک علامہ شبلی نے جو بھی علمی وادبی کام انجام دیا، اس کو آج بھی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ عالمانہ کمالات کی جامعیت کے لحاظ سے یہ یگانۂ روزگار عالم وادیب ،علم وادب کے مختلف میدانوں میں ایسی یادگاریں چھوڑ گئے ہیں، جن سے آج بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی کے مقدمے میں اس کتاب کی عظمت وفضیلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

خاص سیرت پر آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں صرف صحیح روایتوں کا التزام کیا جاتا اس بنا پر ضروری تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث ورجال کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں اور پھر نہایت تحقیق اور تنقید سے ایک مستند تصنیف تیار کی جائے۔

اردو میں سیرت نبوی کے موضوع پر چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس طرح ہمارے علمانے اپنا بنیادی مقصد بھی پورا کیا ہے، لیکن شہرت ومقبولیت کے جس مقام پر علامہ شبلی کی سیرۃ النبی فائض ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، یہ کتاب ناتمام رہی اور علامہ کی بے وقت موت نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ اسے مکمل کرتے اور پھر اس کو مکمل کرنے کی ذمہ داری ان کے مایۂ ناز عالم وفاضل شاگرد سید سلیمان ندوی کے کندھوں پر آن پڑی اور انہوں نے یہ کام اپنی روایتی

علمی دور اندیشی اور وسعت نظری سے پورا کیا بعض ناقدین نے سیرۃ النبی پر اعتراضات بھی کیے ہیں یہ تنقید سیرۃ النبی کے مطالب پر بھی ہے۔ علامہ کے طریقۂ استنباط پر بھی اور ان کے بعض مآخذ ومنابع پر بھی ،لیکن سیرۃ النبی کی مقبولیت آج بھی برقرار ہے۔ اس کی وجوہات یہ ہیں۔

مصنف کا قدر تمند اور موثر اسلوب بیان ، مور خانہ شعور وآگہی ، بے مثال اور منفرد سلیقۂ تحریر وتصنیف ،مستشرقین کا رد وابطال ، عالمانہ طرز تخاطب

مولانا شبلی کا صاحب طرز ادیب وانشا پرداز ہونا اردو ادب میں ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ انہیں اردو کے صف اول کے نثر نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔اسلوب وانشاء کے لحاظ سے سیرۃ النبی کا دوسری اسی موضوع پر کتابیں مقابلہ نہیں کر پاتیں۔ مثال کے طور پر علامہ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں اپنی انشاء پردازی کے جوہر اس طرح دکھائے ہیں۔

''دنیا میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایران ، ہند ،مصر، یورپ میں عالمگیر اندھیرا تھا۔ قبول حق ایک طرف اس وسیع خطہ ارض میں گز بھر زمین نہیں ملتی تھی ، جہاں کوئی شخص خالص خدائے واحد کا نام لے سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان میں صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلوں سے کام پڑا۔ مصر آئے ناموس کو خطرے کا سامنا ہوا۔ فلسطین پہنچے کسی نے بات تک نہ پوچھی خدا کا نام جہاں سے لیتے تھے ،شرک اور بت پرستی کے غلغلے میں آواز دب دب کر رہ جاتی تھی،۔ معمورۂ عالم کے صفحے نقش ہائے باطل سے ڈھک چکے تھے ۔اب ایک سادہ بے رنگ ہر قسم کے نقش ونگار سے معرا ورق درکار تھا جس پر طغرا کے حق لکھا جائے یہ صرف حجاز کا صحرا ے ویران تھا جو تمدن اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہیں ہوا تھا۔''

ملاحظہ فرمایے کہ حضرت علامہ کا قلم حضرت اسماعیل کی قربانی کے بارے میں کیا گل کاری کرتا ہے۔

''اب ایک طرف نوے سالہ پیر ضعیف ہے ،جس کو دعا ہائے سحر کے بعد خاندان نبوت کا چشم وچراغ عطا ہوا تھا۔ جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔ اب اسی کے قتل کے لئے اس کی آستین چڑھ چکی ہیں اور ہاتھ میں چھری ہے۔

دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے جس نے بچپن سے آج تک باپ کی محبت آمیز نگاہوں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ اور اب باپ کا مہر پر ورہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے۔ ملائکہ قدسی ، فضا

آسمان ، عالم کائنات یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اور انگشت بہ دندان ہیں کہ دفعتاً عالم قدسی سے آواز آتی ہے۔ ابراہیم تو نے خواب کو سچا کر دکھایا ، ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں''۔

طغیان ناز بین کہ جگر گوشۂ خلیل در زیر تیغ رفت وشہیدش نمی کند''

علامہ شبلی نعمانی نے پیغمبر اسلام کے اخلاق حسنہ کی بحث میں پیغمبرؐ کے امتیاز پر بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

'' عین اس وقت جب کہ معرکہ کار زار گرم ہے، تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ تمام میدان لالہ زار بن گیا ہے۔ ہاتھ اور پاؤں اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جس طرح موسم خزاں میں پتے جھڑتے ہیں۔ دشمن کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھی چلی آرہی ہیں،۔ عین اس حالت میں آنحضرت ﷺ کا دست آسمان کی طرف بلند ہے۔ جنگ آور باہم نبرد آزما ہیں اور سر مبارک سجدۂ نیاز میں ہے''۔

معرکۂ بدر میں حضرت علیؑ عین شدت جنگ میں تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے۔

حنین میں دشمن نے دفعتاً اس زور سے حملہ کیا کہ تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے ۔ بارہ ہزار آدمیوں میں سے ایک بھی پہلو میں نہیں۔ سامنے سے دس ہزار قد انداز تیر برساتے آرہے ہیں ، لیکن مرکز حق اپنی جگہ پر قائم ہے اور ایک پر جلال آواز آرہی ہے۔ انا النبی لاکذب (میں پیغمبر ہوں اور جھوٹا پیغمبر نہیں ہوں)

عین اس وقت جب کہ صفیں باہم معرکہ آرا ہیں ، ہر طرف تلواریں برس رہی ہیں ، ہاتھ پاؤں کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہیں، موت کی تصویریں ہر طرف نظر آرہی ہیں ، اتفاق سے نماز کا وقت آجاتا ہے۔ دفعتاً نماز کی صفیں قائم ہوجاتی ہیں۔ سپہ سالار امام نماز ہے۔ فوجیں صفوف نماز ہیں۔ رجز کے بجائے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہیں ، جوش وخروش تہور وجانبازی، غیظ وغضب ، اب عجز ونیاز،تضرع وزاری اور خشوع وخضوع بنا جاتا ہے۔ صفیں دو رکعتیں ادا کر کے دشمن کے مقابلے پر چلی جاتی ہیں۔ ان کے بجائے لڑنے والے نماز میں شامل ہوجاتے ہیں ۔ یہ دو رکعتیں ادا کر کے پھر اپنی خدمت پر واپس چلے جاتے ہیں اور مشغولین جنگ آکر بقیہ نمازیں پوری کر لیتے ہیں ، لیکن یہ تبدیلیاں فوجوں میں ہوتی ہیں، امام ﷺ اول سے آخر تک عبادت الٰہی میں مشغول ہیں۔''

ان اقتباسات سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ان میں جن مضامین یا واقعات کا بیان ہے۔ وہ سیرت کی متداول کتابوں میں بھی درج ہیں،لیکن علامہ شبلی کے ساحرانہ قلم سے ان میں جدت وطرفگی کا سماں پیدا ہوگیا ہے۔

سیرۃ النبی کی عبارات کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ علامہ شبلی نے اپنی تحریروں میں منظر نگاری پر بہت زور دیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ''کسی چیز یا کسی حالت کا اس طرح اداکرنا اس شئی کی تصویرآنکھوں میں پھر جائے۔ یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس وصف کے علاوہ سیرۃ النبی میں علامہ شبلی کی نثر کی چند دوسری خصوصیات بھی ہیں۔ ان میں سرفہرست ایجاز واختصار ہے۔ علامہ شبلی اصلاً ایک پھول کے مضمون کو سورنگ سے باندھنے کے قائل نہ تھے اس لیے ان کے یہاں حشوزواید کا گذر نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان کی نثر گتھی ہوئی اور معنوی لحاظ سے مرتکز ہوتی ہے۔ ان کے یہاں مقدرات بکثرت ہوتے ہیں اوردلالتیں نہایت واضح ہوتی ہیں۔حتی کہ جن مقامات پر یہ ظاہر الحساب کا گمان گذرتا ہے، بغور دیکھا جائے تو وہاں بھی ایجاز ہی کارفرما نظر آتا ہے۔

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں اپنی نثر میں ایجاز وارتکاز کے ساتھ ساتھ اثر وتاثیر کی کیفیت پیداکرنے کے لئے تشبیہات سے کم اور استعارات ومجازات سے بکثرت کام لیا ہے۔ اس کی بھی مثالیں دیکھئے۔

''حضرت علیؓ کو معلوم ہوچکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کرچکے ہیں اور آج رسول اللہ ﷺ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے،لیکن فاتح خیبر کے لئے فرش گل تھا۔''

'' دلدل کا ہجوم کرکے بڑھتا تھا،لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔''

علامہ شبلی کی نثر کا ایک اور وصف یہ ہے کہ وہ استدلال اورمنطقیت کے سانچے میں ڈھلی ہوتی ہے چنانچہ وہ جب کسی واقعہ یا مضمون کو بیان کرتے ہیں تو دل ودماغ اسے قبول کرنے میں پس وپیش نہیں کرتے،مصنف شعرالعجم کو فارسی شعرادب کا بہت پاکیزہ ذوق ودیعت ہوا تھا۔ سیرۃ النبی کی تصنیف کے دوران علامہ شبلی نے اگرچہ شعرالعجم '' سے ہاتھ اٹھایا لیا تھا،لیکن شعرعجم کا ذوق ان کا رفیق ودمساز تھا۔ اسی وجہ سے سیرت النبی کے بیان میں کہیں کہیں انہوں نے فارسی کے ایسے برمحل اشعار کی پیوندکاری کی ہے جن کا ڈھونڈ نا دشوار ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

''ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگاروں کے بستر

پر سونا پڑا تھا تھا ، یعنی حضرت عمارؓ یا سروغیرہ ، ان کا نام مہاجرین حبش کی فہرست میں نظر نہیں آتا ، اس لیے یاتو ان کی بے سروسامانی اس حدتک پہنچی تھی کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھایا کہ درد کے لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے''۔

دلم ز جورتو آسودہ است ومی نالم
کہ غیر پی نبرد لذت حدو

سیرۃ النبی میں طنزیہ پیرایۂ بیان کے نمونے بھی ملتے ہیں ۔ علامہ شبلی تاریخ کا پختہ شعور رکھتے تھے۔ آپ نے سیرۃ النبی'' کو سیرت کی قدیم کتابوں کے انداز میں لکھنے کے بجائے تاریخ نگاری کے نئے اصولوں کے مطابق تصنیف کیا ہے۔ آج کل کی مروجہ اصطلاح کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ سیرۃ النبی عصری حسیت کی بھرپور نمایندگی کرتی ہے۔

سیرۃ النبی کی تصنیف سے علامہ شبلی کا اصل مقصد آنحضرت ﷺ کی سیرت وشخصیت سے متعلق مستشرقین کی غلط بیانیوں اور بہتان طرازیوں کا ردو ابطال اور ان مسلمان جوانوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا تھا جن کے ذھن میں ذات نبوی کے متعلق مورخین یورپ کی زہر افشانیوں سے مسموم ہوتے جارہے تھے۔

سیرۃ النبی بعض فروگزاشتوں کے باوجود جن کی بعض ناقدین نے نشاندہی بھی کی ہے، انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں لکھی جانے والی عربی اور اردو تصانیف سیرت میں بلند مقام پر فایض ہے۔ اور'' داغ ناتمامی کے باوجود خاص اس عہد کی حد تک اسے آسمان سیرت کے ماہ تمام کا درجہ حاصل ہے۔